Literary and Research Journal

ISSN: 2410-1834

Al-Ehsan

Issue# 6 Jul-Dec, 2016

Indexed by: **Index Islamicus, ATLA RDB, IRI**

HEC Recognized Journal

Patron in-Chief

Professor Dr. Muhammad Ali (T.I)

Vice Chancellor

Editor in-Chief

Dr. Humayun Abbas

(Dean, Faculty of Islamic & Oriental Learning)

Editor

Dr. Iftikhar Ahmad Khan

Co-Editors

Dr. Imrana Shehzadi , Hafiz Asif Ali Raza

Tasawwuf Study Centre,

Department of Islamic Studies & Arabic

Govt. College University, Faisalabad. Pakistan.

Editorial Board

National:

Dr. Muhammad Ishaq Qureshi
Sadar Markaz-e-Tahqeeq, Fsd

Dr. Ghulam Shamas-ur-Rehman
B.Z.U, Multan

Dr. Sajid Rehman Sajid
Islamabad

Dr. Abdul Ghani Sheikh
Sindh Uni. Jamshoro

Dr. Hafiz M. Sajjad
A.I.O.U, Islamabad

International:

Dr. Hafiz M. Munir Al-Azhari
Jamaea Al-Azhar, Egypt

Dr. Shah Kawthar Mustafa
Bangladesh

Dr. Abdul Ghaffar Azm
England

Dr. Aleem Ashraf Jaisi
India

Llioyd Ridgeon
England

Advisory Board

Dr. AbuSufyan Islahi
India

Dr. Tabbsum Minhas
Egypt

Dr. Mushtak Tijarwi
India

Dr. M. Rafiq Habib
England

Dr. Tahir Raza Bukhari
Lahore

Dr. Khaliq Dad Malik
Lahore

Dr.Yaqoob Khan Murwat
Peshawer

Dr. Naila Safdar
Lahore

Dr. Mehfooz Ahmad
Faisalabad

Dr. M. Shahid Iqbal
Lahore

Dr. M. Suhail Shafiq
Karachi

Dr. Talat Safdar
Faisalabad

Dr. M. Naeem Mohsin
Faisalabad

Dr. Raza Al-Mustafa Qasuri
Lahore

Associates

Pir M. Ameen Al-Hasnat Shah
Bhera

Khawaja Ghulam Qutab-ud-Din Faridi
Rahim Yar Khan

Pro. M. Iqbal Mujdaddi
Lahore

Dr. M. Akram Virk
Kamonki

Dr. Noor Ahmed Shahtaz
Karachi

Dr. Durmus Bulgur
Punjab Uni. Lahore

Bushra Fazal
Lahore

Dr. Ghulam Akbar
Faislalabad

Dr. Matloob Ahmad Rana
Faisalabad

Tasawwuf Study Centre,

Department of Islamic Studies & Arabic

Govt. College University, Faisalabad.

Contact : +92-041-9201559 , Mobile: 0300-6659771

E.mail:alehsangcuf@gmail.com

0333-6531747/0322-6531747

علمی و تحقیقی مجلّہ

ہائر ایجوکیشن کمیشن سے منظور شدہ

الاحسان

ISSN: 2410-1834

شمارہ ۶ جولائی تا دسمبر ۲۰۱۶ء

Indexed by: **Index Islamicus, ATLA RDB, IRI**

سرپرست اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر محمد علی (تمغۂ امتیاز)

(وائس چانسلر گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد)

مُدیرِ اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس

(ڈین: فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ)

مُدیر:

ڈاکٹر افتخار احمد خان

معاون مدیران:

ڈاکٹر عمرانہ شہزادی، حافظ آصف علی رضا

مرکز برائے مطالعۂ تصوف

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی

گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

مجلسِ ادارت

قومی

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
صدر مرکزِ تحقیق، فیصل آباد

ڈاکٹر دُرمش بُلگر
پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی شیخ
سندھ یونیورسٹی، جامشورو

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بین الاقوامی

ڈاکٹر حافظ محمد منیر الازہری
جامعہ الازہر، مصر

Lliyod Ridgeon
گلاسکو، برطانیہ

ڈاکٹر عبدالغفار عزم
برطانیہ

ڈاکٹر علیم اشرف جائسی
بھارت

ڈاکٹر شاہ کوثر مصطفیٰ
بنگلہ دیش

باشتراک خواجہ محمد یار ٹرسٹ، رحیم یار خان

More Light

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
Contact : +92-041-9201559 , Mobile: 0300-6659771
E.mail:alehsangcuf@gmail.com
0333-6531747/0322-6531747

مجلسِ مشاورت

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
انڈیا

ڈاکٹر تبسم منہاس
مصر

ڈاکٹر مشتاق تجاروی
انڈیا

ڈاکٹر محمد رفیق حبیب
برطانیہ

پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک
لاہور

پروفیسر ڈاکٹر یعقوب خان مروت
پشاور

پروفیسر ڈاکٹر محفوظ احمد
سانگلہ ہل، فیصل آباد

پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال شاہد
لاہور

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری
لاہور

ڈاکٹر رضا المصطفیٰ قصوری
لاہور

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
کراچی

ڈاکٹر نعیم محسن
فیصل آباد

ڈاکٹر طلعت صفدر
فیصل آباد

ڈاکٹر نائلہ صفدر
لاہور

معاونین

پیر محمد امین الحسنات شاہ
بھیرہ

خواجہ غلام قطب الدین فریدی
رحیم یار خان

پروفیسر محمد اقبال مجددی
لاہور

پروفیسر ڈاکٹر ساجد الرحمٰن ساجد
اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز
شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ کراچی

ڈاکٹر محمد اکرم وِرک
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، کاموکی

محمد افضل سعید
فیصل آباد

ڈاکٹر مطلوب احمد رانا
فیصل آباد

ڈاکٹر غلام اکبر
فیصل آباد

بشریٰ فضل
لاہور

گزارشات

۱۔ ششماہی مجلّہ الاحسان کے لیے اُردو، عربی، انگریزی یا دنیا کی کسی بھی زبان میں غیر مطبوعہ مقالات جو تصوف سے متعلق ہوں، ارسال کیے جاسکتے ہیں۔

۲۔ طبع زاد مضامین کے علاوہ دوسری زبانوں کے تصوف کے تحقیقی مقالات کے اُردو تراجم کو بھی شامل کیا جائے گا۔

۳۔ الاحسان میں کسی مقالہ کی اشاعت کے لیے ادارہ کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے، نیز نا قابلِ اشاعت تحریروں کی مصنفین کو واپسی کی ذمہ داری ادارہ قبول نہیں کرے گا۔

۴۔ مدیر مقالہ نگاروں کو ماہرین کی رائے سے آگاہ کرے گا۔ نیز اگر کسی مقالہ میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی تو اس کے لیے بھی مقالہ نگار سے درخواست کی جائے گی۔

۵۔ اِدارے کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

۶۔ مقالہ کسی بھی صورت میں ۱۵ صفحات سے متجاوز نہ ہو۔

۷۔ اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلّہ کے دو اعزازی نسخے روانہ کیے جائیں گے۔

۸۔ مقالات A4 سائز کے صفحہ پر ایک سائیڈ پر کمپوز کروا کر بھجوائیں۔ کمپوزنگ کسی ماہر کمپوزر سے کروائیں۔

۹۔ حروف کا سائز ۱۳ ہو اور مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اس کا خلاصہ (Abstract) جو تقریباً ۱۰۰ الفاظ پر مشتمل ہو۔

۱۰۔ وہی مقالات قابل اشاعت ہوں گے جن کی Soft Copy سی ڈی یا برقی پتہ (ای میل) کے ذریعے ساتھ دی جائے گی۔

۱۱۔ مقالہ کے حواشی وحوالہ جات اور کتابیات پر خصوصی توجہ دی جائے اور یونی ورسٹی کے رائج طریقہ کے مطابق درج کیے جائیں۔

مثال: شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس، علوم القرآن، فیصل آباد: شمع بکس، ۲۰۱۵ء، ص: ۵۵

لقب یا مشہور نام، نام، کتاب کا نام، شہر جہاں سے کتاب شایع ہوئی، ادارہ، سنِ اشاعت، صفحہ نمبر

نیز حوالہ جات درج کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی کی ویب سائٹ پر موجود فارمیٹ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۳۔ مقالہ ''ان پیج'' میں کمپوز کروائیں۔ اُردو مقالہ ہرگز مائیکروسافٹ ورڈ میں کمپوز نہ کیا جائے۔

۱۴۔ عربی اور انگریزی مقالہ کے لیے مائیکروسافٹ ورڈ استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن حوالہ جات کے لیے Foot Note یا End Note کی بجائے قوسین () میں خود سے درج کریں اور حوالہ جات وحواشی میں درست نمبرنگ سے حوالہ کا اندراج کریں۔

۱۵۔ کمپوز شدہ مقالہ کی احتیاط سے پروف ریڈنگ کرنے کے بعد ادارہ کو اشاعت کے لیے بھیجیں۔

۱۶۔ الاحسان میں اشاعت کے لیے اپنی نگارشات رخطوط رکتب اس پتہ پر روانہ کریں:

مرکز برائے مطالعہ تصوف

شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی

قائدِ اعظم بلاک، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

فہرست

سلسلۂ نقشبندیہ کے نو دریافت اُخذ کی اوّلین اشاعت 9

ڈاکٹر افتخار احمد

قیامِ امن میں پیر آف مانکی شریف کا کردار 20

ڈاکٹر عبدالمجید بغدادی

کیفیتِ حال و مقام: شیخ ہجویری اور شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہما کی آرا کا جائزہ 30

ڈاکٹر محمد نعیم انور

پشتون شاعر عبدالرحمٰن بابا کے کلام میں تصوف کا رنگ 43

عبدالوہاب جان الاظہری

فروغ تحمل و برداشت میں صوفیہ نقش بند کا کردار اور اثرات 58

ڈاکٹر عقیل احمد

فروغِ رواداری اور قیام امن میں صوفیہ کا کردار 66

ڈاکٹر کریم خان

قیام امن میں خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا کردار 80

محمد فرید احمد

افغانستان میں سلسلۂ مجددیہ کا آغاز وارتقاء 94

حسن بیگ

خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات میں تصورِ امن 106

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی

ا سهامات خواجة غلام فريد فی نشر الأمن و السلام 118
ڈاکٹر محمد اقبال

الجهود لأ دبية للشيخ خواجه محمد يار فريدى 132
ڈاکٹر احمد علی

دراسة موضوعية للرسالة القشيرية 146
ڈاکٹر سید اظفار حیدر نقوی

الشعر العربى للشيخ فخر الدين العراقى فى الامن والسلامة 159
محمد سرور

مكافحة الأعداء الثلاثة فى منظور رسائل النور 179
پروفیسر ڈاکٹر حامد اشرف ہمدانی

Impact of Shah-e-Hamdan Teachings
on Religious Life of the Kashmiris 3
Dr. Kh. Zahid Aziz

The Culture of Sufi Music, Qawwali & Dhamaal:
Some Reflections from the Shrines of Northern Pakistan 10
Dr. Abdul Qadir Mushtaq, Umer Yaqoob

The Role of Sufis in Construction
of Peaceful Society 22
Dr. Matloob Ahmad

شرکاء کا تعارف

ڈاکٹر افتخار احمد خان

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر عبدالمجید بغدادی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد نعیم انور

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

عبدالوہاب جان الازہری

لیکچرار، فیکلٹی آف اصولِ دین، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر عقیل احمد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر کریم خان

لیکچرار، شعبہ علومِ اسلامیہ، گجرات یونیورسٹی، گجرات

محمد فرید احمد

لیکچرار، شعبہ اردو، میونسپل ڈگری کالج، فیصل آباد

حسن بیگ

لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، ساہیوال کیمپس، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی

چیئرمین شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر محمد اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر احمد علی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور
ڈاکٹر سید اظفار حیدر نقوی
لیکچرار، شعبہ عربی، یونیورسٹی آف دی فیصل آباد، فیصل آباد
محمد سرور
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
پروفیسر ڈاکٹر حامد اشرف ہمدانی
پروفیسر آف عربی، شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Dr. Khawaja Zahid Aziz
Assistant Professor, Department of Kashmiryat
University of the Punjab, Lahore.

Dr. Abdul Qadir Mushtaq
Assistant Professor, Department of History and Pakistan Studies
Government College University, Faisalabad

Umer Yaqoob
Lecturer, Department of History and Pakistan Studies,
Govt. College University, Faisalabad.

Dr. Matloob Ahmad
Associate Professor, Department of Islamic Studies and Arabic
Government College University, Faisalabad.

سلسلۂ نقشبندیہ کے نو دریافت مأخذ کی اولین اشاعت

First Edition of the Newly Discovered Source of Naqashbandi Order

Dr. Iftikhar Ahmad Khan

Assistant Professor, Department of Islamic Studies and Arabic,

Government College University, Faisalabad.

Abstract

The article entitled ''سلسلۂ نقشبندیہ کے نو دریافت مأخذ کی اولین اشاعت'' deals with the review of latest book ''زاد المعاد''. The work under consideration was in the manuscript form. This great work was edited and translated from Persian into Urdu by a renowned scholar Muhammad Iqbal Mujaddadi. This source consists of four volumes which includes comprehensive preface, translation of the manuscript, editing, commentary and foot notes. The foot notes are encyclopedia in comprehensiveness. This work is a classic of the artistic beauty of prof. Muhammad Iqbal Mujaddadi in the field of editing and biographies.

Key Words: Manuscript, Muhammad Iqbal Mujaddadi, Editing, Translation, Commentary, Biographies, Persian, Urdu

تصوف صیانت عقیدہ اور تلاش احسن کی ایک ہمہ گیر تحریک ہے۔ اس پلیٹ فارم سے صوفیہ دنیا کے

مختلف خطوں میں دینِ اسلام کی تبلیغ ونشر واشاعت میں مصروفِ عمل ہیں۔اس تحریک کے مختلف سلاسل اپنے اپنے طریقہ کے مطابق اس فریضہ کی انجام دہی میں مصروفِ عمل ہیں۔ان سلاسل طریقت میں سلسلہ سہروردیہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور شاذلیہ معروف ہیں۔

برصغیر میں فروغِ اسلام میں چشتی، قادری، سہروردی سلاسل کا خاص مقام ہے تاہم بعد کے دور میں نقشبندی بزرگوں نے تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ اسلامی تشخص کے تحفظ میں خصوصی خدمات انجام دیں۔اسی بنا پر برعظیم پاک و ہند میں سب سے زیادہ پذیرائی سلسلہ نقشبندیہ کو ملی۔اس سلسلہ کے سرخیل وھادی احبابِ طریقت جنہوں نے اپنی زندگیاں کارِخیر میں صرف کیں ان میں خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ خصوصی تذکرہ کے مستحق ہیں۔

اسی طرح اس معروف سلسلہ پر کئی ایک کتب منظرِ عام پر آئیں جن میں ''روضہ قیومیہ''، ''حضرات القدس''، ''مقاماتِ معصومی''، ''مکتوباتِ امام ربانی''، ''مجددِ ہزارہ دوم''، ''تاریخ مشائخ نقشبندیہ'' اور ''مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و دینی خدمات'' قابلِ ذکر ہیں۔اس سلسلہ کی ایک اہم اور تازہ ترین کڑی محمد اقبال مجددی کی تالیفِ نو ہے۔سلسلہ نقشبندیہ کے اس نو دریافت ماخذ کا نام ''زاد المعاذ'' ہے جو کہ تذکرہ خواجہ حسام الدین (٩٧٧۔ ١٠٤٣ھ/ ١٥٦٩۔ ١٦٣٣ء) کو محیط ہے۔آپ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلوی (٩٧٢۔ ١٠١٢ھ/ ١٥٦٤۔ ١٦٠٣ء) کے خلیفہ خاص تھے۔یہ گراں قدر علمی و تحقیقی ورثہ نامور محقق و دانشور پروفیسر محمد اقبال مجددی کی مساعی جمیلہ کی بدولت منصۂ شہود پر آیا اور اس کی اشاعت کا سہرہ تنظیم الاسلام پبلی کیشنز گوجرانوالہ کے نام ہے۔

موصوف محمد اقبال مجددی بن میاں نور محمد بن میاں محمد ١٥ ستمبر ١٩٥٠ء کو قصور میں متولد ہوئے۔آپ کے والد گرامی میاں نور محمد غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، والدہ محترمہ نواب بیگم (ف ١٢ رمضان ١٤١٨ھ/ ١١ جنوری ١٩٩٨ء) قصور کی رہنے والی تھیں۔آپ کے والد گرامی بہت سادہ اور کریم النفس انسان تھے۔ان کا تعلق قصور کی شیخ برادری سے تھا،لیکن اپنے نام کے ساتھ کبھی شیخ کا لفظ نہیں لکھتے تھے۔

آپ چھ بھائی اور تین بہنیں ہیں۔جن کے نام سنین عمر کے اعتبار سے اس طرح ہیں: محمد اسلام، محمد سعید، محمد سلیم، محمد اشرف، محمد اقبال اور محمد یوسف۔بہنوں میں اصغری بیگم، شکیلہ اور جمیلہ ہیں۔

ولادت:

آپ کی ولادت کے ایام قریب تھے کہ آپ کے والد کریم نے ایک شب خواب میں علامہ محمد اقبال کو

دیکھا، آپ کے والد علامہ کے بہت ہی مداح تھے۔ بانگِ درا اپنے پاس رکھتے تھے اور اس کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ علامہ نے خواب میں فرمایا کہ ''میاں صاحب! میرے والد کا نام بھی نور محمد تھا آپ کے ہاں جو بیٹا متولد ہو رہا ہے اس کا نام میرے نام پر محمد اقبال رکھنا۔ چنانچہ آپ کے والد محترم نے یہی کیا کہ ان کا نام علامہ محمد اقبال کے نام پر محمد اقبال رکھا۔ لڑکپن سے علامہ اقبال کے ہم نام ہونے کے باعث ان سے بڑی محبت رکھتے تھے اور اشتیاق رکھتے تھے کہ یہ ہستی کون ہیں؟

تعلیم کا آغاز:

آپ ابھی چار، پانچ سال کے تھے کہ آپ کے والد نے آپ کو ایم سی پرائمری سکول جہانگیر آباد، چوک ناخدا وسن پورہ، لاہور میں پہلی جماعت میں داخل کروا دیا۔ سکول کی عمارت چھوٹی تھی اور طلبہ کی تعداد بہت زیادہ، کلاسیں برآمدوں اور اسکول کی گراؤنڈ میں ہوتی تھیں۔

تصنیف وتالیف:

آپ کو کتب بینی کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ جس کے نتیجے کے طور پر آپ کا پہلا مقالہ نومبر ١٩٦٧ء میں معارف دارالمصنفین، اعظم گڑھ انڈیا میں شایع ہوا اس وقت ابھی آپ دسویں جماعت کے امتحان سے فارغ ہی ہوئے تھے اور بی اے کے دوران ١٩٧٠ء میں آپ کی پہلی کتاب ''عبداللہ خویشگی کے احوال و آثار'' شایع ہوئی۔ اس طرح تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ آپ کی معروف ترین تصانیف وتالیفات میں سے:

مقاماتِ مظہری

مقاماتِ معصومی

حسنات حرمین

حدیقۃ الاولیاء

لطائف مدینہ

احوالِ مشائخ کبار

رسائلِ در دفاع مجدد الف ثانی

تذکرہ علماء ومشائخِ پاکستان وہند

قابلِ ذکر ہیں۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''زادالمعاذ'' بھی ہے۔یہ علمی ورثہ مسمیٰ ''زادالمعاذ'' چار مجلدات پر مشتمل ہے۔کتاب کی پہلی جلد جامع و مدلل مقدمہ پر مشتمل ہے جو آپ کے تبحرِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے،جس میں آپ نے نقشبندی مشائخ کی تحریک احیاءِ دین،احوال وآثار حضرت خواجہ باقی باللہ اور خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ پر گفتگو فرمائی ہے۔٣٦٥ صفحات پر مشتمل یہ جلد آپ کی گہری نظر اور عمیق مطالعہ کی عکاس و مصداق ہے جس میں آپ نے بڑے جامع لیکن مختصر انداز میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔جس کی واضح و بین مثال وہ ہوامش و مصادر ہیں جو آپ نے مقدمہ میں دورانِ کلام ثبت و ذکر کیے ہیں۔آپ نے ٨١٥ سے زاید ہوامش وتعلیقات درج کی ہیں۔ایسے محسوس ہوتا ہے کہ صوفی ادب اور تاریخ کے مصادر آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح مستحضر ہیں۔آپ ان سے جو موتی لینا اور اُن کو اپنی تحریر میں پرونا چاہتے ہیں، جڑتے چلے جاتے ہیں۔

کتاب میں دیے گئے دیباچہ کا عنوان ''پہلی بات'' ہے۔جس میں کتاب کی تالیف وتحقیق کا سبب ذکر کیا گیا ہے۔آپ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سندھ کے ایک سفر کے دوران حضرت خواجہ حسام الدین احمد کے احوال ومناقب پر خیر پور پبلک لائبریری میں زادالمعاد نام کا ایک مخطوطہ دیکھا تو بہت خوش ہوا،اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی بنوائی،لاہور آکر اس کا مطالعہ شروع کیا،اس امر پر تردد رہا کہ یہ خواجہ کلاں بن حضرت خواجہ باقی باللہ کی تصنیف کیسے ہوسکتی ہے؟ کیوں کہ اس وقت تک میں ان حضرات کی تصانیف سے ناواقف تھا،ایک روز حضرات القدس کی جلد اول پڑھ رہا تھا کہ اس کا ذکر ملا تو تردد و تامل جاتا رہا کہ یہ واقعی حضرت خواجہ کلاں کی تالیف ہے۔''(١)

اسی طرح آپ ایک ماہر اور دقیق رس محقق کی طرح کتاب کے خطی نسخوں،مراکز،تعداد،حالت،زمنِ کتابت اور دورانِ تحقیق وتسوید اختیار کردہ علامات کا ذکر بھی بہت ہی احسن اور ایجاز و اختصار سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''پھر ١٩٨٢ء کو انگلستان کے علمی سفر پر گیا تو کتاب خانہ انڈیا آفس،لندن کے ذخیرۂ دہلی کو بغور دیکھنے کا بھی موقع ملا۔جس میں دیگر نوادر کے ساتھ زادالمعاد کا بیش بہا خطی نسخہ بھی موجود تھا،اس کی مائیکروفلم حاصل کر لی۔خیر پور والے نسخہ کی بنیاد پر اس کی نقل تو تیار کر ہی چکا تھا، لندن یونیورسٹی نے مائیکروفلم ریڈر بھی تحفہ کے طور پر دے دیا تھا۔جو مرمت کروانے والا تھا،

عرصہ تک کوئی ماہر شخص نہ مل سکا، پھر خوش قسمتی سے پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شعبہ عکسیات کے ماہر ادریس صاحب نے اس کی ایسی مرمت کی کہ اب تک صحیح کام کر رہا ہے۔

۱۹۹۰ء کے وسط میں ہندوستان کے طویل سفر پر گیا تو دہلی میں روضہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری نصیب ہوئی آپ کے احاطہ قبور دیکھیں تو وہاں ایک خادم نے نشان دہی کی کہ خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن مبارک حضرت کے مرقد سے قدموں کی طرف کچھ فاصلہ پر ہے، معروف محقق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ہمراہ تھے انہوں نے اپنے کیمرے پر اس کی تصویر بنا کر دی جو کتاب حاضر میں شامل ہے لیکن پوری کوشش کے باوجود خواجہ حسام الدین کی اولاد کا وہاں کے خادموں اور اہلِ علم سے پتہ نہ چل سکا۔

بہر حالا دونوں مذکورہ خطی نسخوں کے تقابل سے ایک دوسرے کی کمی پوری کرنے کی سعی کی گئی ہے، پھر بھی نسخہ انڈیا آفس کے کرم خوردہ ہونے اور روشنائی کے سرخ و مدہم ہونے کے باعث چند مقامات سے پڑھا نہیں جا سکتا۔

خیر پور والے نسخہ کو حواشی میں نسخہ خ اور انڈیا آفس لائبریری کے نسخہ کو نسخہ (ا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اول الذکر ناقص الاخر ہے جو لاحقہ اول کے درمیان نواب قلیچ خان کے احوال پر ختم ہو جاتا ہے اور نسخہ ثانی (ا) جا بجا کرم خوردہ بھی ہے لیکن ہے وہ آخر تک کامل ہے سال کتابت ۱۱۰۳ھ ہے یعنی کتاب کی تکمیل (۱۰۴۴ھ) کے ۵۹ سال بعد کتابت کیا گیا ہے۔"(۲)

اسی جلد میں حیاتِ خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مآخذ کا مختصر و جامع تذکرہ ہے جو آپ کے وسعتِ مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ مآخذ دو قسم کے ہیں۔ پہلا حصہ کتب تاریخ کے تعارف پر مشتمل ہے جن میں زیادہ تر خواجہ حسام الدین کے والد گرامی نواب غازی خان بدخشی کے حالات اور ان کی ملکی مہمات کا ذکر ہے۔ دوسرے حصہ میں آپ نے صوفیہ کے ان تذکروں کا تعارف کروانے کی سعی کی ہے جن میں خواجہ موصوف کے روحانی حالات و مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ آپ نے ان سب کا تعارف ترتیبِ زمانی سے کروایا ہے تا کہ آپ کے احوال پر لکھی جانے والی مستقل کتاب ''زاد المعاد'' کی اہمیت واضح ہو سکے۔ آپ نے جن کتب کا تعارف کرایا، ان مصادر اور مؤلفین کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ اکبری از حاجی محمد عارف قندھاری، جس میں اکبر بادشاہ کی ولادت سے ۱۵۸۱ء تک کے واقعات درج ہیں۔

۲۔ طبقاتِ اکبری مؤلفہ خواجہ نظام الدین احمد ہروی (ف ۱۰۰۳ھ/ ۱۵۹۴ء) یہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی ایک عام تاریخ ہے جو محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر اکبر بادشاہ کے ۳۸ سال جلوس ۱۰۰۲ھ/ ۱۵۹۳ء تک کے واقعات کو محیط ہے۔

۳۔ اکبر نامہ از ابوالفضل علامی۔ تین جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں بابر سے ہمایوں کے عہد تک کے واقعات، جبکہ دوم اور سوم اکبر کی تاریخ سے متعلق ہیں۔

۴۔ آئینِ اکبری مؤلفہ ابوالفضل علامی۔ یہ اکبر نامہ کا تکملہ ہے جس میں عہدِ اکبر کے انتظامی امور کی تفصیلات ملتی ہیں۔

۵۔ منتخب التواریخ مؤلفہ عبدالقادر بدایونی۔ یہ کتاب ہندوستان کے مسلم عہد کی عام تاریخ کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس کا آغاز سبکتگین کے عہد سے ہوتا ہے اور اکبر بادشاہ کے ۱۴ سال جلوس ۱۵۹۶ء تک کے واقعات پر ختم ہوتی ہے۔

۶۔ مآثر رحیمی مؤلفہ عبدالباقی نہاوندی۔ تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں کے اجداد کے احوال و کمالات، فتح سندھ کے لیے جانے کی روداد اور آخری جلد میں خانِ خاناں سے متوسل علماء، مشائخ اور شعراء کے حالات کا مفصل تذکرہ ہے۔

۷۔ توزک جہانگیری۔ یہ جہانگیر کی نوشتہ ڈائری ہے، جو تین مراحل میں مکمل ہوئی جن میں محمد خان اور محمد ہادی کا کردار بہت اہم ہے۔

۸۔ مجالس جہانگیری مؤلفہ عبدالستار

۹۔ پادشاہ نامہ مؤلفہ محمد امین معروف بہ امینا قزوینی

۱۰۔ پادشاہ نامہ مؤلفہ عبدالمجید لاہوری و محمد وارث

۱۱۔ عمل صالح مؤلف محمد صالح کنبو لاہوری

۱۲۔ ذخیرۃ الخواتین مؤلفہ شیخ فرید بھکری

۱۳۔ مآثر الامراء مؤلفہ عبدالرزاق صمصام الدولہ

۱۴۔ کلیات خواجہ باقی باللہ

۱۵۔ مکتوبات امام ربانی از مجدد الف ثانی

۱۶۔ کلمات الصادقین از خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری

۱۷۔ خلاصۃ المعارف مؤلفہ شیخ آدم نبوڑی

۱۸۔ زبدۃ المقامات مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی

۱۹۔ زادالمعاد از خواجہ عبیداللہ ملقب بہ خواجہ کلاں

۲۰۔ رباعیات وشرح رباعیاتِ خوجہ خرد از خواجہ دین خواجہ باقی باللہ

۲۱۔ حضرات القدس مؤلفہ ملا بدرالدین سرہندی

۲۲۔ مجمع الاولیاء از ملا بدرالدین

۲۳۔ سنوات الاتقیاء از ملا بدرالدین

۲۴۔ طبقات شاہ جہانی مؤلف خواجہ محمد صادق ہمدانی کشمیری

۲۵۔ سکینۃ الاولیاء تالیف شہزادہ داراشکوہ

۲۶۔ اسراریہ تالیف کمال محمد سنبھلی واسطی

۲۷۔ مقامات معصومی مؤلفہ میر صغیر احمد معصومی

۲۸۔ روضۃ القیومیہ مؤلفہ کمال الدین محمد احسان

۲۹۔ تاریخ محمدی از میرزا محمد بن رستم

۳۰۔ انفاس العارفین تالیف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۳)

کتاب ھذا کی دوسری جلد زادالمعاد کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ بے شمار فنی محاسن سے متصف ہے جس میں کہیں بھی آورد کا پہلو نظر نہیں آتا اور فن کے کمال کو پہنچا دکھائی دیتا ہے۔ نمایاں ترین سمات ومیزات اور محاسن میں سے:

۱۔ کلماتِ جزلہ ومالوفہ کا استعمال

۲۔ الفاظ وتراکیب کا حسین امتزاج

۳۔ اسلوبِ حکیم

۴۔ نہایت ہی شستہ وسلیس عبارتیں

قابلِ ذکر ہیں اور اگر کہیں اصل نسخہ میں سقط واقع ہو یا کسی سبب سے نص غیر مقروءہ تھی اس کی وضاحت بھی ہوامش میں کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۲۶۰/۲ کی سطرتین پر تعلیق ملاحظہ ہو:

''اصل مخطوطہ میں عنوان کے لیے سرخ روشنائی استعمال کی گئی تھی اس لیے مائیکروفلم میں یہ

الفاظ نہیں آسکے۔''(٤)

اسی طرح کا عمل دیگر جگہوں پر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''زاد المعاد'' کی تیسری جلد اصل متنِ مخطوط جو کہ فارسی زبان میں ہے پر مشتمل ہے۔ جو آپ کی کاوش کے نتیجہ میں منظرِ عام پر آئی۔ یہ مسودہ فاتحہ الکتاب، خاتمہ اور لاحقہ پر مشتمل ہے۔ فاتحہ الکتاب میں خواجہ حسام الدین کے خصائل وفضائل کا ذکر ہے۔

مقصد اول: آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نسب اور عمر کے متعلق ہے جو کہ چار فصول پر مشتمل ہے۔

مقصد ثانی: آپ کی عبادات کے متعلق ہے جو کہ تین فصول پر مشتمل ہے۔

مقصد ثالث: آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات و ہدایت کا طریقہ کے متعلق ہے یہ مقصد بھی تین فصول پر مشتمل ہے۔

جبکہ خاتمہِ کتاب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرضِ رحلت اور اس پر ملال پر محیط ہے۔ اور اسی طرح لاحقہ کتاب خواجہ حسام الدین کے تمام اصحاب واحباب کے مختصر حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

آپ کی یہ تحقیقی کاوش بھی بے شمار تسویدی (Editing) میزات سے بھی متصف ہے۔ جن میں تصحیح نص، خرم النص کی نشاندہی، توضیح نص، سقط نص، تقابل بین النسخ، تعارفِ اعلام و اماکن، اختلافِ آراء کا ذکر، مؤرخین وعلماء کی اغلاط کی نشاندہی، تحویل إلی الأماکن المحققۃ، تحویل إلی المصادر، استنباطِ نتائج، تصحیف وتحریف کی نشاندہی وتوضیح، تقابل بین الاقوال والآراء والابیات، فہارس موضوعات ومصادر ومراجع قابلِ ذکر ہیں۔

جہاں تک مؤرخین وعلماء کی اغلاط کی نشاندہی کا تعلق ہے تو اس ضمن میں آپ نے جگہ جگہ اس کی نشاندہی کی ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر اکرام چغتائی (مؤلف رودِ کوثر) سے جو سہو ہوئے ان کی طرف اس انداز سے اشارہ اور تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''خواجہ حسام الدین احمد خانِ خانان کے ساتھ دکن کی مہم کو گئے اس اثنا میں فقراء سے ملتے رہے اور محبتِ الٰہی کا جذبہ ایسا غالب ہوا کہ ترکِ دنیا کا فیصلہ کیا۔ (رودِ کوثر: ٢١٦)''

اس پر نقد کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

> ''جیسا کہ ہم معاصر کتبِ تاریخ سے ثابت کر چکے ہیں کہ خواجہ حسام الدین احمد پر روحانی جذبہ خانِ خانان کے ساتھ مہمِ سندھ (٩٩٩ھ/ ١٥٩٠ء) کے دوران پیش آیا تھا۔ آپ اس کے ساتھ دکن گئے ہی نہیں بلکہ مذکورہ سن میں ہی میں ترکِ ملازمت کے بعد گوشہ نشینی اختیار

کر لی تھی۔ (۵)

(مہم سے) یہاں (دہلی) پہنچے تو خواجہ باقی باللہ کے مرید ہوئے۔ (رودِ کوثر: ۲۱۶)

اس پر تبصرہ اس انداز سے فرمایا:

''خواجہ حسام دین احمد ملازمت ترک کرتے ہی حضرت خواجہ کے مرید نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک عرصہ بعد ایسا ہوا۔ مدتوں آپ جنگلوں اور صحراؤں میں رہے۔ حضرت خواجہ سے متعدد مرتبہ لاہور میں ملاقات ہوئی پھر جب آپ خلافت یاب ہوکر ۱۰۰۶ھ کو لاہور آئے تو بیعت کی۔''(٦)

''جب حضرت خواجہ نے وفات پائی تو ان کے دونوں بیٹے خرد سال تھے۔ ان کی عمر دو سال سے زیادہ نہ تھی۔ (رودِ کوثر: ۲۱۷)

اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر اکرام کا یہ بھی محض قیاس ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ وصال حضرت خواجہ (۱۰۱۲ھ) کے وقت خواجہ کلاں دو سال چار ماہ کے اور خواجہ خُرد دو سال کے تھے۔''(۷)

''خواجہ حسام الدین کی مفصل سوانح عمری حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ کلاں نے لکھی وہ اب دستیاب نہیں ہوتی۔ (رودِ کوثر: ۲۱۷)''

اس پر آپ نے نقدان الفاظ میں فرمائی:

''ڈاکٹر اکرام کا یہ جملہ بے معنی ہے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنا ماخذ نہیں بتایا کہ سوانحِ خواجہ حسام الدین مؤلفہ خواجہ کلاں کی اطلاع انہیں کہاں سے ملی؟ ظاہر ہے کہ یہ معلومات حضرات القدس کی جلد اول سے ماخوذ ہیں، خوش قسمتی یہ کتاب حاضر یعنی زاد المعاد وہی نادر الوجود نسخہ ہے جس کے نہ ملنے کی طرف ڈاکٹر اکرام نے اشارہ کیا ہے۔''(۸)

ڈاکٹر اکرام نے مزید لکھا ہے: آپ (خواجہ حسام الدین) کو اور شیخ محدث کو دہلی سے چلے جانے کا حکم دیا۔ (رودِ کوثر: ۲۱۷)

اس پر آپ نے داراشکوہ کے حوالہ سے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''داراشکوہ نے لکھا ہے کہ جب جہانگیر کشمیر میں تھا تو اس نے ان دونوں حضرات کو کشمیر طلب کیا، اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

پادشاہ فرمودند کہ شیخ عبدالحق و مرزا حسام الدین را از دہلی بحضور بیاورند۔ (دارا شکوہ: سکینۃ الاولیاء: ۱۱۵)

یہاں تو ان حضرات کو دہلی سے کشمیر طلب کرنے کا ذکر ہے، دہلی سے اخراج کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔"(۹)

ڈاکٹر اکرام نے مزید لکھا ہے:

"خواجہ حسام الدین کی وفات کے بعد ان کی بی بی نے ان کے نیک کام جاری رکھے، اپنے بھائیوں اور خویشوں سے منہ موڑ لیا اور جب تک جیتی رہی بارہ ہزار روپے سالانہ جو خانِ خانان کی دی ہوئی جاگیر سے آتا تھا، حضرت خواجہ کی خانقاہ کے خرچ کے لیے بھیجتی رہی۔ (رودِکوثر: ۲۱۹)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"ایس ایم اکرام کے اس قول میں دو بنیادی غلطیاں ہیں:

اول یہ کہ خواجہ حسام الدین کی وفات کے بعد آپ کی بی بی نے ان کے نیک کام جاری رکھے اور اپنے بھائیوں سے منہ موڑ لیا۔ جیسا کہ ہم زاد المعاد کے حوالہ سے متعدد مرتبہ لکھ آئے ہیں کہ خواجہ حسام الدین کی زوجہ فاطمہ بنت ملا مبارک ناگوری کا انتقال آپ کے حینِ حیات ۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۳ء کو ہی ہو گیا تھا، دراصل آپ کی زوجۂ ثانی بی بی زہریٰ (نکاحِ حدود ۱۰۲۵ھ) نے آپ کے وصال کے بعد آپ کے نیک کاموں کو جاری رکھا تھا۔ اس کا زوجہ اول سے کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر اکرام کی یہاں دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ خانِ خانان نے ان کو جو جاگیر دی تھی جس کی سالانہ آمدنی بارہ ہزار روپے آتی تھی، ایسا نہیں ہے بلکہ ذخیرۃ الخوانین کی عبارت ہم نقل کر چکے ہیں کہ وہ ہر سال بلاناغہ حضرت خواجہ کی خانقاہ کے خرچ کے لیے بارہ ہزار روپے بھیجا کرتا تھا۔ اس نے کوئی جداگانہ جاگیر حضرت خواجہ حسام الدین احمد کو نہیں دی تھی۔"(۱۰)

اس مختصر سی گفتگو سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کے تبصرے اور نقد کا منہج عالمانہ اور محققانہ ہے۔ آپ دلائل اور شواہد کے ساتھ بات کو رد کرتے ہیں اور اگر وہ بات آپ پہلے ذکر کر چکے ہوں تو اس کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ گویا کہ یہ بات آپ کے پیشِ نظر ہوتی ہے کہ آپ نے کیا کیا ہے، کیا کر رہے ہیں اور کیا کریں گے۔

''زادالمعاد'' کی چوتھی اور آخری جلد تعلیقات وتوضیحات پر مشتمل ہے جو معلومات ومعارف کا خزینہ ہیں اور وہ اس قدر مفید اور جامع ہیں کہ ان کی اساس سے ایک عظیم وضخیم تراجم کا انسائیکلو پیڈیا وجود میں لایا جا سکتا ہے اور اس میں مضمر دقیق مسائل علماء ومحققین کے لیے مشعلِ راہ ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ علماء ومحققین کی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو ضبطِ نص اور تعلیق نگاری کے نہ صرف حامی بلکہ اصول وضوابط کے خالق ہیں اور محققین علماء کے لیے نئی راہوں اور سمتوں کا تعین کرنے والے اور راہنمائی فرمانے والے ہیں۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد اقبال مجددی، زادالمعاد، مقدمۂ کتاب بعنوان: پہلی بات، گوجرانوالہ: تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، ص:۱

۲۔ ایضاً، ص:۱۔۲

۳۔ ایضاً، ۱/ ۲۹۲۔۳۲۵

۴۔ ایضاً، ۲/ ۲۶۰

۵۔ ایضاً، ۱/ ۳۲۳

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً، ۱/ ۳۲۴

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً، ۱/ ۳۲۵

♦♦♦

قیامِ امن میں پیر آف مانکی شریف کا کردار

Peer of Maanki Sharif's Role in Establishment of Peace

Dr. Abdul Majeed Baghdadi

Assistant Professor of Arabic,

Allama Iqbal Open University, Islamabad

Abstract

A great spiritual figure of KPK Muhammad Ameen ul Hasanat Peer of Maanki Sharif considered one of the top leadership of Pakistan movement who not only work hard for the creations of Pakistan but also in a very short period he became a very reliable fellow of Quaid Azam. Peer of Maanki Sharif started to participate as politician in the last decade of freedom movement when demand of Pakistan had become the final stance of the Muslims of Subcontinent. In these circumstances Peer of Manki Sharif established an organization entitled "Jamiyyat Asfiya" and played an active role for the recovery of the rights of the Muslim's of subcontinent. In 1945Pir of Manki Sharif held a great conference in Peshawar.All religious scholars and Mashaikh were invited in this conference and it was decided unanimously that all the muslims should be united under the

leadership of Quaid-e- Azam so that muslims can make efforts for their separate homeland"Pakistan." Pir Sahib also participated in All India Banaras Sunni Conference and got full support and validation of ideology of Pakistan. He assured the muslims in his speech that Pakistan will be an Islamic country and told the people that Quaid-e-Azam promised me that Islamic system will be established there. In this article apart from his life, political efforts and his contribution for peace has been discussed briefly.

Key words: Maanki Sharif, Ameen ul Hasanat, Politician, Pakistani movement, Quaid-e-Azam ,freedom movement, Subcontinent, Jamiyyat Asfiya

مشائخ عظام اور صوفیائے کرام سے قبل برصغیر میں اسلام کی آمد شروع ہو چکی تھی اور یہ سلسلہ غزنوی دور سے مغلیہ دور تک جاری رہا۔ اگر تصوف کی تصنیف وتالیف کے حوالہ سے صوفیائے کرام کا ذکر کیا جائے تو یہ کڑیاں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تک جا ملتی ہیں۔ آپ کی بلند پایہ تصنیف کشف المحجوب ہے جس پر نہ صرف مسلم سکالرز کی توجہ رہی بلکہ مستشرقین نے بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے اس دور میں کشف المحجوب کے سوا اور قابل ذکر کتاب علم تصوف پر نہ تھی۔ پاکستان اگرچہ 14، اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر ابھرا لیکن درحقیقت پاکستان اسی روز معرض وجود میں آ گیا تھا جس دن برصغیر میں پہلا شخص مسلمان ہوا تھا۔ اس اعتبار سے پاکستان کی جغرافیائی، تہذیبی وتمدنی اور معاشرتی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔

اس لیے کہ ہجرت مدینہ کے ساتھ ہی جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی تو مسلمان، ساری دنیا سے اسلام کی روشنی سے پورے عالم کو منور کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ اور مسلمان فاتحین جس خطہ میں بھی پہنچے وہاں مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ لیکن وہ شخصیات جنہوں نے خطے پر نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں پر حکومت قائم کی وہ اولیاء اللہ تھے۔ ان ہی میں سے شیخ صفی الدین گازرونی (١) کی شخصیت اور ہستی ہے، جس نے سب سے پہلے اس سرزمین پر قدم رکھا جسے آج ہم پاکستان کا دل پنجاب کہتے ہیں۔ (٢)

صوبہ سرحد کی تحصیل نوشہرہ کے شمال مغرب میں نو ٩ کلومیٹر کے فاصلہ پر سات سو ٧٠٠ سے زائد

گھروں اور ساڑھے پانچ ہزار سے زائد نفوس پر مشتمل ایک بستی کا نام مانکی ہے، اور اپنے روحانی فیوض و برکات کی بنیاد پر اس مقام کو صوبہ سرحد کے عوام میں خصوصی مقبولیت حاصل ہے۔ (٣)

پیر مانکی شریف اور بدعات:

پیر صاحب ایک مخلص مذہبی رہنما تھے۔ قبائلی علاقہ اور صوبہ سرحد میں آپ کے بے شمار مریدین موجود تھے۔ بے آب و گیاہ پہاڑیوں کے بیچوں بیچ یہ بستی روحانی طور پر بڑی زرخیز ہے اور تقریبا گزشتہ دو صدیوں سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچا رہی ہے۔ اور ان فیوض و برکات کا منبع دراصل ''غوث الزماں حضرت شیخ عبدالوہاب صاحب ہیں''۔ جنہوں نے پورے ایک سو سال تک بدعقیدگی اور غلو کے خلاف جہاد کرتے ہوئے گذاری۔ سرحد میں آپ کے مریدوں کو" شیخ " کہا جاتا تھا اور ان کی تعداد کئی ہزار تھی۔ یہ شیخ اپنے مرشد کے اشارے پر ہر وقت اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ (٤)

پیر مانکی شریف برصغیر میں آزادی کی تحریک کے دوران بھی امن کے قیام کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرتے رہے اور کانگرس کے عزائم کو بھانپتے ہوئے آپ نے برصغیر کے اہم سجادہ نشینوں اور مشائخ سے رابطہ قائم کیا تا کہ باہمی صلاح و مشورہ سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں امن قائم رہے اور ان کا مستقبل تابناک ہو سکے۔ اور مسلمان انگریزوں کی غلامی کے ساتھ ساتھ ہندووں کے دام فریب سے بھی نجات حاصل کر سکیں۔ (٥)

ولادت:

حضرت پیر عبدالوہاب صاحب کی ولادت تیرھویں صدی ہجری میں اکوڑہ خٹک میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب نے آپ کا نام اللہ کے حکم سے عبدالوہاب رکھا۔ (٦)

تعلیم و تربیت:

حضرت شیخ عبدالوہاب صاحب نے اپنے والد محترم سے ابتدائی تعلیم اکوڑہ خٹک سے ہی حاصل کی اور پھر اس دور کے جید علماء سے بدرشی کے مقام پر بھی علمی استفادہ کیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ نے بدرشی سے موضوع ڈھیری کٹی خیل ہجرت فرمائی اور حصول علم کی تلاش اور حقیقت سے آگاہی کی تڑپ آپ کو غوث الزمان، حریت پسند، صاحب بصیرت سیاستدان حضرت اخوند عبدالغفور صاحب کے پاس سوات لے آئی، جنہوں نے آپ کو ظاہری و باطنی دونوں دولت سے مالا مال کیا۔ (٧) آپ کے مرشد حضرت اخوند صاحب کی

زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود کو تین مقاصد کے حصول کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ایک مقصد قال اللہ وقال الرسول کی ترویج، دوسرا مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد اور تیسرا مقصد اصلاح معاشرہ تھا۔ اور یہی وہ تین بنیادی مقاصد تھے جن کی تربیت حضرت پیر عبدالوہاب صاحب کو دی گئی۔ جب مرشد نے یہ محسوس کر لیا کہ آپ اب عوام کی تربیت کے لیے تیار ہو چکے ہیں تو آپ کو اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا کہ میں اپنی روحانی قوت بجائے اپنے خاندان کے تمہیں منتقل کر رہا ہوں اسطرح میرے خاندان سے تو یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا لیکن تمہاری اولاد میں یہ سلسلہ پروان چڑھتا رہے گا۔ (۸)

آپ کے مرشد نے یہ دعائیں اس لیے دیں کہ انہوں نے آپ کے گوہر پوشیدہ کو بھانپ لیا تھا کیونکہ مرشد سے عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ سخت سردی کے دنوں میں حضرت اخوند صاحب کی پن چکی کو پانی فراہم کرنے والا بند پانی کے زور سے بہہ گیا۔ آپ کے مریدون نے جان توڑ کوشش کی کہ کسی طرح بند باندھ دیا جائے لیکن پانی کے بہاؤ کے آگے ان کی ایک نہ چلی تو حضرت عبدالوہاب صاحب خود پانی کے آگے لیٹ گئے اور باقی ساتھیوں سے کہا کہ اب بند باندھ لو۔ جب تک بند مکمل نہیں ہوا اُس وقت تک ٹھنڈے پانی میں لیٹے رہے۔ اس کی اطلاع جب مرشد کو ہوئی تو آپ کے خلوص سے بے حد متاثر ہوئے۔ یہ خلوص اور سادگی مرشد کو بہت پسند آئی اور آپ نے خلافت عطا کرتے ہوئے واپس گاؤں جا کر سلسلہ رشد وہدایت جاری کرنے کی تلقین فرمائی۔ جس پر آپ نے واپس آ کر ڈھیری کی کٹی خیل میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ (۹)

مانکی سے مانکی شریف:

آپ نے مرشد کے حکم سے اپنے گاؤں جا کر رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا اور لوگ جوق در جوق آ کر اصلاح آنے لگے اور اس طرح لوگوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی جس سے پانی کی قلت اور جگہ کی کمی محسوس ہونے لگی تو آپ نے مانکی ہجرت فرمائی اور جس دن مانکی تشریف لے گئے اس دن سے مانکی کو مانکی شریف کا اعزاز حاصل ہو گیا، آپ نے اپنی بقیہ عمر یہاں پر کلمۃ الحق کی بلندی میں گزارا چونکہ آپ ے مرشد حضرت اخوند صاحب سوات صرف عالم یا صوفی نہ تھے بلکہ اپنے دور کے عظیم مجاہد بھی تھے لہذا آپ بھی اسی رنگ میں رنگ گئے اور ان تینوں خصوصیات کے حامل بن گئے۔

پیر عبدالوہاب صاحب کا قیام امن میں عملی کردار:

قیام امن کے لیے پیر صاحب نے عوام کی نہ صرف روحانی تربیت جاری رکھی بلکہ باطل کی چیرہ دستیوں

کے خلاف جہاد بھی جاری رکھا جیسا کہ تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے اپنے مرشد کے تربیت سے جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر ان کے ہمراہ انگریزوں کے خلاف بھرپور جہاد کیا۔صوبہ سرحد میں انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان پہلی بھرپور جنگ ''جنگ امبیلہ'' ۱۲۸۰ ہجری(۱۰) میں آپ اپنے پیرو مرشد کے شانہ بشانہ لڑے۔ اس جنگ میں مسلمان غازیوں نے انگریز کی منظم اور مسلح فوج سے جس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ انگریز کو یقین ہو گیا کہ وہ سر بکفن مجاہدین سے میدان جنگ نہیں جیت سکتا لہذا اس نے حسب عادت حربہ استعمال کرتے ہوئے کچھ خواتین کو خرید لیا جس کی وجہ سے وہ شکست فاش سے بچ گیا۔لیکن مجاہدین کی یلغار نے اسے صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کر دیا جسے حضرت اخوند صاحب نے اس شرط پر قبول فرمایا کہ انگریزوں کی فوج فوراً واپس چلی جائے اور اس طرح صوبہ سرحد کے علاقوں،سوات اور بونیر پر قبضہ کرنے کا انگریزی خواب نہ صرف ادھورا رہ گیا بلکہ انہیں پھر کبھی بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ سوات وبنیر پر خون کشی کریں اور یہ صرف حضرت اخوند صاحب اور حضرت عبدالوہاب صاحب کے جذبہ جہاد کے طفیل ہوا۔جسے غلام رسول مہر نے ان الفاظ میں خراج عقیدہ پیش کیا ہے" مجاہدین نے اپنے خون حیات سے امبیلہ کے میدان میں جو نقش مرتسم کیا وہ زمانہ کی گردش سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا اور ان شاء اللہ تا قیامت محفوظ رہے گا۔(۱۱)

وصال:

عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیت،پختونوں کے مصلح اعظم اور بطل حریت حضرت عبدالوہاب صاحب مانکی شریف نے ایک سو برس تک باطل کی چیرہ دستیوں کو مقابلہ کرتے ہوئے اور انسانوں کی بالعموم اور امت مسلمہ کی بالخصوص اصلاح فرماتے ہوئے ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ (۲۹ اکتوبر ۱۹۰۴ء) کو انتقال فرمایا۔(۱۲)

اولاد اور خلفاء:

حضرت کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔جن میں سے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالحق صاحب ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا مشن آگے بڑھایا اور روحانیت میں وہ مقام پایا کہ اپنے دور کے غوث کہلائے جب کہ تذکروں میں آپ کے خلفاء کی تعداد تیس سے زائد ذکر کی گئی ہے ان میں نامی گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحنان صاحب عرف یار حسین بابا جی رحمۃ اللہ علیہ،مولانا تاج الدین صاحب

لاہوری،حضرت شیخ مولانا محمد تسلیم عرف شلمان بابا رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا میر احمد ساحب تیراہی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت میاں صاحب کاکٹر افغانستان (۱۳)

حضرت امین الحسنات رحمۃ اللہ علیہ جو ۱۹۲۲ کو اس دنیا میں تشریف لائے آپ کی پیدائش سے پہلے پاکستان بننے کی پیشین گوئی حضرت کے جد امجد حضرت عبدالحق صاحب پہلے ہی کر چکے تھے کہ میرا یہ بیٹا نیلی آنکھوں والوں کو بھگائے گا۔ جب اسکی عمر ۲۵ سال ہو گی۔ اور واقعتاً ۱۹۴۷ میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ (۱۴)

حضرت امین الحسنات نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ نہ صرف علمی بلکہ عملی ماحول تھا۔ جہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل انتہائی ضروری تھا۔آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے جد امجد حیات تھے جو اپنے وقت کے جید عالم اور اہل تصوف کے امام تھے۔ اور انہوں نے ہی بڑے غور وخوض کے بعد آپ کا نام سید محمد امین الحسنات رکھا اور اس طرح نیکوں کے اس امین نے تعلیم کی ابتداء کی۔انا عر ضنا الامانتہ علی السماوات و الارض و الجبال فابین ان یحملنھا و اشفقن منھا(۱۵)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔

حضرت امین الحسنات نے سب سے پہلے اسی امانت یعنی قرآن حکیم کو حفظ کرنا شروع کیا اور اس سلسلے میں اس دور کے جید علماء مولانا عبدالحنان یار حسین باباجی صاحب اور حافظ صالح صاحب سے علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ عبدالحنان یار حسین باباجی صاحب ہی سے بیعت کی۔ (۱۶)

حصول تعلیم میں مگن ہی تھے اور ابھی زندگی کی بارھیوں بہار میں تھے کہ والد نے رحلت فرمائی اور اس طرح ظاہری بلوغت سے قبل ہی آپ پر مانکی شریف کے سلسلہ میں رشد وہدایت کو جاری وساری رکھنے کی ذمہ داری آن پڑی اور اس دور کے جید علماء مشائخ عظام اور رشتہ داروں نے متفقہ طور پر آپ کو سجادہ نشین مقرر فرما دیا۔ (۱۷)

پیر امین الحسنات کا قیام امن میں کردار:

حضرت امین الحسنات کا زمانہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے شروع ہو کر چھٹی دہائی کے آخر میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔اور یہ تقریباً چالیس برس ایسے ہیں کہ جس میں ہر طرح کے فتنے پیدا ہوئے اور ایسے فتنے

ملکی اور عالمی سطح تک محیط تھے جن کے اثر سے معاشرتی زندگی بری طرح متاثر ہوئی۔ لہٰذا آپ نے سب سے پہلے معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی تا کہ غیر مسلم حکمران اسلامی ثقافت کو نقصان پہنچاتے ہوئے ان کی معاشرتی زندگی کو زوال سے ہمکنار نہ کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی نظام عدم مساوات نے بھی لوگوں کو معاشی طور پر تباہ حال کر دیا تھا جس سے وہ طرح کی معاشرتی خرابیوں میں مبتلا ہونے لگے تھے جن میں جوا، چوری اور ڈکیتی عام تھی۔ آپ نے اصلاح کا کام گھر سے شروع کیا اور مانکی شریف کے بزرگوں اور ان خرابیوں میں ملوث لوگوں کو ایک ساتھ عصرانے پر مدعو کیا اور پھر سب سے یہ حلف لیا کہ نہ صرف خود اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں گے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے نجات دلائیں گے۔ (۱۸)

بدعات کا خاتمہ:

غیر شرعی رسومات کے خاتمہ کے لیے آپ نے یہ اہتمام کیا کہ اپنے مریدوں میں سے علماء کو مختلف علاقوں میں متعین کیا تا کہ وہ لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی اصل روح سے آشنا کریں اور انہیں معاشرتی زندگی میں سادگی، قناعت پسندی اور اخوت کے جذبات اپنانے کی ترغیب دیں۔ اس طرح بہت جلد پورے علاقے میں معاشرتی اصلاح کے اثر سے لوگوں کی معاشی اور اخلاقی حیثیت تبدیل ہوئی اور ان میں محنت و مشقت، اکل حلال اور باہمی تعاون جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہو گئیں جس سے تمام خرابیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں۔ (۱۹)

قیام امن کی عملی جدوجہد اور صعوبتیں:

حضرت امین الحسنات صاحب نے سیاسی زندگی کی عملی ابتدا کی اور صوبہ سرحد کے عوام کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔ اور یہی دور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا عروج کا دور کہلاتا ہے کیونکہ سرحدی عوام کی اکثریت نے پیر مانکی شریف کی پیروی کرتے ہوئے مسلم لیگ سے وابستگی اختیار کی اور تحریک سول نافرمانی کے دوران آپ کے ہزاروں مریدوں نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ اس دوران آپ کو بھی گرفتاری عمل میں آئی لیکن ۳ جون ۱۹۴۷ء کو رہائی کے فوراً بعد آپ ایک مرتبہ پھر تحریک پاکستان کو مقبول بنانے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ اور صوبہ سرحد کی ریفرنڈم کمیٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہ وہ پس منظر تھا جس میں جس کا تمام تر سہرا حضرت امین الحسنات صاحب پیر مانکی شریف کے سر ہے۔ (۲۰) آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کی اور خصوصی اجلاس میں نظریہ پاکستان کی توثیق و تائید میں

نہایت سرگرمی سے قرار داد منظور کروائی اور کھلے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہوگا اور قائداعظم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہاں اسلامی نظام رائج ہوگا۔ مانکی شریف میں قائداعظم نے علماء کرام مشائخ عظام اور سیاسی شخصیتوں کی موجودگی میں سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ علمائے کرام، پیران عظام ومشائخ حضرات آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کا وعدہ کیا اور آپ نے سپاس نامے میں مجھ سے پوچھا ہے کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا؟ مجھے آپ کے اس سوال پر بہت سخت افسوس ہے کہ آپ مجھ سے دریافت کررہے ہیں کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا میں آپ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ مسلمان کا ایک خدا، ایک قرآن ہے اور یہی قرآن مسلمانوں کا قانون ہے(٢١)

پاکستان بننے کے بعد قیام امن میں مانکی شریف کا کردار:

١٩ نومبر سے ٢٧ نومبر ١٩٤٥ء کے دورہ سرحد کے اختتام پر قائداعظم نے اہل سرحد کے نام جو پیغام دیا اس پر گرغور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل سرحد سے قائداعظم انتہائی متاثر ہوکر گئے تھے۔ اور ڈیڑھ برس ہی گزرا تھا کہ صوبہ سرحد کے عوام نے پاکستان کے حق میں ریفرنڈم کے ذریعہ اپنا فیصلہ دے دیا اور اولیائے مانکی شریف کے اس مشن کی تکمیل ہوگئی جو انہوں نے تقریباً ایک صدی قبل شروع کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد کم از کم صوبہ سرحد کی سربراہی آپ کا حق تھا اور اگرچہ آپ کو وزرات پیش بھی کی گئی لیکن آپ نے نہایت بے نیازی سے فرمایا کہ درویشوں کو وزرات سے کوئی سروکار نہیں اور اس طرح آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کی جدوجہد کسی عہدے یا سیاسی مفاد کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ کی کاوشوں کا مقصد اسلامی نظام حکومت کا قیام، عوامی بہبود او ملک استحکام تھا۔ جس کا ایک عملی ثبوت دیتے ہوئے آپ نے قیام پاکستان کے بعد ملی سیاست میں تعمیری حصہ لیتے ہوئے دیا۔(٢٢)

مہاجرین کی پرامن آبادکاری:

قیام پاکستان کے ساتھ ہی سب سے اہم مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری کا تھا جس کے لیے سرحد میں بھی قائداعظم ریلیف کمیٹی قائم کی گئی اور پیر صاحب اس کے نائب صدر مقرر کیے گئے۔ آپ نے قریہ قریہ جاکر اپنے مریدوں اور معتقدین کو اس نیک کام کے لیے تیار کیا جس کے نتیجہ میں عوام نے دل کھول کر فنڈ دیے اور اس طرح صوبہ سرحد میں مہاجرین کو اس طرح آباد کردیا گیا کہ وہ اس معاشرے کا ایک حصہ بن گئے(٢٣)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے جب پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا تو اب اس کے استحکام اور امن کے لیے مخلص اور دین دار اہنماوں کی ضرورت تھی جو اپنی ذات پر قوم وملت کو ترجیح دیں اور یہ توقع صرف ان ہستیوں سے کی جا سکتی تھی جنہوں نے تحریک پاکستان کی اپنے خون سے آبیاری کی تھی۔ اس سلسلے میں جہاں قائداعظم محمد علی جناح نواب زادہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر کے نام ذہنوں میں آتے ہیں وہیں حضرت پیر امین الحسنات صاحب، مانکی شریف اور ان کے ساتھیوں کو فراموش کرنا اکابرین تحریک پاکستان سے انتہائی درجہ بے وفائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج کا مؤرخ اس اہمیت کو تسلیم کر رہا ہے۔(٢٤)

قیام امن کے لیے سیاسی سطح پر پیر صاحب کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ وہ آپ ہی کی شخصیت تھی جس نے کراچی میں ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کی کہ حکومت اور پارٹی کی سربراہی الگ الگ ہونی چاہیے اور کئی لیڈروں کی ناپسندیگی کے باوجود اس تجویز کو منظور کر لیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ مسلسل اسلامی نظام کے نفاذ پر زور دیتے رہے۔ ١٩٥٥ء میں ارباب سیاست کی روش کے پیش نظر کو چہ سیاست کو خیر باد کہہ کر صوبہ سرحد کے عوام کی روحانی پیشوائی پر اپنی تمام تر توجہ صرف کر دی۔ اور ٥ جنوری ١٩٦٠ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

حواشی وحوالہ جات

١۔ عبدالرشید، ڈاکٹر، تصوف اولیاء مانکی شریف اور تحریک پاکستان، اولیاء اکیڈمی، پاکستان، ص: ١٣٥

٢۔ ایضا، ص: ١٣٦

٣۔ ایضا، ص: ١٣٧

٤۔ مولانا قاری احمد پیلی بھیتی، تاریخ ہندو پاک، کراچی، ١٩٧٦، ص: ٣٦٧

٥۔ حاجی میر احمد خان صوفی، غازی پیر، صوفی میڈیکل ہال پبی، ص: ٣٥۔٣٦ ۔ نیز دیکھیے: عزیز جاوید، قائداعظم اور صوبہ سرحد، مطبوعہ پشاور، ١٩٧٦، ص: ٣٥٦

٦۔ ایضا، ص: ٣٧

٧۔ غازی پیر، ص: ٣٨

٨۔ ملفوظات حضرت اخوند صاحب۔ مخطوطہ بحوالہ تصوف اولیاء مانکی شریف اور تحریک پاکستان، ص: ١٤٧

٩۔ تصوف اولیاء مانکی شریف اور تحریک پاکستان، ص: ١٤٨

۱۰۔ غازی پیر،ص:۴۴

۱۱۔ غلام رسول مہر،سرگزشت مجاہدین،مطبعۃ دہلی،ص:۸۸

۱۲۔ تصوف اولیاء مانکی شریف اورتحریک پاکستان،ص:۱۵۰

۱۳۔ ملانعمت اللہ،مناقب مانکی صاحب،مطبع محمدی لاہور،ص:۲۷

۱۴۔ محمد صادق قصوری،اکابرتحریک پاکستان،مطبوعہ گجرات،۱۹۷۶،ص:۵۵

۱۵۔ الاحزاب:۲:۷

۱۶۔ تصوف اولیاء،ص:۱۹۵

۱۷۔ ایضاً،ص؛۱۹۶

۱۸۔ ایضاً،ص؛۱۹۷

۱۹۔ غازی پیپر،ص:۴۷

۲۰۔ اکابرتحریکِ پاکستان،ص:۱۵۵

۲۱۔ خواجہ رضی حیدر،قائداعظم محمد علی جناح خطوط کے آئینے میں،پیپس پبلی کیشنز،لاہور،ص۱۵۵۔مزید دیکھیے:غازی پیر،ص:۱۸۰۔،Constituent Assembly of Pakistan debates P:46,1949,Volume 5

۲۲۔ شمس الحق کلیکشن،این ڈبلیوایف پی والیوم ۲

۲۳۔ سید وقارعلی شاہ،پیرصاحب مانکی سید امین الحسنات اور انکی سیاسی جدوجہد،قومی ادارہ برائے تحقیق،اسلام آباد،ص:۱۶۵

۲۴۔ تصوف اولیاء مانکی شریف ص:۲۲۵

♦♦♦

کیفیتِ حال ومقام
شیخ ہجویری اور شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہما کی آرا کا جائزہ

A Comparative Study of Shaikh Hajveri's and Shahab-u- Din Soharvardi's Approaches to Haal and Maqaam

Dr. Muhammad Naeem Anwar

Assistant Professor of Arabic and Islamic Studies,

Government College University, Lahore

Abstract

For self-awareness, various stages are known as Maqamat or the 'stations' which are attainable through continuous spiritual practices and sincere efforts. While 'haal' or state can only happen by the grace of Allah 'maqam' represents a spiritual station, where the seeker finds him after sincerely treading the spiritual path for a while. However, haal occours spontaneously as a spiritual gift. The author has tried to compare the concepts of the famous Sufi scholars regarding the theory of state and station in Sufism.

Key Words: Self-awareness, Station, Spirtual, Practices, State, Grace, Seeker, Gift, Maqamat, Haal

حال درحقیقت اس کیفیت کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے قلب پر طاری ہو، یہ کیفیت

بغیر کسب وعبادت اور ریاضت کے قلب پر وارد ہوتی ہے، اسے نہ تو اپنے اختیار سے دور کیا جا سکتا ہے اور نہ مجاھدہ وریاضت سے حاصل کیا جا سکتا ہے، لہٰذا تمام احوال وھبی ہوتے ہیں جبکہ مقامات کسبی ہوتے ہیں۔

میر سید شریف جرجانی اہل حق ومعرفت کے نزدیک حال اور مقام کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے یہی مفہوم ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"والحال عند اهل الحق: معنى يرد على القلب من غير تصنع ، ولا اجتلاب، ولا اكتساب، من طرب، أو حزن ، أو قبض، أو بسط، أوهيبة، ويزول بظهور صفات النفس، سواء يعقبه المثل او لا، فاذا دام وصار ملكا، يسمى مقاما، فالاحوال مواهب، والمقامات مكاسب، والاحوال تاتى من عين الجود، والمقامات تحصل ببذل المجهود۔"(۱)

جبکہ امام غزالی کے بقول تمام مقامات دین تین امور پر مشتمل ہوتے ہیں، معارف، احوال اور اعمال۔

"جميع مقامات الدين انما تنتظم من ثلاثة امور، معارف و احوال و اعمال"(۲)

امام غزالی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر کوئی وصف ثابت اور قائم یعنی قیام پذیر ہو تو اسے مقام کہتے ہیں جبکہ عارضی وصف کو حال سے تعبیر کرتے ہیں:

"انما يسمى الوصف مقاما اذا ثبت وأقام وإنما يسمى حالا إذا كان عارضا سريع الزوال۔"(۳)

شیخ ابونصر سراج الطوسی نے مقامات واحوال پر تفصیلا کلام کیا ہے مقام وحال کے اصطلاحی مفہوم پر بھی کلام کیا ہے، اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:(۴)

"قال الشيخ رحمه الله: فان قيل: ما معنى المقامات؟ يقال معناه مقام العبد بين يدى الله عزوجل، فيما يقام ميه من العبادات والمجاهدات والرياضات والانقطاع الى الله عزوجل، وقال الله تعالىٰ: ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وعيد:(۵)

وقال: وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَعْلُوْم۔"(۶)

شیخ نے فرمایا کہ اگر کہا جائے کہ مقامات سے کیا مراد ہے؟ تو جوابا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور

بندے کا مقام، عبادات ومجاھدات وریاضت اور صرف رجوع الی اللہ کے ذریعے کھڑے ہو جانے اور قیام پذیر ہونے سے عبارت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدا اور فرمایا، وَمَامِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَعْلُوْم۔

جبکہ احوال کا ذکر کرتے ہوئے شیخ طوسی لکھتے ہیں:

"وأما معنى الأحوال فهو ما يحل بالقلوب، أو تحلبه القلوب: من صفاء الاذكار۔"(۷)

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں کہ احوال مجاھدات اور ریاضات سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ یہ وھبی ہوتے ہیں۔ حال اور مقام کی شرح شیخ علی بن عثمان ھجویری نے بڑی شرح وبسط سے کی ہے، شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ان دونوں اصطلاحات کو عربی زبان کے لحاظ سے جاننا اور سمجھنا سہو وغلط ہے، لغت میں جو اسکا مفہوم ہے وہ مشائخ کی مراد نہیں ہے، کیونکہ قواعد ولغت عرب میں مقام (میم مضموم کے ساتھ) اقامت کے معنی میں ہے جبکہ مقام (میم مفتوح) سے "قیام" کے مفہوم میں ہے اور یہ دونوں مفاہیم صوفیہ کی مراد نہیں۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"بدانکہ این دو لفظ مستعمل است اندرمیان اینطائفہو جاری اندر عبارات شان ومتداول اندر علوم و بیان محققان وطالبان این علم راہ ازین چارہ نیست اما این باب نہجا ئ اثبات این حدھا بود اما چارہ نبود از معلوم گردانیدن این اندرین محل و باللہ التوفیق والعون والعصمۃ، بدانکہ مقام برفع میم اقامت بندہ بود وبنصب میم محل اقامت بندہ این تفصیل و معنی درلفظ مقام سہوست وغلط درعربیت۔"(۸)

جاننا چاہیے یہ دونوں الفاظ (مقام وحال) اس طائفہ کے ہاں مستعمل اور انکی عبارات میں رائج ہیں، محققین کے علوم و بیان میں متداول ہیں اور طالبان راہ تصوف کیلئے انکے جاننے کے سوا کوئی چارہ نہیں جبکہ یہ باب انکی حدوں کو ثبت کرنے کی جگہ نہیں "وباللہ التوفیق ولاعون والعصمة" جان لے کہ مقام (میم مرفوع کے ساتھ) بندہ کی اقامت ہے جبکہ نصب کے ساتھ (مَقام) محل اقامت ہے یہ تفصیل ومعنی لفظ مقام میں عربی سہو اور غلطی ہے"

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مقام کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"مقام عبارت است از اقامت طالب برادای حقوق ومطلوب بشدت اجتھاد وصحت

نیت وی ۔"(۹)

مقام صحت نیت اور مجاھدہ کے ساتھ ادائیگی حقوق اللہ پر اقامت سے عبارت ہے۔

جبکہ حال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"حال معنی باشد کہ از حق بدل پیوند دبی آنکہ از خود آن را بکسب دفع توان کرد چون بیاید و یا بتکلف جلب توان کرد چون برود ۔"(۱۰)

''حال وہ حقیقت ہے جو خدا کی طرف سے انسان کے دل میں آتی ہے، جب آئے تو کسب سے دفع نہیں کرسکتا اور جب جائے تو تکلف سے حاصل نہیں کرسکتا''

جہاں تک احوال و مقامات کی تعداد اور تقسیم کا تعلق ہے تو اس میں بھی صوفیہ کا اختلاف ہے، شیخ ابونصر سراج الطوسی نے احوال و مقامات کی درجہ بندی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وقال: سئل ابوبکر الواسطی رحمہ اللہ عن قول النبی ﷺ 'الأرواح جنود مجندۃ'

قال: 'مجندۃ' علی قدر لامقامات، والمقامات مثل التوبۃ والورع والزھد والفقر والصبر والرضا والتوکیل وغیرہ ذلک۔"(۱۱)

شیخ سراج الطوسی نے فرمایا: کہ حضرت شیخ ابوبکر الواسطی سے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی بابت پوچھا گیا (الارواح جنود مجندۃ) تو فرمایا: ''مجندۃ'' مقامات کے لحاظ سے ہے، اور مقامات یہ ہیں، توبہ، ورع، زھد، فقر، صبر، رضا، توکل وغیرہ۔

اسی طرح شیخ سراج الطوسی نے حسب ذیل احوال صوفیہ کا ذکر کیا ہے:

"حال المراقبۃ، حال القلوب، حال المحبۃ، حال الخوف، حال الرجاء، حال الشوق، حال الانس، حال الطمانینت، حال المشاھدۃ، حال الیقین۔"(۱۲)

شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے احوال و مقامات کے حوالے سے صوفیہ کے اختلاف کو بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح اس امر کی بھی نشاندہی کی ہے اہل معرفت کے نزدیک کسی ایک مقام کا حق ادا کیے بغیر کسی اور مقام کو پالینا ممکن نہیں، یعنی پہلا مقام توبہ ہے، اس کے بعد انابت، پھر زہد پھر توکل وغیرہ، یہ روا نہیں ہے کہ بغیر توبہ کے انابت کا دعویٰ کرے یا بغیر انابت کے زھد تک رسائی مل جائے۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وحق گزاردن و رعایت کردن وی مر آن مقام را تا کمال آن را ادراک کند چندانکہ صورت بندو بر آدمی و روا نباشد کہ از مقام خود اندر گزارد بی ازانکہ حق آن بکذارد چنانکہ ابتدای مقامات توبہ باشد آنگاہ انابت آنگاہ زھد آنگاہ توکل و مانند اینز وانباشد کہ بی توبہ وی دعوی انابت کند و بی انابت دعوی زھد کند وی زھد دعوی توکل کند وخدای عزوجل مارا خبر داد از جبرئیل علیہ السلام کہ وی گفت وما منا الا لہ مقام معلوم۔"(۱۳)

"مقام میں حق خدا کی رعایت کرنا اور اسکا ادا کرنا اور جسقدر آدمی کو میسر ہو اس کے کمال کا ادراک کرنا اور جب تک خدا نہ گزارے، بندے کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مقام سے گزرے، مقامات کی ابتداء توبہ ہے، پھر انابت، پھر زہد پھر توکل، اور پھر یہ بھی جائز نہیں کہ بغیر توبہ کے انابت کا دعوی کرے اور بغیر انابت کے زھد کا مدعی بنے اور بغیر زھد کے توکل کا اور اللہ عزوجل نے جبرائیل علیہ السلام سے ہمیں خبر دی۔

"وما منا الا لہ مقام معلوم۔"(۱۴)

یعنی ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کیلئے کوئی مقام معلوم نہ ہو'

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیت سے جہاں مقامات کی ترتیب کے قیام کو واضح کیا ہے، وہیں دوسرے مقام پر اس آیت سے مقامات کی اصل کو انبیاء کرام سے بھی ثابت فرمایا ہے۔تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ پاک نے مقامات عطا فرمائے، ان تمام مقامات کو صوفیہ نے اپنے مذھب میں شامل کر لیا، شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جب بھی اس راہ حقیقت کا طالب کسی مقام کو عبور کرے گا تو لازما پچھلے مقام کو چھوڑ کر کسی ایک مقام پر قائم ہوگا جو اس کے واردات کا مقام ہے، لہذا تمام انبیاء کا کوئی نہ کوئی خاص مقام تھا۔مقامات انبیاء کی وضاحت کرتے شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"چنانکہ خداوند تعالی مارا خبر داد از وقولمقدس گفت وما منا الا لہ مقام معلوم پس مقام آدم علیہ السلام توبہ بود واز ان نوح علیہ السلام زھد واز ان ابراہیم علیہ السلام تسلیم واز ان موسی علیہ السلام انابت واز ان داود علیہ السلام حزن واز ان عیسی علیہ السلام رجاء واز ان یحی علیہ السلام خوف واز ان پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام ذکر۔"(۱۵)

"جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"وما منا الا لہ مقام معلوم"

ہم میں سے کوئی بھی نہیں جسکے لیے کوئی مقام معلوم نہ ہو

جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا، حضرت نوح علیہ السلام کا مقام زھد تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم ورضا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام انابت تھا، حضرت داؤد علیہ السلام کا مقام حزن تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام امید ورجا تھا، حضرت یحیٰ علیہ السلام کا مقام خوف جبکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ذکر تھا۔''

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ایک مقام کا کامل ادراک کر لینے اور اس پر مضبوط و مستحکم ہونے سے پہلے دوسرے مقام کا دعوی درست نہیں، ان کی عبارات اس مفہوم پر واضح ہیں، جبکہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر میں مشائخ کے اختلاف کا ذکر کیا وہ لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ ایک مقام میں کامل پختگی و استحکام کے بغیر دوسرے مقام میں منتقلی کو جائز سمجھتے ہیں، جبکہ ایک گروہ اس کو ناجائز کہتا ہے، اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"واختلاف المشایخ فی ان العبد هل یجوز له ان ینتقل الی مقام غیر مقامه الذی هو فیه قبل احا کم حکم مقامه قال بعضهم: لا ینبغی ان ینتقل عن الذی هو فیه دون ان یحکم حکم مقامه

وقال بعضهم: لا یکمل المقام الذی هو فیه الا بعد ترقیه الی مقام فوقه، فینظر من مقامه العالی الی مادونه من المقام فیحکم امر مقامه۔"(۱۶)

''صوفیہ کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا بندے کیلئے یہ روا اور جائز ہے کہ وہ اپنے موجودہ مقام میں استحکام اور مضبوطی سے قبل ہی دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو جائے؟؟ بعض اسے جائز سمجھتے ہیں اور بعض نہیں۔

ان میں سے ایک نے فرمایا: اپنے مقام کے مستحکم ہونے سے پہلے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں''

کسی اور بزرگ نے فرمایا:

کوئی بھی طالب اپنے موجودہ مقام کو اسوقت تک مکمل نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے مقام سے اگلے مقام تک نہ پہنچ جائے، کیونکہ جب وہ اوپر کے مقام سے نچلے مقام کا مشاہدہ کرے گا تو اس وقت اسے نچلا مقام مستحکم معلوم ہوگا''

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد اس کا حل بھی بتاتے ہیں، کہ کس طرح صوفیہ کے اس اختلاف کی خلیج کو کم یا ختم کیا جا سکتا ہے، اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

"والاولی ان یقال: واللہ اعلم: الشخص فی مقامه یعطی حالا من مقامه الا علی الذی سوف یرتقی الیه، فیوجد أن ذلک الحال یستقیم امر مقامه الذی هو فیه ویتصرف الحق فیه کذلک، ولا یضاف الشیئ الی العبد انه یرتقی أو لا یرتقی، فان العبد بالأحوال یرتقی الی المقامات، والأحوال مواهب ترقی الی المقامات التی یمتزج فیها الکسب بالموهبة، ولا یلوح للعبد حال من مقام اعلی مما هو فیه الا وقد قرب ترقیه الیه، فلا یزال العبد یرقی الی المقامات بزائد الأحوال۔"(۱۷)

"بہر حال اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اسکا مناسب حل یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو اس کے مقام میں ایک حال عطا کیا جاتا ہے جو اس کے مقام سے بلند ہوتا ہے، اسکی خبر اس وقت ہوتی ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حال کو پا کر اس کے موجودہ مقام کا معاملہ صحیح ہوا ہے، یہ صرف تصرف خداوندی ہے، بندے کا اس میں کوئی کمال نہیں اور نہ ہی بندے کی طرف سے کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے، اب چاہے بندہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرے نہ کرے، اسکی وجہ یہ ہے کہ بندہ حق اُن احوال کی بدولت ہی مقامات کی طرف ترقی کرتا ہے جو عطیہ خداوندی ہوتے ہیں یہ وہ مقامات ہیں جہاں تدبیر وتقدیر کا باہم امتزاج ہوتا ہے، اسے اعلیٰ مقام سے کوئی حال اس وقت دکھائی دیتا ہے، جب اسکی ترقی کا وقت قریب آجائے، اس وقت ان بلند مقامات کی طرف اپنے زائد احوال کے ساتھ ترقی کرتا ہے"

اس تطبیق کو ذکر کرنے کے بعد شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مزید یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک ہی وصف میں حال اور مقام دونوں کا اشتراک ممکن ہے، یعنی حال اور مقام ایک دوسرے کے اندر داخل ہیں۔ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فعلی ما ذکرنا۔ یتضح تداخل المقامات والاحوال حتی التوبة، ولا

تعرف فضیلۃ الا فیہا حال و مقام، و فی الزھد حال و مقام، و فی التوکل حال و مقام، و فی الرضا حال و مقام۔"(۱۸)

"پس جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مقامات اور احوال ایک دوسرے میں داخل ہیں، حتیٰ کہ توبہ (تک یہ ہی صورت حال ہے)، کوئی فضیلت ایسی نہیں جس میں حال اور مقام موجود نہ ہو۔ زہد میں بھی حال اور مقام موجود ہے۔ توکل میں بھی حال اور مقام موجود ہے۔ رضا میں بھی حال اور مقام موجود ہے۔"

صوفیہ کے احوال و مقامات پر سید حسین نصر(۱۹) نے بڑی شرح و بسط سے کلام کیا ہے، انہوں نے احوال و مقامات کو تاریخی لحاظ سے بیان کیا ہے، صوفیہ کا احوال و مقامات میں جو اختلاف ہے اس کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی "مقامات اربعین" کو انگریزی میں ترجمہ کر دیا ہے،(۲۰) "کتاب اللمع" کے حوالے سے احوال و مقامات کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ بعض صوفیہ احوال و مقامات کو ایک دوسرے میں داخل کرتے ہیں جیسا کہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے واضح ہو چکا۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے نصر لکھتے ہیں:

> "When it comes to an actual descricption of the ahwal and maqamat, there are many ways in which the Sufis have described these steps leading from man to God. Espically in the case of the ahwal it is hardly possible to limit them to a set number."(21)

اس کے بعد کتاب اللمع میں بیان کردہ دس احوال صوفیہ کا ذکر کرنے کے بعد "نصر" نے لکھا:

> "The above are most certainly to be considered among the basic states, although some of them can also become permanent, so that certain of the later sufis have included some of these ahwal as maqamat."(22)

اسکے بعد سید حسین نصر اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ صوفیہ کے ہاں احوال و مقامات کی تعداد کے حوالے سے "کتاب اللمع" کی تقسیم کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، جنہوں نے دس احوال اور سات مقامات کا

ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے بعد شیخ ابوسعید ابوالخیر کے مقامات اربعین بیان کرنے سے قبل سید حسین نصر لکھتے ہیں:

"One of the earliest and finest accounts of the maqamat in sufism is the Forty Stations (Maqamat-i arba'in) of the 5th/11th century Sufi master abu Sa'id ibn Ali'l-Khayr, already known to the west for his remarkable quatrains.(23)

شیخ ابوسعید ابوالخیر کے بیان کردہ چالیس مقامات حسب ذیل ہیں:

نیت۔انابت۔توبہ۔ارادت۔مجاہدہ۔مراقبہ۔صبر۔ذکر۔رضا۔مخالفت نفس۔موافقات۔تسلیم۔توکل۔زہد۔ عبادت۔ورع۔اخلاص۔صدق۔خوف۔رجا۔فنا۔بقا۔علم الیقین۔حق الیقین۔معرفت۔جہد۔ولایت۔ ہمت۔محبت۔وجد۔قرب۔تفکر۔وصال۔کشف۔حضرت القدس۔خدمت۔تجرید۔تفرید۔انبساط۔تحقیق۔ نہایت۔تصوف۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے بعض احوال کو بھی مقامات میں شامل کر دیا ہے، اور سب سے آخری مقام ''تصوف'' کو قرار دیا ہے۔

حال ومقام کے حوالے سے جہاں شیخ ابوسعید ابوالخیر کا اختلاف ذکر کیا جاتا ہے وہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اس معاملہ میں اختلاف کی بنیاد شیخ حارث بن اسد المحاسبی کے مسلک صوفیہ کے بعد ظہور میں آئی، سب سے پہلے فرد طائفہ محاسبیہ کے سرخیل شیخ حارث المحاسبی ہی ہیں جنہوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا۔ اسکی تفصیل شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں ذکر کی ہے کہ محاسبی وہ پہلے شخص ہیں جو ''رضا'' کو مقامات میں شامل کرنے کے بجاے اسے احوال میں شمار کرتے ہیں، شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بدانکہ رضا نہایت مقاماتاست و بدایت احوال و این محلی است کہ یک طرفش در کسب و اجتہاد است و یکی در محبت وغلیان آن وفوق آن مقام نیست و انقطاع مجاھدات از ان ست پس ابتعد ای آن از مکاسب بود وانتھاازمواھب اکنون اجتہاد کندکہ آنکہ اندر ابتداء رضای خود بخود دیدگفت مقام ست وآنکہ اندر انتھای رضای خود بحق دیدگفت حال ست اینست حکم مذھب محاسبی اندر اصل تصوف رضی اللہ عنہ اما اندر معاملات خلافی نکردہ است بجز آنکہ مریدان راز جر کردی از عبارات ومعاملات کہ موسوم وخطا بودی ہر

چند اصل آن درست بودی۔"(۲۴)

''اور جان لے کہ رضا مقامات کی انتہا اور احوال کی ابتداء ہے اور ''رضا'' وہ محل ہے کہ اسکی ایک طرف کسب و مجاھدے میں ہے اور دوسری طرف محبت و اشتیاق کی جانب، اس سے اوپر اور کوئی مقام نہیں اور تمام مجاھدے اسی پر ختم ہو جاتے ہیں پس اسکی ابتداء کسبی جبکہ انتہا وہبی ہے اب احتمال اس کا ہے کہ جس نے اپنی رضا کے ابتداء میں اپنے آپ سے دیکھا تو اس نے کہا کہ مقام ہے اور جس نے اپنی رضا کی انتہا حق کے ساتھ دیکھی تو کہا یہ حال ہے، تصوف کے اصل میں محاسبی کا مذہب یہ ہے، اس کے علاوہ تصوف کے معاملات میں انہوں نے کوئی اختلاف نہیں کیا، البتہ انہوں نے اپنے مریدوں کو ایسی عبادات اور معاملات میں سرزنش ضرور کی جس میں کسی قسم کا ابہام و خطا ہو اگر چہ وہ اصل میں درست ہی کیوں نہ ہو۔''

حال اور مقام کے حوالے سے مشائخ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد بعض لطیف اشارات کا بیان بھی ضروری ہے جنکی طرف شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے، شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی احسن طریقے سے ان دونوں کیفیات کے حوالے سے صوفیہ کی عبارات میں تطبیق دی ہے اور انکے حسن و خوبی کو مزید اجاگر کیا ہے۔ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وتداولت السنة الشیوخ ان المقامات مکاسب، والاحوال مواهب، وعلی الترتیب الذی درجنا علیه کلها مواهب، اذا لمکاسب محفوظة بالمواهب، والمواهب محفوظة بالمکاسب، فالاحوال مواجید، والمقامات طرق المواجید، ولکن فی المقامات ظهر الکسب وبطنتالمواهب ، وفی الاحوال بطل الکسب وظهرت المواهب ، فالاحوال مواهب علویة سماویة، والمقامات طرقها۔"(۲۵)

''مشائخ کے ہاں یہ بات زبان زد عام ہے کہ ''مقامات کسب سے حاصل ہوتے ہیں جبکہ احوال وھبی ہوتے ہیں، اور انہی کے ذریعے برکات کا نزول ہوتا ہے، لہذا صحیح بات بھی یہی ہے کہ احوال عطیہ خداوندی ہیں اور اسی ترتیب سے نازل ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، تمام مکاسب، مواہب سے محفوظ جبکہ تمام وھبی کیفیات کسبی کیفیات کے ذریعے محفوظ ہیں، احوال وجدانی کیفیات ہیں جبکہ مقامات وجدانی کیفیات تک رسائی کے طرق و راستے ہیں، بہر حال مقامات میں ظاہری صورت کسبی جبکہ باطن میں وہ وہبی ہیں، اسی طرح احوال میں

صورت یہ ہے کہ باطنی حالت کسبی ہے اور ظاہری حالت وھبی ہے، احوال مواہب وعلویہ و سمایہ ہیں، جبکہ مقامات ان مواہب علویہ وسماویہ کے راستے ہیں۔''

اس لطیف و پر حکمت گفتگو کے بعد شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ احوال ومقامات کے ثبوت کیلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، بعد ازاں احوال کی مختلف تعریفات جو مشائخ کے ہاں استعمال ہوتی ہیں، وہ ذکر کرتے ہیں، ان تعریفات کا محاکمہ بھی کرتے ہیں اور تعریفات کی خوبیوں یا خامیوں پر مختصرا اظہار رائے بھی کرتے ہیں۔ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"وقول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

سلونی عن طرق السموت فانی اعرف بها من طرق الارض: اشارة الی المقامات والاحوال، فطرق السموات التوبة والزهد وغیر ذلک من المقامات، فان السالک لهذه الطرق یصیر قلبه السماویا، وهی طرق السموات ومتنزل البرکات، وهذه الاحوال لا یتحمق بها الا ذوقلب سماوی قال بعضهم الحال هو ذکرالخفی، وهذا اشارة الی شئ مما ذکرناه، وسمعت المشایخ بالعراق یقولون: الحال ما من الله، فکل ما کان من طریق الاکتساب والاعمال یقولون: هذا ما من العبد، فاذا لاح للمرید شیء من المواهب والمواجید قالوا: هذا ما من الله، وسموه حالا اشارة منهم الی ان الحال موهبة۔"(٢٦)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''تم مجھ سے آسمان کے راستے دریافت کرو کیونکہ میں انہیں زمینی راستوں کے ذریعے ''پرکھنے'' اور ''شناخت'' کرنے کی مہارت رکھتا ہوں''

اس فرمان میں احوال ومقامات کی طرف اشاہ ہے، آسمانی راستوں سے زہد وتوبہ وغیرہ جیسے مقامات مراد ہیں۔ ان راستوں کے سالک کا قلب سماوی ہو جاتا ہے، یہی آسمانی راستے نزول برکات کا ذریعہ ہیں، اور یہی احوال (بھی رکھتے ہیں) جن کا تحقق صرف قلب سماوی کو ہوتا ہے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ حال ذکر خفی کا نام ہے، یہ ہماری بیان کردہ بات کی طرف اشارہ ہے، اور میں نے بعض مشائخ عراق سے سنا کہ حال وہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہو اور

جو اکتساب و اعمال کے ذریعے ہو، اسکے بارے کہتے ہیں کہ یہ بندے کی طرف سے ہے، اگر کسی مرید پر کوئی وھبی یا وجدانی کیفیات آئے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ احوال وھبی ہوتے ہیں۔"

اسکے بعد سہروردی اس قول پر نقد کرتے ہیں کہ احوال برق کی مانند ہیں، اگر قائم رہیں تو یہ "حدیث نفس" ہے۔ سہروردی اس قول پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقال بعضھم: الاحوال کالبروق، فان بقی فحدیث النفس، وھذا لایکاد یستقیم علی الاطلاق وانما یکون ذلک فی بعض الاحوال فانھا تطرق ثم تستلبھا النفس؛ فاما علی الاطلاق فلاء والاحوال لا تمتزج بالنفس کالدھن لایمتزج بالمساء۔"(۲۷)

"بعض کہتے ہیں کہ احوال بجلی کی طرح ہیں، اگر وہ باقی رہیں تو یہ کلام نفس ہے، بہرحال علی الاطلاق ایسا کہنا درست نہیں، بعض احوال میں ایسا ہوتا ہے کہ احوال نفس کے ساتھ نہیں مل سکتے مگر کلی طور پر ایسا نہیں، احوال بہرحال نفس کے ساتھ امتزاج سے اسی طرح (پاک) ہیں جس طرح تیل پانی کے ساتھ نہیں مل سکتا"

خلاصہ کلام

مذکورہ کلام کا ماحصل یہ ہے کہ حال و مقام کے تناظر میں شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تمام امور میں اتفاق ہے ماسوائے اس امر کے کہ آیا کسی ایک مقام کا حق ادا کئے بغیر کسی اور مقام کو پا لینا ممکن ہے یا نہیں۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا ہونا خارج از امکان ہے جبکہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس میں اختلاف صوفیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کے امکان اور عدمِ امکان کے درمیان تطبیق دیتے ہیں۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

۱۔ جرجانی، سید شریف، کتاب التعریفات، کراچی: قدیمی کتب خانہ، ص:۵۹

۲۔ غزالی، امام ابوحامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، قاہرہ: ۵۵/۴

۳۔ غزالی، احیاء علوم الدین، ۱۲۳/۴

۴۔ الطوسی، شیخ ابونصر سراج، کتاب اللمع ،ص:۴۰

۵۔ ابراہیم: ۱۴

۶۔ الصافات: ۱۶۴

۷۔ الطوسی، کتاب اللمع ،ص:۴۰

۸۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب،ص:۱۸۹

۹۔ ایضاً،۳۱۹

۱۰۔ ایضاً،۱۸۹

۱۱۔ الطوسی، کتاب اللمع ،ص:۴۱

۱۲۔ ایضاً،۴۰

۱۳۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب،ص:۱۸۹

۱۴۔ الصافات: ۱۶۴

۱۵۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب،ص:۳۱۹

۱۶۔ سہروردی، شیخ شہاب الدین،عوارف المعارف، ۲/۲٦٦

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً، ۲/۲٦۷

19. Nasr, Seyyed Hossien, Living Sufism (lahore, Suhail Academy, 2005)P:56-71
20. Ibid, 66
21. Ibid, 64
22. Ibid
23. Ibid,65

۲۴۔ ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب،ص:۱۹۰

۲۵۔ سہروردی، شیخ شہاب الدین،عوارف المعارف، ۲/۲٦۵

۲٦۔ ایضاً

۲۷۔ سہروردی، شیخ شہاب الدین،عوارف المعارف، ۲/۲٦۵

♦♦♦

پشتون شاعر عبدالرحمن بابا کے کلام میں تصوف کا رنگ

Mysticism in Pashtoon Poet Abdurrahman Baba's Poetry

Abdul Wahab Jaan Al- Azhari

Lecturer, Faculty of Asool-u-Din

International Islamic University, Islamabad

Abstract

The Sufi attitude of tolerance and openness stresses mutual cooperation especially among Muslims and serves as an antidote against narrow-mindedness. Rahman Baba is a poet of such a class of Sufis. His love-filled lyrics carry the scent of universal harmony, drawing from the love of Allah and his beloved Prophet(ﷺ). His message is love for all mankind. Although we do not find a clearly demarcated theory in his poetry, there is still a Sufi trend found in it. He advised to know oneself in order to know Allah. The current paper highlights such themes in Rahman Baba's poetry.

Key Words: Tolerance, Openness, Muslims, Rahman Baba, Poetry, Sufi Trend, Themes

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں رحمان بابا پشتو کے تمام قدیم وجدید شعراء میں سب سے زیادہ مقبول، معروف اور محترم ہیں وہاں ان کے حالات زندگی اور سوانح حیات پر ایسی کوئی مکمل اور مستند تحریر موجود نہیں ہے جس سے ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں پوری معلومات حاصل ہوسکیں حالانکہ وہ کسی

عہد عتیق سے تعلق نہیں رکھتے کہ آثار قدیمہ میں ان کی تلاش میں دشواریاں درپیش ہوں۔ ان سے قبل کے زمانے کے متعدد پشتو شعراء کے حالات زندگی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں۔ علم وفضل اور شعر وادب کے میدان میں بابائے پشتو شاعر خوشحال خان خٹک (۱) کے سوا پشتو کا کوئی دوسرا شاعر رحمان بابا پر تفوق تو کیا ان کی ہمسری بھی نہیں کر سکتا۔ وہ خوشحال خان خٹک کے ہم عصر اور پشتو ادب کے تابندہ و درخشاں دور کے آخری شاعروں سے تعلق رکھتے ہیں اور رحمان بابا خان اعظم خوشحال خان خٹک سے عمر میں چھوٹے تھے اور انہوں نے اورنگزیب (۲) کے دور ہی میں وفات پائی تھی۔ اس اعتبار سے رحمان بابا خوشحال خان خٹک کے مقابلے میں ہمارے ماضی کے قدرے قریب بھی ہیں۔

رحمان بابا آج سے، تقریباً چار سو سال پہلے ۱۰۴۳ھ میں پیدا ہوئے، تقریباً ۸۰ سال زندہ رہے۔ رحمان بابا پشاور (خیبر پختونخواہ) جیسے مشہور تاریخی شہر اور وسط ایشیا کے تجارتی مرکز پشاور کے بالکل قریب ایک ایسے گاؤں میں پیدا ہوئے جس کے نوجوان دوپہر کو روزانہ شہر کی سیر کرنے اور قہوہ خانوں میں چائے پینے آتے اور اندھیرا ہونے سے پہلے اپنے گاؤں واپس چلے جاتے۔

رحمان بابا نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر کافی عرصے تک کوہاٹ میں اکتساب علم کرتے رہے جو شہر پشاور سے چالیس میل جنوب کو واقع ہے۔ بعض اصحاب کی تحقیق کے مطابق حصول علم کی لذت انہیں کشاں کشاں بہارت بھی لے گئی تھی تاہم انہوں نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ کچھ اپنے گاؤں بہادر کلی اور کچھ ہزارخوانی میں گزارا ہے۔ (۳)

رحمان بابا پشتو شاعری کا وہ اہم نام ہے جو جھونپڑوں سے حجروں اور حجروں سے لیکر درباروں تک بیک وقت مقبول، محترم اور معتبر سمجھا جاتا ہے۔ جسکی درویشی کے چرچے کوچہ و بازاروں میں اور جسکے نغمے دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر روح کو معطر کرتے ہیں۔ رحمان بابا جس رتبہ ومقام سے اپنے کلام اور اپنے کمال سخن کے بارے میں اظہار کرتے ہیں وہ انکا حصہ ہے۔ انہوں نے اپنے فن کے بارے میں کئی مقامات پر اپنے اشعار کے بارے میں یوں کہا ہے:

جیسے گوہر اور مرجان کو ترازو میں کوئی نہیں تولتا
ویسے ہی رحمان کے شعر گوہر ہیں انہیں مت تول

رحمان بابا صوفی منش تھے اور انکے کلام کا موضوع تصوف رہا ہے۔ انکے کلام میں انھی کیفیات کا اظہار ملتا ہے جس سے سلطان باہو (۴)، سچل سرمست (۵)، شاہ حسین (۶)، شاہ عبدالطیف (۷) اور خواجہ فرید (۸) کی

شاعری عبارت ہے۔

رحمان بابا کے کلام میں مذہب عشق سے متعلق افکار وجذبات کا دفینہ ہے۔اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو عصر حاضر کے بعض منفی افکار کے پیدا کردہ مہلک رویوں کا سد باب کر سکتے ہیں۔جنکی بدولت انسان دوستی کی قیمتی روایت کو تازہ خون فراہم کیا جاسکتا ہے۔

صوفیانہ کشادہ دلی اور رواداری کا مسلک بالخصوص مسلمانوں میں اشتراک کے پہلوؤں پر زور دیتا ہے اور یوں کٹر مقامیت کے پھیلاے ہوئے تنگ نظری کے زہر کا تریاق ہے۔رحمان بابا اسی مسلک کے شاعر ہیں۔انکی عشق سے سرشار کیفیات میں کائناتی ہم آہنگی کا احساس شامل ہے۔انکا بنیادی فکری اور جذباتی عرفان ذات باری تعالیٰ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔

انکا پیغام محبت ہے۔تمام بنی نوع سے محبت،ساری کائنات سے محبت۔وہ اگر نفرت کرتے ہیں تو ظلم سے،استحصال سے،جبر وتشدد سے،بے انصافی سے اور یہ ہی انکی متصوفانہ شاعری کی بنیاد بنتے ہیں۔

رحمان بابا کے افکار کو زندگی کی حرارت انکی شاعری سے نصیب ہوئی۔انکے کلام میں تصوف کا کوئی معروف یا مسلمہ نظریہ تو نہیں ملتا البتہ خدا اور کائنات کے حوالے سے صوفیانہ فکری رویہ ضرور نظر آتا ہے اور یہ عرفانِ ذات یا تلاش ذات کی جدوجہد سے عبارت ہے۔انکی منزل خداشناسی ہے۔وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ منزل خودشناسی کی دشوار گھاٹیوں سے گزر کر حاصل ہوسکتی ہے۔انسان کے نفس کے اندر خارجی مفاہیم اور اشیاء کا پرتو تلاش کرنا رحمان بابا کے کلام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔انکی شاعری مذہبی اور اخلاقی شاعری ہے جسمیں عشق الٰہی بنیادی عنصر ہے۔

زاہدانہ زندگی:

رحمان بابا درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے رحمان بابا تحصیل علم میں مصروف ومشغول رہے۔پھر وہ اعلٰی جذبات اور بلند افکار کی بناء پر عام انسانوں کی دنیا سے نکل گئے اور انہوں نے ذکر وفکر اور شعر وشاعری کی الگ دنیا بسائی۔دنیاوی کاموں میں ان کا جی نہ لگا۔وہ خود اپنی مفلسی کا اظہار کرتے ہیں۔پھر بھی کبھی کسی کے در پر مانگنے نہیں گئے اور نہ انہوں نے کسی کا ممنون احسان ہونا گوارا کیا۔فرمایا:

پہ خادی خاد شوے نہ دہ چہ تورتپ سوے یم پہ غم دہر اشنا
کہ زہ طمع، توقع دبلہ نہ کڑم د بل طمع توقع کیگی لہ ما

کہ مے ورور کہ مے عزیز کہ مے فرزند دے　　واړه غواړی اخپله اخپله مدعا
پہ ہر کور کے رنزوران راتہ پراتہ دی　　لاس مہ نہ رسی د ہیچا پہ دوا
د دنیا خبرے واړہ پہ دنیا شی　　مابہ سہ کا سوک چہ نہ لرم دنیا
چہ پرے نہ وی سہ پورہ او نہ نیمگړے　　سوک پہ سہ کا لہ ہغوسرہ خندا
چہ یی خہ توخہ وبلہ سرہ نہ شی　　د ہغی اشنا بہتر دے نا اشنا
پہ تودہ زمکہ استوگنہ دہ مشکلہ　　سہ بہ زیست شی لہ رحمان سرہ د چا(۹)

''میں نے کسی کی خوشی نہیں دیکھی ہے۔ ہر آشنا اور ہر دوست کے غم میں جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہو گیا ہوں۔ میں اگر کسی سے طمع توقع نہیں رکھتا تو دوسرے لوگ مجھ سے طمع کی توقع رکھتے ہیں۔ خواہ میرا کوئی بھائی ہے یا عزیز اور بیٹا سب کے سب اپنا مطلب و مدّعا چاہتے ہیں میرے ہر گھر میں بیمار پڑے ہیں لیکن میں کسی کی دوا دارو کی طاقت نہیں رکھتا۔ دنیا کے سارے امور دولت ہی سے انجام پاتے ہیں۔ جب میرے پاس دولت نہیں ہے تو کوئی کیا کرے گا۔ اگر چہ میرا گھر گاؤں میں واقع ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ گھر نہیں بلکہ صحرا میں قبر ہے؛ جن سے کسی اچھائی یا بھلائی کی امید نہ ہو ان کے ساتھ کوئی ہنسی خوشی کی زندگی کیوں کر گزر سکتا ہے۔ جو یار آشنا کسی کے کام نہ آئے اس سے تو نا آشنا ہی بہتر ہے۔ گرم زمین پر بسیرا مشکل ہے رحمان کے ساتھ کوئی کیونکر زندگی بسر کر سکتا ہے۔''

رحمن بابا نے خودداری بے نفسی اور بے احتیاجی کی زندگی بسر کرنے پر بے اندازہ زور دیا ہے۔ رحمان بابا کیوں تارک الدنیا ہو گئے تھے؟ اس کا ایک جواب ان کے ذیل کے اشعار میں ملتا ہے:

ہزار حیف د ے چہ داہسے رنگہ چارے　　واقع کیگی د دنیا پہ سود وزیان
پہ عیسی او پہ دجال کے گناہ نشتہ　　ډیر مکرونہ دی، د نفس د شیطان
عزیزان یے سر ہ اووژل پہ خپلہ　　دا ہمہ واړہ تقدیر دے د سبحان
ہسے نہ چہ دادے وکړہ، نور بہ نہ کړے　　چہ یئے زړہ شی ہغہ کاندی بادشاہان
شاہ عالم اعظم تہ گورہ چہ یئے سخا کړو　　پہ خونو نو واړہ ملک د ہندوستان
و دارا و اورنگزیب وتہ حیران یم　　چہ یی سہ چارے واقع شوے ترمیان
د حسن حُسین غزا د سوک پہ زړہ کہ　　چہ ہمہ واړہ پہ تیغ شول شہیدان

ہرچہ اہل د دنیا دی، حال یی دادے — کہ سڑی دی کہ پیری دی کہ حیوان
ادم زاد پہ مزکہ یوبل سرہ وژنی — پہ دریاکے سرہ غوخے خوری ماہیان
لکہ غوخے چہ ماہیان خوری پہ دریاکے — پہ ہواکے ہم دغہ کاندی مارغان
چرندہ کہ پرندہ دی د دیِ دہر — ہسہ واڑہ یوتربلہ مشت وگریوان
مرداری، ددے دنیاخوہم دغہ دہ — زکہ بیرتہ ترنہ گرزی درویشان
مکاری ددے دِنیاہ ہومرہ نہ دہ — چہ رحمان یی چاتہ وکاندی بیان(١٠)

ہزار حیف ہے کہ دنیا کے سود وزیان پر اس قسم کے ظالمانہ واقعات رونما ہوئے ہیں، جن میں عیسیٰ اور دجال کا کوئی قصور نہیں ہے، یہ سب نفس اور شیطان کے مکر ہیں جس نے اعزّہ اقربا کو آپس میں کٹ مروایا لیکن یہ سب کچھ تقدیر الٰہی بھی ہے۔ یہ بات نہیں کہ جو کچھ ہوا ایسا مزید نہیں ہوگا۔ بادشاہوں کے دل میں جو آئے وہی کر گزرتے ہیں شاہ عالم اعظم کو دیکھیے کہ اس نے قتل وخون سے سارا ہندوستان کتنا گندا کر دیا ہے۔ پھر دارا اور اورنگزیب کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہوں کہ ان کے مابین کیا کچھ نہیں ہوا۔ حسن وحسین کے جہاد (واقعہ کربلا) کو یاد کیجیے۔ وہ بھی سب کے سب تلوار سے شہید ہو گئے۔ جو بھی اہل دنیا ہیں سب کا یہ ہی حال ہے۔ خواہ جن وانس ہیں یا حیوان۔ آدم زاد زمین پر ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ دریا میں مچھلیاں ایک دوسرے کا گوشت کھا رہی ہیں۔ پرندے بھی ایک دوسرے کے درپے آزار ہیں۔ اس دنیا کے چرندے ہیں یا پرندے ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں۔ دنیا کی اس مکاری ومرداری کے سبب، یہی درویش اس سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

رحمان نے دنیا ترک کی تھی، وہ حالت استغراق کو پہنچے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ خالی خولی یا بے عمل صوفی یا بیکار ڈنڈے باز اور چرسی بھنگی ملنگ نہ تھے اور نہ وہ قلندر وملنگ تھے۔ جو بھاری تن توش کے ساتھ بھیک مانگتا ہو، درحقیقت رحمان ایسے ملنگ تھے۔ جو خود تو دنیائے ناپائیدار کے سامان واسباب سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اپنے اردگرد کی زندگی وعوام کی حالت سے غافل نہیں تھے۔

فقر:

فقر حقیقی سے انسان میں استغنا، بے نیازی اور جود وبخشش کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسے دیکھ کر دنیا پرست ایک عجیب شش وپنج میں پڑ جاتے ہیں اور وہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ایسے شخص کو امیر کہا جائے یا فقیر۔

رحمان بابا کے بارے میں بھی لوگ طرح طرح کی چہ مگوئیاں کرتے ہوں گے۔ اس لیے انہیں یہ کہنا پڑا کہ مجھے خواہ فقیر سمجھو یا امیر میں بظاہر گدا ہوں لیکن حقیقت میں شہنشاہ بلکہ حاتم دوراں ہوں کیونکہ میرے پاس تو جو دولت آتی ہے اسے دلبروں کے سر کے صدقہ کر کے بطور خیرات بانٹ دیا کرتا ہوں۔ فرمایا:

کہ مہ سوک پہ فقیری شمیری فقیر یم
کہ می سوک پہ امیری شمیری امیر یم
د دلبرو صدقی لرہ ئی غواڑم
ہسے نہ چے پہ دنیاپسی زہیر یم(۱۱)

اگر کوئی مجھے فقیر سمجھتا ہے تو میں فقیر ہوں، اگر کوئی امیر سمجھتا ہے تو میں امیر ہوں، میں دولت اپنے دوستوں پر خرچ کرنے کے لیے مانگتا ہوں، ایسا نہیں ہے کہ میں دولت کے پیچھے مر رہا ہوں۔ کہتے ہیں:

قناعت م دخرقے لاندے اطلس دے　　　پٹ د درست جھان بادشاہ، ظاھر گدا یم(۱۲)

میری قناعت خرقے کے اندر پنہاں اطلس ہے، میں باطن میں سارے جہاں کا بادشاہ لیکن بظاہر گدا ہوں۔

عبدالرحمن صاحب خوشحال خاں خٹک کی طرح سردار یا کسی علاقے کے خان نہیں تھے بلکہ ایک غریب ملّا تھے۔ البتہ ان کا دل بادشاہ تھا جو دولتِ محبت سے معمور تھا۔ نہ تو وہ عالمگیر کی پروا کرتے تھے اور نہ انہیں شاہجہان کی بادشاہی اور خانی کی ضرورت تھی ان کا تو بس ایک کاروبار تھا۔

زہ دیار پہ دردوغم کے غرقاب خوخ یم　　　پہ دے اور کے بے طاقتہ، بیتاب خوخ یم(۱۳)

میں محبوب کے دردوغم کے سمندر میں غرق ہو چکا ہوں۔ اس آگ میں بے تاب وتواں ہی خوش ہوں۔

رحمان بابا ان فقیروں اور درویشوں میں ہر گز شمار نہیں ہو سکتے جو ترک دنیا پر اکتفا کر کے ذاتی سکون و سلامتی کی گود میں جا بیٹھے۔ انہوں نے محض اپنے ذاتی سکون کے لیے نہیں بلکہ اپنے ماحول اور معاشرہ میں ایک خوشگوار انقلاب لانے کی غرض سے دنیا سے اس حد تک کنارہ کشی کی تھی کہ اس کی دلدل میں پھنس کر فنا فی الدنیا نہ ہو جائیں۔ وہ دنیا سے بس اتنی غرض رکھتے تھے جو تن و روح کا تعلق قائم رکھنے کے لیے ضروری ہو۔ اس سے زیادہ نہیں اور اپنی تمام تر توجہ ان بلند اور پاکیزہ افکار کی ترویج و ترقی پر مبذول فرماتے رہے جن کو اگر میدان عمل میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو دنیا کی پریشانیاں اور الجھنیں دور ہوں اور انسان کی ترقی و خوشحالی میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو۔ رحمان بابا اصل میں اپنے ہی اس شعر کی تفسیر تھے:

پہ دنیاکے لہ دنیاگوشہ کنارشہ سمندرغوندے پہ اور کے گلغد ارشہ (۱۴)

دنیا میں رہ کر ہی اس سے کنارہ کش رہ۔ آتشیں کیڑے کی طرح آگ میں رہ کر گلغدار نہ بنا۔

رحمان بابا اپنے ایک بلیغ شعر میں یوں گل افشانی کرتے ہیں:

دلتہ دم اوقدم دواڑہ پہ حساب دی پل غلط لہ لاری مہ کیگدہ بے حسابہ

راستولے خدائے حساب دے پہ کتاب کی خبر زد کہ لہ حسابہ لہ کتابہ (۱۵)

تیرا ہر قدم کا حساب رکھا جاتا ہے خیال رکھ ذرا ہٹ کر ادھر ادھر غلط قدم نہ رکھو۔ خدا نے کتاب میں حساب بھیجا ہے۔ لہٰذا حساب اور کتاب کا سبق سیکھو۔

عشق:

اگر آپ سچے عاشق بننا چاہتے ہیں اور آپ کے قدم ہمیشہ عشق کے راستے پر پڑے تو آپ کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ عقل اس سفر میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ آپ اپنے عقل اور دلائل سے عشق کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ فقط یقین اور توکل اس سفر میں رہنمائی کر سکتے ہیں۔ رحمان بابا یوں سخن طراز ہیں کہ:

مجنون غوندی پہ عشق کے سوک صادق شی د لیلی پہ دروازہ کے دربان نشتہ (۱۶)

مجنون کی طرح اگر عشق میں کوئی صادق ہو تو لیلی کے دروازہ پر دربان نہیں۔

اور اس راستہ میں اگر وہ تختہ دار پر بھی پہنچے تو یہ ان کی معراج ہوتی ہے جیسا کہ منصور حلاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

کہ ئی سرلکہ د منصور غوندی پہ دارشی دغہ دار دے و رحمن وتہ معراج (۱۷)

اور رحمن بابا کے نزدیک منصور حلاج، شاہ جہاں اور اورنگزیب جیسے بادشاہوں سے زیادہ افضل اور بہتر ہے، کہتے ہیں کہ:

اورنگزیب او شاہ جہاں غوندی اشراف صدقہ شہ تر منصور غوندی نداف (۱۸)

اس میں شک نہیں کہ کاروبار عشق ہی رحمان بابا کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ وہ فنا فی المحبوب ہو چکے تھے اور انہوں نے اس کا اظہار شعر کی زبان سے حسین پیرایہ میں کیا ہے:

زہٗ عاشق یم سرو کارم دے لہ عشق نہ خلیل، نہ داؤد زئی یم نہ مھمند (۱۹)

میں عاشق ہوں اور عشق سے ہی سروکار رکھتا ہوں۔ میں خلیل داؤدزئی یا مہمند نہیں ہوں۔

زہ پہ تاباندے مبین یم لہ ازلہ نہ چہ کڑے مے نن ورز دے ابتداء (۲۰)

میں روز ازل سے تیرا عاشق ہوں، میرے عشق کی ابتداء کوئی آج سے تھوڑی ہوئی ہے:

خہ چہ تن مے تو منہ شو یو پہ عشق کے ‏ ‏ اول ساسکے دا شبنم ووم، اوس دریا شوم (۲۱)

اچھا ہے جو میرا تن عشق میں نیست و نابود ہو گیا، پہلے میں شبنم کا قطرہ تھا اب دریا ہو گیا ہوں۔

دا زما دیار جلوہ دا چہ لیدے شی ‏ ‏ لکہ نمر پہ صومعہ پہ سومنات

یہ میرے محبوب کا جلوہ ہے جو دھوپ کی طرح صومعہ اور سومنات پر نظر آتا ہے۔

دا حجاب چہ نورعالمے حجاب بولی چہ وی ‏ ‏ دا زما او یار تر میانہ حجاب نہ دے (۲۳)

یہ حجاب جسے باقی دنیا حجاب کہتی ہے یہ میرے اور میرے محبوب کے درمیان حجاب نہیں ہے۔

نورد شمع کلہ پہ فانوس پٹیگی ‏ ‏ تاچہ واغو ستے د خیال جامے نزی (۲۴)

شمع کی روشنی فانوس سے کب چھپتی ہے تونے جو خیال کے باریک کپڑے پہن لیے ہیں۔

تصوف جس قوم اور مذہب میں موجود رہا اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مذہب اور قومیت سے بالاتر ہے جو ذاتی ادراک رسائی اور عشق کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ ادراک رسائی حصول قوت ہر چیز شخصی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ہر چیز کے لیے بنیادی شئے عشق اور عشق آفاقی ہے یہ قومیت اور مذہب کی پراہ نہیں کرتی۔ رحمان بابا نے یہ ہی آفاقی عشق اور تصوف کا سچا راستہ اپنایا تھا اور وہ مذہب اور قومیت کو اس راستے کی سب سے بڑی رکاوٹیں سمجھتے تھے۔ اس راستے میں یہ ہی رکاوٹ مذہب ہو یا کچھ اور اس کی تردید اس طرح کی ہے:

عشق سہ ہسے علم نہ دے ‏ ‏ چی حاصل شی لہ مکتبہ

مکتب حال دمذہب و ائ ‏ ‏ عشق سیواد ے لہ مذہبہ (۲۵)

عشق کوئی ایسا علم نہیں جو مکتبوں میں پڑھنے سے حاصل ہو۔ مکتب مذہب کا درس دیتا ہے اور عشق مذہب سے اونچی چیز ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

چی مجنون غوندی پہ مینہ کے صادق وی ‏ ‏ رحمان وائی پہ ہغوی باندی سلام (۲۶)

جو مجنون کی طرح عشق میں صادق ہو، رحمان اس پر سلام بھیجتا ہے۔

بادشا ہانو کہ قصرونہ کڑل آباد ‏ ‏ ما د عشق عمارتونہ کڑل آباد

نوم د کوم یو بادشاہ ہسی یاد یگی ‏ ‏ لکہ نوم چی د مجنون او د فرھاد (۲۷)

رحمان بابا کے نزدیک ان بادشاہوں اور سلاطین کا انجام کیا ہوا، لوگ ان سے زیادہ مجنوں اور فرہاد کو یاد

کرتے ہیں، ہیں نے بھی عشق کی عمارتوں کو آباد کیا، جبکہ بادشاہوں نے اپنے محلات آباد کیے۔

عبدالرحمان بابا کو کامل یقین ہے کہ اس کا عشق اس کو ازل سے نصیب ہے اس لیے وہ اپنی قسمت پر بھی نازاں ہیں، راضی اور شاکر بھی ہے۔

خدایا زماپہ برخہ عاشقی کہ لہ ازلہ خوخ یم پہ دے برخہ کہ ترخہ دہ اوکہ شیرینہ (۲۸)

رحمٰن بابا نے تصوف کے لیے آفاقی جذبہ اور عشق کو لازمی گردانا ہے لیکن ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں کی طرح دنیا کے مطابق مسئلوں پر اشعار لکھے ہیں اور دنیا کی اہمیت پر اپنی فکر اجاگر کی ہے اپنے صوفیانہ مسلک میں رحمان ہر ایک مذہب کی تردید کرتے ہیں لیکن اسلامی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

حقیقی عشق کے لیے مجازی عشق کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ''المجاز قنطرۃ الحقیقۃ'' مجاز حقیقت کے لیے ''پل'' ہے۔لیکن رحمان بابا عشق مجازی کی اس کیفیت میں انہیں قرار اس لیے نہیں کہ وہ عشق مجازی کو مدعا آخر نہیں گردانتے، بلکہ وہ عشق کی اس منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں جو حقیقت ہے اور زندگی کا مقصود و مفہوم بھی ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے خود کو فنا کرنا پڑتا ہے۔

ان کا عشق حقیقی ہے لیکن کہیں کہیں اس پر مجاز کا بھی گمان ہوتا ہے۔بعض اوقات تو مجاز و حقیقت شیر و شکر بن کر نظر آتے ہیں۔حسن پر مرمٹنا عاشق کے مقدر میں ہے اور حسن چاہے حقیقی ہو یا مجازی نا قابل تقسیم ہے؛ بہر حال حسن، ہی حسن ہے۔ رحمان بابا ان خاص لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عشق و محبت کا مقام بلند کیا جو ان کے بلند ادبی احساسات کا نتیجہ تھا۔ان کا جذبہ بہت زیادہ پاکیزہ تھا اور وہ سب کچھ اسی جذبہ کے تحت لکھتے رہے لیکن رحمان بابا نے محض عشق و محبت پر اکتفا نہیں کیا ہے فکر و فلسفہ اور علم و خبر کی باتیں بھی کثرت و تکرار کے ساتھ کی ہیں، انہوں نے بہادری و شجاعت اور عزم و ہمت کی تعلیم بھی دی ہے، غیرت و عزت کی پاسبانی کے درس بھی دیئے ہیں اور زندگی کی نگہداشت پر بھی زور دیا ہے۔

پٹھانوں میں صوفی وہ شخص سمجھا جاتا ہے جو دنیا کی آلائشوں سے پاک سادہ مزاج اور نیکی و شرافت کا مجسمہ ہو اور اگر ان خوبیوں کے ساتھ علم و فضیلت کا مالک بھی ہو تو ولی اللہ اور بزرگ کے القاب و خطاب پاتا ہے، رحمان بابا نہایت مفکر فطرت والے انسان تھے، بہت بڑے عالم، بلند پایہ ادیب اور انقلابی شخصیت تھے۔ وہ ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے اور فکر و نظر کے اعتبار سے بھی ان کی روش عام دنیا سے جداگانہ تھی۔ گزر بسر میں بھی عام لوگوں سے الگ تھے۔

اخلاق:

تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے، کتانی کہتے ہیں کہ: ''التصوف خلق''

عبدالرحمان بابا نے بھی اپنے اشعار میں اصلاح اور اخلاق کا درس دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

کر دگلو کڑہ چی سیمہ دے گلزار شی   ازغی مہ کنہ پہ خپوکی بہ دی خارشی
کہ بل بد کاندی تہ ورسرہ خہ اوکہ   ہر یونخل چی میوہ لری سنگسا رشی(۲۹)

ہمیشہ پھولوں کو بویا کرو کہ تیرا راستہ پھولوں سے بھر جائے، کانٹوں کو مت بویا کرو تیرے ہی پاؤں میں چبھ جائیں گے۔ اگر کوئی تمہیں دکھ دے تو بدلے میں اچھائی کرو، جو درخت میوہ دار ہوں وہ سنگسار ہو جاتا ہے۔

پیر اور مرشد کا تعلق:

تصوف کے اصطلاح میں مرشد اس انسان کو کہتے ہیں جو اپنے بصیرت کی بدولت مریدوں کو صراط مستقیم سکھاتا ہے۔ اور جب مرید اپنے پیر کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اپنے مرشد کے وساطت سے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے۔ عبدالرحمن بابا نے بھی اپنے اشعار میں ایک مرشد کامل کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

بے رہبرہ رسیدو یار تہ گران دی   دلتہ بویہ چی پیدا کاندی رہبر سوک(۳۰)

بغیر رہبر (مرشد) کے یار تک پہنچا مشکل ہے. دلبر وہ ہے جسے رہبر مل جائیں۔

معرفت:

معرفت دخدائے سرگند دے پہ ہرسہ کے   سترگی وخورہ چی سوک ہومرہ نظیر نہ کا(۳۱)

خدا کی معرفت ہر چیز میں ظاہر ہے وہ اندھا ہو جائے جسے یہ نظر نہ آتا ہو، اگر کوئی معرفت خداوندی سے محروم رہا تو عبدالرحمان بابا اس کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

چی دخدائے لہ معرفتہ خبرنہ شوم   معلو میگی چی یا دیو یم یا دواب یم
لکہ بت چی پہ رنو سترگو اودہ شی   ہسی زہ پہ بیداری کے وڑے خواب یم(۳۲)

اگر مجھے خدا کی معرفت نہ ہوئی تو گویا کہ میں یا تو دیو ہوں یا جانور، اگر میری شکل انسانوں جیسی ہے تو کیا ہوا، میری مثال تو چوپایوں جیسی ہے، جس طرح بت کھلی آنکھوں کے باوجود

سویا ہے اسی طرح مجھے بیداری میں بھی خواب نے دبو چا ہے۔

رحمان بابا کی اس شاعری پر قرآن کریم کی یہ آیت واضح طور پر گواہ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ“(۳۳)

اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے جنّوں اور انسانوں میں سے بہت سے (افراد) کو پیدا فرمایا وہ دل (ودماغ) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھ نہیں سکتے اور وہ آنکھیں رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھ نہیں سکتے اور وہ کان (بھی) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سن نہیں سکتے، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ گمراہ، وہی لوگ ہی غافل ہیں۔

نظریۃ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشھود۔(۳۴)

سالک پر وحدت الوجود اور وحدت الشھود کے افکار کی ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی اس پر وجود کی وحدت کے نغمے طاری ہو جاتے ہیں اور کبھی شھود کے اشارے، صوفی شاعر کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ادراک کے جس مقام پر فائز ہوتا ہے وہ اپنے شعر میں بیان کرتا ہے۔ عبدالرحمن بابا کی شاعری میں دونوں فلسفوں کی کیفیات کا اظہار موجود ہے۔ مثلاً وجود کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

خپل جانان می ھسی رنگہ وی پہ زڑہ کے   نہ پوھیگم چی رحمان یم کہ جانان یم

خکتہ بدر راخکارہ شو پورتہ نمر   خکتہ پورتہ واڑہ مخ دے د دلبر(۳۵)

نیچے ماہتاب نکل آیا اور اوپر آفتاب، اوپر نیچے سب میرے دلبر کا چہرہ ہے۔

اور جب شھود کا مشاہدہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ:

رحمان حسن دیار و ینم پہ پردہ کے   نہ پٹیگی نورد حسن پہ فانوس(۳۶)

غیاب میں بھی حضوری ہے یار کی رحمان کہ روک سکتا نہیں نور شمع کو فانوس

دا زماد یار جلوہ وہ چی لیدے شی	لکہ نمر پہ صومعہ پہ سومنات(۳۷)

یہ میرے محبوب کا جلوہ ہے جو دھوپ کی طرح صومعہ اور سومنات پر نظر آتا ہے۔

رحمان بابا نے اگر ایک آدھ شعر ایسا کہا ہو جس سے وحدت الوجودی یا وحدت الشھودی کا گمان ان پر ہوتا ہے تو ایسے اشعار کے مقابلے میں ان کے وہ اشعار زیادہ ہیں جن سے ان کے توحیدی ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ رحمان بابا کے نزدیک رب العالمین خالق کائنات ہے، اس کی ذات کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے وہ صانع ہے اور باقی سب اس کی مصنوعات ہیں۔

رحمان بابا پشتون شعراء کی نظر میں:

رحمان بابا کو صوفی کہنے والوں میں جید عالم اور بلند پایہ ادیب بھی شامل ہیں۔ چنانچہ رحمان بابا جن کی شخصیت کا محور بھی اسلامی تصوف تھا وہ بھلا اس اہم حصہ کے بیان سے کیونکر خاموش رہ سکتے تھے۔ ان کی شاعری اس پہلو سے اسلامی اخلاق کا ایک روشن نمونہ ہے۔ حمزہ صاحب (۳۸) اپنے مضمون میں مزید لکھتے ہیں:

> ''اگر ہم رحمان بابا کی شاعری سے وہ حصہ خارج کر دیں جو تصوف سے تعلق رکھتا ہے تو پھر ہمیں ان کے کلام کی زکوۃ بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔ ان کا قریب قریب تمام کلام تصوفی افکار کا مرقع ہے اور ایک نقاد اور مبصر کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اس پہلو پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالے۔ (۳۹)

رحمان بابا صوفیانہ شاعری کا ہر وصف رکھتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ پختون صوفی ہیں یعنی ان کا تصوف بھی پختون تصوف ہے۔ رحمان بابا مست ہیں، ملنگ ہیں، قلندر ہیں، لیکن ادب وتہذیب کے دائرے سے قطعاً باہر نہیں نکلتے۔ عالم مستی میں بھی پشتو ان کی رفیق ہے۔ خدائے پاک کی محبت انسان کو سب کچھ بھلا دیتی ہے گویا جان وجہان دونوں بیچ میں سے غائب ہوجاتے ہیں اور جب صوفی اس آخری مرحلے پر پہنچتا ہے تو ملنگ ہوجاتا ہے اور رحمان بابا خود کہتے ہیں کہ:

پہ ملنگ تاوان اوقلنگ نشتہ (۴۰)

ملنگ مالیہ اور تاوان سے آزاد ہے۔

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

پہ تصورم ز ان بادشاہ کو   چہ سرم پورتہ کو ملنگ د ونہے ومہ (۴۱)

میں نے اپنے آپ کو تصور میں تو بادشاہ کر لیا۔ لیکن جب سر اٹھایا تو دھونی کا ملنگ تھا۔

دوست محمد خان کامل (۴۲) اپنی پشتو کتاب ''رحمان'' میں تصوف پر طویل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں صوفی کی حیثیت سے رحمان بابا کی عظمت کا راز ان کی شیریں اور پرسوز شاعری میں مضمر ہے اور یہ (خدا اور اس کی مخلوق سے محبت) تصوف کے ایسے اصول ہیں جو مذہب کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتے ہیں اور زیادہ عظمت و پاکیزگی کے سبب عوام میں مقبولیت پا گئی ہے۔ اگرچہ مخلصانہ فکر تحقیق و تدقیق اور تلاش حقیقت میں کاوش کی وجہ سے تو دوسرے صوفیانہ نظریات اور عقائد بھی قابل احترام ہو سکتے ہیں لیکن جو لوگ اس سے اتفاق نہیں رکھتے اور اسے حق کے نقطہ نظر سے ہرگز سبب عظمت سے ملحدین کے سوا اور کسی کو بھی انکار نہیں بلکہ انہیں بھی ایک حد تک ہی انکار ہوگا کیونکہ مخلوق کی محبت میں تو صوفی مومن اور کافر ہی نہیں، انسان اور حیوان میں بھی فرق روا نہیں رکھتا۔ لیکن اس پہلو کے ساتھ ساتھ رحمان بابا کے کلام میں ایسے اشعار بھی پائے جاتے ہس جن میں تصوف کے چہرے کے بعض علمی ونظری پہلوؤں کے جلوے اور تابانی و درخشانی بھی موجود ہے۔ (۴۳)

رحمان بابا ان صوفیہ کے گروہ سے تعلق نہیں رکھتے جو تصوف کے ایک مستقل فلسفے پر عمل پیرا ہوں۔ رحمان بابا کے جن اشعار سے ان کا صوفی ہونا ثابت کیا جاتا ہے یا بعض حضرات کو ان میں تصوف کے ساتھ ساتھ وحدت الوجودیت کی بات نظر آتی ہے ان کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو صرف یہ ایک بات معلوم ہو گی اور وہ یہ کہ ان کے افکار اسلام کے بنیادی عقائد پر مبنی ہیں جس پر جملہ اہل اسلام متفق ہیں اور جو خواص اور عوام سب کا عقیدہ ہے۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

۱۔ پشتون شاعر اور فلسفی، ۱۰۲۲ھ
۲۔ مغلیہ خاندان کا شہنشاہ محی الدین اورنگزیب، ۱۶۱۸ء
۳۔ عبدالصمد خان، رحمان بابا شاعر انسانیت، پشاور: مکتبہ شاہین، ۱۹۷۴ء ص: ۱۸
۴۔ سخی سلطان باہو، ۱۶۳۰ء
۵۔ سندھی زبان کا شاعر، ۱۷۳۹ء
۶۔ پنجابی زبان کا شاعر، ۱۵۳۹ء
۷۔ سندھی زبان کا شاعر، ۱۶۸۹ء
۸۔ پنجابی زبان کا صوفی شاعر، ۱۸۴۵ء
۹۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، مصحح ومدون عبدالروف بینوا ص: ۲۰
۱۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۸۲
۱۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۲۷
۱۲۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱
۱۳۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۶۷
۱۴۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۰۴
۱۵۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۹۲
۱۶۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۱۳
۱۷۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۶
۱۸۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۶۴
۱۹۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۹
۲۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۵
۲۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۴۷

۲۲۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۴

۲۳۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۲۷

۲۴۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۳۰

۲۵۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۹۱

۲۶۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۷۵

۲۷۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۹

۲۸۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۱

۲۹۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۱۳۸

۳۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ٦۷

۳۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۲۸

۳۲۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۷۳

۳۳۔ الاعراف: ۱۷۹

۳۴۔ بعض صوفیہ کے نزدیک وجود صرف ایک ہے جو واحد لاشریک ہے، باقی وجودوں کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اس کی ذاتی حیثیت کوئی نہیں، اس نظریہ کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا کہ ہر وجود کی ذات ہے وہ اس کی قدرت کاملہ پر گواہ ہے۔

۳۵۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۴٦

۳٦۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۵۵

۳۷۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۳۴

۳۸۔ امیر الشعراء، حمزہ خان، پشتو میں غزل کے اہم شاعر، ۱۹۰۷ء

۳۹۔ رحمان بابا اکیڈمی، پشاور: رحمان ادبی سوسائٹی، سلورم ٹوک، ص: ۱۳٦

۴۰۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۸۲

۴۱۔ عبدالرحمان بابا، دیوان، ص: ۲۵

۴۲۔ پشتون شاعر

۴۳۔ شیر شاہ، ترخوی، رحمان اور قرآن، پشاور: جدون پریس، ۲۰۱۳ء: ص: ۲۵

♦♦♦

فروغ تحمل و برداشت میں صوفیہ نقش بند کا کردار اور اثرات

Naqshband Mystics's Influence and Contribution to the Promotion of Tolerance

Dr. Aqeel Ahmad

Assistant Professor, Department of Islamic Studies and Arabic,

Government College University, Faisalabad

Abstract

Tolerance and patience are the basic qualities of human beings. Islam as a religion of nature enhances all those qualities which humanity and society need and commands for the spread of these qualities. Sufies (saints) of all orders in every era spread these qualities through their practices. The saints of Naqshbandiayh order played vital role with their maximum capacities for the enhancement of tolerance and patience. They strongly injected this approach into their adherents both ideologically and practically. This paper discusses the Naqshbandiayh saints struggle for the services and influences of tolerance and patience in society.

Key Words: Tolerance, Mystics, Saints, Orders, Practices, Pations, Society, Naqshabandi

اسلام زندگی کو خوشگوار رکھنے کیلئے جن رویوں کو فروغ دیتا ہے وہ نہ صرف فرد بلکہ معاشرہ دونوں کی اعلیٰ تشکیل کیلئے رہنما اصول ہیں۔ ہر انسان اپنے فطری تقاضوں کی وجہ سے بعض دفعہ غیض و غضب کا شکار ہو جاتا ہے ایسی حالت میں وہ کچھ ایک کام کر جاتا ہے جو نہ صرف اُس کی اپنی ذات بلکہ معاشرہ کیلئے بھی نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام انسان کے فطری تقاضوں کی اس انداز سے تہذیب کرتا ہے کہ جس سے نہ صرف فرد بلکہ پورا معاشرہ بہرہ یاب ہوتا ہے۔ صوفیہ کرام جن کا مقصد حیات، انسانی زندگی کو خوبصورت و خوشگوار بنانا ہی ہوتا ہے وہ ہمیشہ انسان کی لطیف حسیات کو توانا کر کے اُس کی قوت شہوانیہ اور بہیمہ کو کمزور کرتے ہیں تا کہ انسانی ذات کی تخلیق جن اعلیٰ مقاصد کے لیے کی گئی ہے اُن ہی کا اُس سے ظہور ہو۔ زیر نظر مقالہ میں تحمل و برداشت کے فروغ میں صوفیہ نقش بند کا کردار زیرِ بحث ہے۔

سلسلہ نقش بند کے آغاز کے حوالے سے علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں:

> ''یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تک سلسلہ صدیقیہ کہلاتا تھا حضرت بایزید بسطامی سے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی تک طیفوریہ کہلاتا تھا۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے حضرت شیخ بہاء الدین نقش بند تک خواجگانیہ کہلاتا تھا اور حضرت بہاء الدین نقش بند سے تاحال نقش بندیہ کہلاتا ہے۔ (۱)

لفظ نقش بند کی وجہ تسمیہ:

ہر نام اور اصطلاح کا کوئی معنی و مفہوم ضرور ہوتا ہے لفظ نقش بند کا مفہوم کیا ہے اس کی تعریف میں کئی اقوال ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:

> ''اِس کے لفظ معنی مصور کے ہیں اور تشریحی معنی علم الٰہی کی لاثانی تصویر کھینچے والا ہیں یا زیادہ صوفیانہ طرز میں (تعریف ہے) اپنے دل میں کمال حقیقی کا نقش رکھنے والا۔ (۲)

سلسلہ نقش بندیہ اتباع شریعت پر بہت زور دیتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بند کا ارشاد ہے کہ:

> ''ہمارا طریقہ عروۃ الوثقٰی ہے یعنی مضبوط حلقہ، جس سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنا ہے اور صحابہ کرام کے آثار کی پیروی کرنا ہے۔ اس طریقہ پر عمل قلیل سے بھی بہت سی فتوحات حاصل ہوتی ہیں مزید فرماتے ہیں کہ لا اِلٰہ میں معبود نفس کی نفی ہے اور اِلا اللہ میں معبود حقیقی کا اثبات ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو فاتبعونی کے حکم

کا مقید کرنا ہے اور یہی کلمہ توحید کی حقیقت ہے۔ (۳)

خواجہ نقش بند میں عروۃ الوثقیٰ اور فاتبعونی کی اصطلاحات بیان فرما کر واضح کر دیا ہے کہ حقیقی کامیابی راہ نبوت پر گامزن ہونے ہی سے ملے گی صوفیہ کرام چونکہ قال سے حال کی طرف لاتے ہیں اور اُن کا بنیادی مقصد اُن اقدار کا فروغ ہوتا ہے جس سے معاشرہ میں اُسوہ حسنہ کے رنگ نظر آئیں۔ اُسوہ حسنہ سے ماحول کو معطر بنانے کے لیے وہ اُسوہ حسنہ ہی کی روش پر فرد اور معاشرے کی تطہیر کا عمل شروع کرتے ہیں اور ایسے تمام فاسد رویے جو زندگی کی خوبصورت کو تہہ و بالا کرتے ہیں اُن کی بیخ کنی کرتے ہیں گو کہ اِس عمل میں اُن کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اُن کے سامنے اُن کے مقصود منزل حضور اکرم ﷺ کے مکی دور کی تمام ادائیں ہوتی ہیں اِس لیے وہ صبر و تحمل، برداشت، رواداری، وسعت قلبی اور عاجزی انکساری جیسی صفات سے ہمہ وقت مزین ہوتے ہیں اور اپنے تلامذہ اور مریدین و معتقدین کی بھی اس طرح تربیت کرتے ہیں کہ وہ بھی بڑے بلند حوصلہ اور صبر و برداشت کا پیکر نظر آتے ہیں۔ پیغام حق کے لیے داعی میں صبر کا پہلو بنیادی عنصر ہے اور غیض و غضب سے بچنا اُس کے لیے ضروری ہے۔ صوفیہ کرام اس پہلو کا اظہار کیسے کرتے ہیں اس ضمن میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بند رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۱ھ) کا طریقہ تربیت کا اولین پہلو کیا ہوتا۔ اس ضمن میں آپ کا ارشاد ہے:

> ''درویش کو تحمل و برادشت کے مقام میں ڈھول کی طرح رہنا چاہیے کہ ہر چند طمانچہ کھائے مگر صدائے مخالف اس سے ظاہر نہ ہو۔'' (۴)

کتنی خوبصورتی سے بادِ مخالف سے اعراض کا طریقہ بتا دیا اس طرح معاملات زندگی کو خواجہ نقش بند نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں غصہ و اکراہ کی حالت سے اجتناب کا حکم دیتے ہیں۔ علامہ نور بخش توکلی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ایک دفعہ آپ کی خدمت میں کھانا لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہ کھانا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ غصہ کی حالت میں پکایا گیا ہے۔ آٹا چھاننے اور خمیر کرنے یا پکانے کے وقت کہیں غصہ رہا ہے اِس طرح اگر کوئی شخص کفگیر کو غصے یا کراہٹ کی حالت میں دیگ میں مارتا آپ اُس کھانے کو بھی نہ کھاتے اور فرماتے جو کام غضب یا کراہت و دشواری سے کیا جائے اُس میں خیر و برکت نہیں ہوتی۔ (۵)

کھانا پکانا اور دوسروں کو کھلانا خدمت خلق میں سے ہے اور سب سے بڑی خدمت خلق راہ حق کی

طرف بلانا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نقش بند کس طرح تربیت کا آغاز کرتے اور افراد کو تیار کر کے سماج کی اصلاح کا آپ کو کس قدر خیال تھا کہ جو کام یا معاملہ بھی کیا جائے اُس میں اخلاق ہو۔ مزاج میں خوشگواری ہو، تندی و تیزی اور غیض وغضب نہ ہو کیونکہ ایسے رویوں سے لوگ قریب ہونے کی بجائے دور ہوتے ہیں جبکہ صوفیہ کا مقصد لوگوں کے قریب ہو کر اُن کو قلوب اذہان میں پیغام حق کا راسخ کرنا ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نقش بند کو یہ فکر اپنے مشائخ سے حاصل ہوئی تھیں بالخصوص حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۷۵ھ) جن سے آپ کو نسبت اویسی حاصل تھی۔ اُن کا ارشاد ہے:

> ''جو سالک فنائے نفس کی حد تک نہیں پہنچتا جب وہ غصہ میں آتا ہے تو شیطان اُس پر غلبہ پا لیتا ہے جس نے اپنے نفس کو فنا کر دیا اُسے غصہ نہیں آتا غیرت آتی ہے اور غیرت سے شیطان بھاگتا ہے۔''(٦)

مشائخ نقش بند نے اپنے اقوال، اعمال، تالیفات، مکتوبات اور ہر نہج سے اپنے مریدین کو رذائل اخلاق سے بچنے کی تلقین کی۔ بالخصوص اُن کو تحمل و برداشت کا پیکر بنایا اُن پر واضح کیا کہ نامناسب رویوں سے درگزر کرنا ہی اہل ایمان کا شیوا اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ اِس حوالے سے اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام میں استقامت نصیب کرے لقمہ پراگندہ یعنی حرام سے بچنا اور نفس کی بُری صفتوں کو ظاہر نہ ہونے دینا۔ شوق کو بڑھاتا ہے کوشش کریں لقمہ حرام اور مشتبہ نہ کھایا جائے اور نفس کی بُری صفتیں یعنی غضب، بدخلقی اور ناجائز شہوت وخواہش ظہور میں نہ آئیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی بارہ گاہ میں اچھی طرح عاجزی اور التجا نہ کریں اِیسی ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچ نہیں سکتے اس لیے ہمیشہ نیازمند اور خاکسار رہنا چاہیے اور ہر ذرہ کے آگے تواضع اور فروتنی کرنی چاہیے۔''(٧)

حصول خوش بختی کیلئے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۲ھ) اپنے ایک مرید کو مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''یہ سعادت تب حاصل ہوتی ہے جب اِن لوگوں کے ساتھ جو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی منسوب اور مقبول ہیں یعنی دینی عالم اور سادات اور سچے فقراء کے ساتھ جو اپنے قول و فعل میں بدعت اور الحاد سے بچتے ہیں، صحبت رکھتے ہیں اور ان کے مخالفوں کی تحقیر اور اُن کے عقیدوں کی تردید کریں اِس طرح اس کی روشنی میں مظلوموں کی مدد کریں، محتاجوں کی حاجت پوری کریں مجرموں کے قصور معاف کریں عاجزوں کے حساب اور لین دین میں نرمی اور

فروگزاشت سے پیش آئیں مگر خیال رہے کہ شریعت کا کوئی حق فوت نہ ہوجائے ان سب باتوں میں جس قدر بھی حاصل ہو سکے غنیمت اور سعادت ہے بعض کے ترک ہونے سے سب کو ترک نہ کرنا چاہیے۔''(۸)

دوسروں کی زیادتیوں کو معاف کرنا غلطیوں سے اعراض کرنا مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں اور اِسی کو قرآن کریم نے ''عزم الامور'' (بڑی ہمت کے کام) قرار دیا ہے یعنی بندے کی بلند حوصلگی، وسعت قلبی اور جرأت کی علامات میں سے درگزر کرنا ہے۔ اس ضمن میں حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی اپنے مریدوں کو نصائح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خلقت کے عیبوں اور گناہوں کا ڈھانپنا اور ان کے قصوروں سے درگزر کرنا بڑے عالی حوصلہ والے لوگوں کا کام ہے۔ غلاموں اور ماتحتوں پر مشفق ومہربان رہنا چاہیے اور ان کے قصوروں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے اور موقع بہ موقع ان کمزوروں کو مارنا، پیٹنا اور گالی دینا اور ایذا پہچانا نامناسب ہے۔ اپنی تقصیروں کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیے جو ہر ساعت حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ نسبت وقوع میں آ رہی ہیں اور حق تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی نہیں روکتا۔''(۹)

اِس اقتباس میں یہ جملہ کہ ''اپنی تقصیروں کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیے جو ہر ساعت حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ نسبت وقوع میں آ رہی ہے'' میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ) بندے کو انسانی، فطری اور سماجی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ ہر شخص کے کتنے ایسے کام، معاملات اور رویے ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں ناپسندہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اُس پر قلم عفو پھیر کر پیہم رزق اور نعمتیں عطا کر رہا ہے تو بندے کو بندوں کے معاملات میں سنت الٰہیہ ہی کو سامنے رکھنا چاہیے تاکہ معاشرہ فتنہ وفساد اور باطل رویوں سے محفوظ رہے او ربندوں سے بندگی کا ظہور ہی ہو اُس کے علاوہ اُس میں دوسرا پہلو یہ ہے کہ غلبہ کی قوت کے بعد بھی درگزر کر دینے کی روش اپنائی جائے یہی درگزر کی حقیقت ہے۔

اِس کا خود حضرت مجدد الف ثانی نے مظاہرہ کیا جب مغلیہ عہد میں جہانگیر کی فوج کے سپہ سالار مہابت خان نے آپ سے جہانگیر کا تختہ الٹنے کی اجازت کی اُس وقت باوجود غلبہ کے آپ نے جہانگیر کی طرف سے کی جانے والی تمام زیادتیوں سے اعراض کیا اور مہابت خان کو ہر طرح کی کاروائی سے باز رکھا اور اِس خطے میں اسوہ حسنہ کے اس پہلو کو اپنے عمل بھی متعارف کروایا۔(۱۰)

مشائخ نقش بند ہر معاملے میں اتباعِ شریعت ہی پر زور دیتے تھے تو انہوں نے تحمل و برداشت کے ضمن میں نہ صرف وعظ وخطاب یا دوسروں کی تربیت پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ہر موقع پر اپنے عمل سے اس رویے کو فروغ دیا۔ معاشرے سے بدلے یا انتقام کی صورت میں خاتمہ کر کے عفو و درگزر اور تحمل و برداشت کی فضا کو استحکام دے سکے۔ اس حوالے سے اس خطے کے معروف نقش بندی شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مرزا مظہر جان جاناں کو جب تین افراد نے رات کے وقت حملہ کر کے زخمی کر دیا تو آپ نے وصیت کی کہ اگر قاتل معلوم ہو جائے تو ہم نے معاف کر دیا ہے تم (مریدوں) معاف کر دینا اور زخمی حالت میں تین دن کے بعد اپنا یہ شعر پڑھتے ہوئے وصال کر گئے:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را[11]

یہی بڑی ہمت کے کام ہیں کہ اپنے قاتل تک کو بھی معاف کر دینا تا کہ معاشرے میں انتقامی سوچ کا خاتمہ ہو کیونکہ حالات و واقعات یہ بتاتے ہیں جب انتقام کی آگ ایک بار بھڑک اٹھے تو یہ نسلوں تک چلتی ہے جس سے سوائے جان، مال اور وقت کے ضیاع کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے اس طرزِ عمل میں اُن کے مریدین پر کتنا گہرا اثبت کیا ہوگا اور کتنے ہی اذہان میں تحمل و برداشت کی قوت راسخ ہوئی ہوگی۔

اِسی طرح کی اور مثال حضرت سید توکل حسین شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جس کو آپ کے خلیفہ حضرت علامہ نور بخش توکلی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جب لیکھرام آریہ مارا گیا تو ہندوؤں کو یہ خیال ہوا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لوگوں کو ہلاک کیا جائے چنانچہ اکثر مقامات میں علماء وصلحا کو کسی نہ کسی حیلہ سے زہر دیا گیا ایک رات بارہ بجے کے بعد دو ہندو مسلمانوں کے بھیس میں بارادہ قتل حضور (حضرت سید توکل حسین شاہ) کے پاس آئے آپ اُس وقت تنہا مراقب (یعنی مراقبہ کی حالت میں) تھے تھوڑی دیر بعد آپ نے سر اُٹھا کر اُن دونوں کی طرف دیکھا وہ دونوں کانپ گئے آپ نے حسب عادت اُن سے پوچھا کہ کس کام کے واسطے آئے ہو؟ مارے ہیبت کے وہ بول نہ سکے آخر کار نامراد واپس چلے گئے دوسرے روز علی الصبح وہ حضور (حضرت سید توکل حسین شاہ صاحب) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کی کہ ہم سے بڑی خطا ہوئی ہندوؤں نے ہم

کولالچ دیا تھا اِس لیے ہم شب کو آپ کے قتل کے لئے آئے تھے ہماری تمام رات بے چینی میں گزری ہے خدا کے واسطے آپ ہماری خطا معاف فرمائیں اور ہم کو مسلمان کر لیں چنانچہ حضور (حضرت سید توکل حسین شاہ) نے ان کی خطا معاف فرمائی اور دونوں کو مسلمان کر کے رخصت کیا۔''(۱۲)

مشائخ نقش بند کے پیش نظر ہمیشہ یہ بات رہی ہے کہ گفتار سے زیادہ کردار سے کام لیا جائے کیونکہ اس کے اثرات زیادہ مؤثر اور دیر پا ہوتے ہیں اور پھر اسوہ حسنہ کی حقیقت واساس یہی ہے گفتار سے افکار مضبوط ہوتے ہیں تو کردار سے عملی قوتیں توانا ہوتی ہیں۔ مشائخ نقش بند نے اُسوہ حسنہ کے منہج ہی پر خلق عظیم کے اِس پہلو یعنی عفو و درگزر و تحمل و برداشت کو اپنے کردار سے فروغ دیا یہ طرز عمل تمام متقدمین اور متاخرین میں رہا ہے۔

مشائخ نقش بند اپنے مریدین کی اصلاح کے لئے گھنٹوں وعظ میں فلسفہ اور کلامی مسائل کی بجائے اُن کی زندگی کے عام مسائل پر ہی عموماً گفتگو فرمایا کرتے تھے اُن کے پیش نظر عام انسان کی زندگی کی مسائل مشکلات کو دور کر کے زندگی کو پُرسکون بنانا تھا اس ضمن میں سلسلہ نقش بندیہ کے معروف بزرگ حضرت میاں شیر محمد شرق پوری (۱۹۲۸) کے انداز تربیت کے حوالے سے حکیم سید امیر الدین احمد صوفیہ نقشبند میں لکھتے ہیں:

> ''کہ خودغرضیاں چھوڑ دو۔ مقدمہ بازیاں چھوڑ دو، جھوٹ، دغابازی، بے ایمانی، حرام کاری چھوڑ دو نیکی اور پرہیزگاری اختیار کرو، آپس میں صلح صفائی اور رحم دلی سے رہو دوسروں کا مال کھانے اور چوریاں کرنے سے پرہیز کرو اور درحقیقت نیک، پاک باز صالح اور شریف انسان بن جاؤ، خدا اور رسول ﷺ کی فرماں برداری کرو۔ نماز، روزہ اور زکوۃ کی پابندی کرو، گالی گلوچ سے پرہیز کرو، مار دھاڑ اور جھگڑا فساد نہ کرو۔۔۔ اکثر لوگ اپنے نجی جھگڑے، ذاتی معالات، زمینوں اور جائیدادوں کے مقدمات آپ کے پاس لاتے تو آپ نہایت انصاف اور خوبی اور ہمدردی کے ساتھ ان میں صلح وصفائی کرا دیتے ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ آپ دونوں فریقین کو سمجھاتے کہ آپ کے فرمانے پر ہر شخص بخوشی اپنا حق چھوڑنے اور اپنے بھائی سے صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔''(۱۳)

جھگڑوں کو ختم کرنا، صلح وصفائی کی فضا قائم کرنا یہی ثمر ہے تحمل و برداشت کا اور اخوت ومساوات پیدا کرنے کا مشائخ نقش بند کی فکر اور عمل رویوں سے شدتوں کو ختم کر کے آپس میں ''رحمآء بینھم'' کا حقیقی رنگ واضح کرنا ہی مقصدِ حیات رہا ہے۔

سماجی رویوں کی تشکیل اور تہذیب ہر دور میں انسان کا بنیادی مسئلہ رہا ہے ہر دور میں ہی صوفیہ کرام نے اپنے ذوق اور فہم کے مطابق فکری و عملی طور پر اس حوالے سے جدوجہد کی ہے سلاسل تصوف میں سلسلہ نقش بندیہ ایک اہم سلسلہ ہے مشائخ نقش بند نے انسانوں کے انسانوں کے ساتھ تعلقات کو اُسی نہج پر استوار کرنے کی کوشش کی ہے جس کی بنیاد اسوہ حسنہ ہے۔ رویوں اور تعلقات کی خوبصورتی اور استحکام کی بنیاد تحمل و برداشت پر ہے۔ مشائخ نقش بند نے ہمیشہ لوگوں کی تربیت میں نہ صرف گفتار بلکہ اپنے کردار سے اُسوہ حسنہ کے اِس پہلو کو مقدم رکھا ہے کیونکہ کردار کی تہذیب میں تحمل و برداشت بنیادی عنصر ہے۔ اِسی سے معاشرے میں انتقامی سوچ، تخریب، فتنہ وفساد، غیض وغضب، بغض وحسد کا خاتمہ ہو کر ایک پرسکون، اعلیٰ اور خوشگوار فضا قائم ہوتی ہے جو شریعت کے بنیادی تقاضوں میں سے ہیں اور انسان کی نجات کا بھی سبب ہے۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

١۔ توکلی، نور بخش علامہ، تذکرہ مشائخ نقش بندیہ، لاہور: نوری کتب بک ڈپو، ١٩٣٨ء، ص: ٤٨٤

٢۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ٢٢/ ٤٣٤

٣۔ جامی، عبدالرحمن، نفحات الانس، مترجم: شمس بریلوی، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ١٩٨٢ء، ص: ٦٢٣۔ ٦٢٤

٤۔ تذکرہ مشائخ نقش بندیہ، ص: ١٢٨

٥۔ ایضاً، ص: ١٠٩

٦۔ غجدوانی، عبدالخالق، خواجہ انوار اصفیاء، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ١٩٦٨ء، ص: ٦٣٦

٧۔ دہلوی، محمد باقی باللہ خواجہ، مکتوبات شریف، لاہور: اللہ والے کی قومی دکان، مکتوب نمبر ٢٥، س۔ن، ص: ١١٣

٨۔ ایضاً، مکتوب: ٢٧، ص: ١٥٨

٩۔ حکیم، محمد، مجدد اعظم، لاہور: شعاع ادب، ١٩٥٨ء، ص: ١٢١

١٠۔ قصوری، محمد ابراہیم، خزینۂ معرفت، لاہور: پروگریسو بکس، ١٩٨١ء، ص: ١١٠

١١۔ تذکرہ مشائخ نقش بندیہ، ص: ٢٩٦

١٢۔ ایضاً، ص: ٣٨٢۔ ٣٨٣

١٣۔ احمد، سید امین الدین، حکیم، صوفیہ نقش بند، لاہور: مقبول اکیڈمی، ١٩٧٣ء، ص: ٣٢٣

♦♦♦

فروغِ رواداری اور قیامِ امن میں صوفیہ کا کردار

The Role of Sufis in the Dissemination of Tolerance and Establishment of Peace

Dr. Kareem Khan

Lecturer, Department of Islamic Studies,

Gujrat University, Gujrat

Abstract

Islam is a religion of peace and safety. There is no scope for oppression and aggression in Islam. This is a preaching and missionary religion. Esteemed Muslim mystics always promoted affability and courtesy by dint of their clean character, sincere efforts, humble services and attractive behavior. They did their best to establish peace in society and in the entire world as well. So as a matter of fact these esteemed and respected mystics are the main and real medium and source of flourishing and expansion of Islam. Consequently, there is a great need in the current era to follow the character of these esteemed mystics. In this article the same character of these esteemed mystics is discussed.

Key Words: Mystics, Tolerance, Sublime Character, Spread of Islam, Peace, Safety

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے،جس میں جبر واکراہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے،(١) یہ مذہب تبلیغی ہے اور اس وقت دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں اقلیت واکثریت کی صورت میں اس کے ماننے والے موجود ہیں اور تقریباً اٹھاون ممالک کا ریاستی مذہب اسلام ہے،ازمنہ سابقہ اور حالیہ میں صلیبیوں،ترکوں اور تاتاریوں نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ کچلنے کی کوششیں بھی کیں۔لیکن اکثر ایسا ہوا کہ فاتحین نے ہی اسلام قبول کیا،اور پھر اس کی تقویت کا باعث بنے۔اسی حقیقت کے بارے میں پروفیسر تھامس آرنلڈ نے کہا تھا:

''اگرچہ عظیم الشان اسلامی سلطنت کے حصے بکھر گئے،اور اسلام کی سیاسی قوت کو زوال آ گیا،لیکن دین اسلام کی روحانی فتوحات بدستور،بے روک ٹوک جاری رہیں۔(٢)

یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے اپنے سیاسی زوال اور انحطاط کے زمانے میں بھی بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات حاصل کیں،مثلاً اسلام کی تاریخ میں دو موقعے ایسے آئے ہیں،جبکہ وحشی کفار نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا،سلجوق ترکوں نے گیارہویں صدی اور تاتاریوں نے تیرہویں صدی میں،مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کرلیا جس کو انہوں نے مغلوب کیا تھا۔مسلمان مبلغین نے اپنا مذہب وسطی افریقہ،چین اور جزائر ہند میں بھی پھیلایا،حالانکہ ان کو وہاں کسی دنیوی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی۔(٣)

یہ وہ روحانی قوت ہے،جو ہمیشہ اسلام کی تقویت کا باعث بنی ہے،جسے اہل اسلام تصوف سے تعبیر کرتے ہیں اور ایک صوفی اسی کا سانچا و کردار ہے،اسی لیے حکومتیں مسلم ہوں،یا غیر مسلم صوفیہ کرام نے اپنے کردار وعمل سے رواداری کو فروغ دیا اور مختلف مذاہب وقومیتوں کے باوجود امن قائم کیا۔اس لیے اسلام کے پھیلاؤ کا اصل سبب یہی روحانی قوت اور صوفیہ کا کردار ہے۔عصر حاضر میں رواداری کو فروغ دینے اور امن قائم کرنے کے لیے اسی کردار کو اپنانے کی ضرورت ہے،اس بارے میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کیا ہے؟ اور صوفیہ کرام کا کردار عمل کیا ہے؟اس مضمون میں اختصار کے ساتھ اسے بیان کیا جاتا ہے:

فریضۂ تبلیغ:

اسلام کی تاریخ میں فریضۂ تبلیغ ایسی چیز نہیں کہ اس کا خیال بعد کے زمانے میں پیدا ہوا ہو۔یہ وہ فرض ہے جو مسلمانوں پر ابتدا ہی سے عائد کردیا گیا تھا،جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے:

''اُدۡعُ إِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُم بِالَّتِیۡ هِیَ

أَحْسَنُ"۔(٤)

یعنی اے رسول ﷺ لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو، جو بہت اچھا ہو۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكاً هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ۔(٥)

ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چلتی ہے۔ پس اس بارے میں تجھ سے کوئی نہ جھگڑے اور تو اپنے پروردگار کی طرف بلا۔ بے شک تو سیدھے راستے پر ہے۔ اور اگر لوگ تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے کہ جو تم کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے۔

جبر واکراہ کی ممانعت:

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام ابتداء ہی سے نظریہ اور عمل، دونوں کے اعتبار سے ایک تبلیغی مذہب رہا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اس امر کی روشن مثال ہے اور آپ ﷺ خود مبلغین اسلام کے اس طویل سلسلے کے سرخیل ہیں، جنہوں نے کفار کے دلوں میں اپنے دین کے لئے راہ پیدا کی۔ اگر اسلام کے تبلیغی جوش کا ثبوت تلاش کرنا ہو تو اسے کسی جابر شخص کی ایذا رسانی یا متعصب آدمی کے غیظ وغضب میں ڈھونڈنا عبث ہے، اسی طرح مسلم مجاہد کی وہ خیالی تصویر بھی حقیقت سے بہت دور ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن دکھایا گیا ہے۔(٦) اسلام کی صحیح روح کا مظہر وہ مسلمان مبلغ اور تاجر ہیں، جنہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے دین کو روئے زمین کے ہر خطے میں پہنچایا ہے۔ تبلیغ دین کے یہ پر امن طریقے صرف اس زمانے میں ہی اختیار نہیں کیے گئے جبکہ سیاسی حالات نے جبر واکراہ کے استعمال کو ناممکن یا خلاف مصلحت بنا دیا تھا، بلکہ قرآن شریف کی بہت سی آیات میں ایسے پر امن طریقوں کی سخت تاکید آئی ہے۔

پر امن تبلیغ کی تاکید:

دین اسلام پر امن تبلیغ کا داعی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِيْ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ

مُسْلِمُونَ"۔(٧)

اہل کتاب کے ساتھ، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے، جھگڑا مت کرو مگر ایسے طریقے سے جو بہت اچھا ہو اور کہہ دو کہ ہم اس پر جو ہم پر اتارا گیا ہے اور تم پر اتارا گیا ہے، ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہمارا اللہ اور تمہارا اللہ ایک ہے، اور ہم اسی کو مانتے ہیں۔

فروغ رواداری اور قیام امن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات:

امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔''(٨)

مثالی مسلمان:

''المسلم'' اور ''المسلمون'' کے شروع میں لام تعریف کا مخصوص معنیٰ ہے، مثالی مسلمان وہ ہے، جو امن وآشتی اور اعتماد کے ماحول میں گھل مل جاتا ہے۔ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہیں پہنچتی یہاں وہ شخص مراد نہیں، جس کے شناختی کارڈ پر لکھا ہوا ہو کہ وہ مسلمان ہے، بلکہ حقیقی مسلمان اور مثالی مومن کے اوصاف زیر بحث ہیں۔

حدیث میں ''المسلم کے شروع میں لام تعریف عہد کے لیے ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی صیغہ صفت کو کسی قید کے بغیر ذکر کیا جائے تو اس صفت کا کامل ترین فرد مراد ہوتا ہے، چنانچہ جب المومن کہا جاتا ہے تو اس سے ''مومن کامل'' کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ حدیث میں مذکور ''المسلم سے بھی کامل مسلمان مراد ہے۔

مسلمان اور سلامتی:

دائرہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کے لیے ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور شہادتین کی ادائیگی ضروری ہے، جسے آیت مبارکہ ''اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّة'' اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔''(٩) نے ''سلم'' میں داخل ہونے سے تعبیر کیا ہے، یعنی وہ سلامتی کے سمندر میں اپنا بادبان کھول کر اپنی کشتی چلاتا ہے۔ ایسا شخص ہر دم ہر سو سلامتی کی مہک پھیلاتا ہے۔ لوگ اس میں صرف بھلائی پاتے اور اس سے خیر ہی کی توقع رکھتے ہیں۔(١٠)

تین حقوق: اللہ کا حق، ریاست کا حق اور دین کا حق:

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کرتے ہیں کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور سمع واطاعت کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے۔ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ لہٰذا میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور نئی نئی باتوں سے بچنا، کیونکہ وہ بدعت گمراہی ہے۔''(١١)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین حقوق کا ذکر فرمایا ہے:

اول: تقویٰ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

دوم: سننا اور اطاعت اختیار کرنا، جو حکومت چلانے والوں کا حق ہے۔

سوم: سنت کے ساتھ تعلق قائم رکھنا، جو دین کا حق ہے۔(١٢)

مسجد میں پیشاب کرنے والے بدوی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برتاؤ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

ہم مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ ایک بدوی مسجد میں آیا اور اس نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے اسے روکنا چاہا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسے نہ روکو بلکہ اسے (اپنے حال پر) چھوڑ دو۔'' چنانچہ صحابہ نے اسے کچھ نہ کہا، یہاں تک کہ وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا کر ارشاد فرمایا: ''یہ مساجد پیشاب اور گندگی کے لیے نہیں ہیں۔ یہ تو اللہ کے ذکر، نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو حکم دیا، جس نے پانی کا ایک ڈول لا کر اس پر بہا دیا۔(١٣)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیسائی وفدِ نجران کو مسجد نبوی میں ٹھہرانا اور نماز پڑھنے کی اجازت دینا:

فتح مکہ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی کو تبلیغ اسلام کے لیے نجران بھیجا مگر ان کی تبلیغی مساعی کا نجران کے نصاریٰ نے کوئی اثر قبول نہ کیا، بلکہ الٹا ان پر طرح طرح کے اعتراضات کیے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت نجران کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا۔

اس نامہ مبارک کے موصول ہونے پر اہل نجران نے ٩ ہجری میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل اپنا ایک وفد

مدینہ منورہ بھیجا۔ اس وفد میں اسقف، سید اور عاقب سمیت نجران کے بڑے بڑے معززین اور شرفا شامل تھے۔ ان لوگوں کے لیے مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں خیمے لگا دیے گئے اور انہوں نے وہیں قیام کیا، یہ لوگ غالباً اتوار کے دن مدینہ منور پہنچے تھے، جو ان کا یوم عبادت تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے طریقے پر مسجد نبوی میں نماز پڑھنی چاہی، تو صحابہ نے اعتراض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''پڑھنے دو۔'' اجازت ملنے پر انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی نماز پڑھی۔ ان لوگوں نے خاصی مدت مدینہ منورہ میں قیام کیا، اس دوران حضور ﷺ ان کو برابر حق کی طرف بلاتے رہے اور ان کے طرح طرح کے سوالوں کا جواب وحی کی رو سے دیتے رہے۔(۱۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عیسائی غلام:

سیدنا عمر فاروق کا ایک نصرانی غلام تھا، اس کا نام ''اشق'' تھا اس کا بیان ہے کہ میں حضرت عمر کا نصرانی غلام تھا، آپ نے مجھ سے کہا: مسلمان جاؤ تا کہ مسلمانوں کے بعض معاملات میں تم سے میں مدد لیا کروں، کیونکہ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ مسلمانوں کے معاملے میں ان لوگوں سے مدد لوں، جو غیر مسلم ہیں۔ لیکن میں نے انکار کر دیا، تو آپ نے فرمایا: لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۱۵) 'دین اسلام میں زبردستی نہیں۔''

اور جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو آپ نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا: تمہاری جہاں مرضی ہو، چلے جاؤ۔(۱۶)

حضرت امام حسن اور اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حضرت حجر بن عدی کی تحریک کا ساتھ نہ دینا:

تیسری صدی ہجری کے مشہور مؤرخ حضرت ابوحنیفہ دینوری حضرت امیر معاویہ اور حضرت امام حسن کے درمیان صلح ہو جانے کے بعد کے حالات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مؤرخین کا کہنا ہے کہ (صلح کے بعد) حضرت حسن بن علی کی ملاقات سب سے پہلے حجر بن عدی سے ہوئی، انہوں نے حضرت حسن کو ان کے اس فعل پر شرم دلائی اور دعوت دی کہ حضرت معاویہ سے لڑائی دوبارہ شروع کر دیں۔ اور کہا کہ: اے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! کاش کہ میں یہ واقعہ دیکھنے سے پہلے مر جاتا، تم نے ہمیں انصاف سے نکال کر ظلم میں مبتلا کر دیا، ہم جس حق پر قائم تھے، ہم نے وہ چھوڑ دیا اور جس طرح باطل سے بھاگ رہے تھے، اس میں جا گھسے، ہم نے خود ذلت اختیار کر لی اور اس پستی کو قبول کر لیا جو ہمارے لائق

نہیں تھی۔

اس کے بعد علامہ الدینوری لکھتے ہیں کہ حضرت حسن کو حضرت حجر بن عدی کی یہ بات ناگوار گزری، اورانہوں نے جواب میں اس صلح کے فوائد سے آگاہ فرمایا لیکن حضرت حجر بن عدی راضی نہ ہوئے اور حضرت حسین کے پاس پہنچے اوران سے کہا:

اے ابوعبداللہ! تم نے عزت کے بدلے ذلت خرید لی، زیادہ کو چھوڑ کر کم خرید لیا، بس آج ہماری بات مان لو پھر عمر بھر نہ ماننا، حسن کو ان کی صلح پر چھوڑ دو اور کوفہ وغیرہ کے باشندوں میں سے اپنے شیعہ (حامیوں) کو جمع کر لو اور یہ مقدمہ میرے اور میرے دوست کے سپرد کر دو، ہند کے بیٹے (حضرت معاویہ) کو ہمارا پتہ صرف اس وقت چلے گا جب ہم تلواروں سے اس کے خلاف جنگ کر رہے ہوں گے۔

لیکن حضرت امام حسین نے بھی انہیں یہی جواب دیا کہ ''انا قد بایعنا و عاھدنا، و لا سبیل الی نقض بیعتنا''، ہم بیعت کر چکے، عہد ہو چکا، اب اسے توڑنے کی کوئی سبیل نہیں۔(۱۷)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ابوحنیفہ کا حضرت زید بن علی شہید کے ساتھ عملاً جہاد میں شریک نہ ہونا:

امام ابو اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن علی شہید کے حق میں فتویٰ جہاد بھی دیا اور مالی مدد بھی کی، لیکن عملاً ان کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ مآل کے اعتبار سے آپ کا یہ فیصلہ کتنا اہم، سودمند اور اسلام کی تقویت کا باعث بنا، اس کے لیے صرف ایک لمحہ کے لیے اتنا ہی غور کر لیں تو کافی ہے کہ اگر آپ حضرت زید شہید کے ساتھ شریک جہاد ہو کر (۱۲۱ھ) میں شہید ہو جاتے، تو بعد میں جو فقہ حنفی کی تدوین ہوئی، ہزاروں فقہاء اور علماء مستفید ہوئے اور آج تک دنیا امام صاحب کے علم سے مستفید ہو رہی ہے، اس کا کیا ہوتا؟(۱۸)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت منصور حلاج کے قتل کا فتویٰ دینا:

حضرت حسین بن منصور حلاج حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں سے تھے، جب حضرت منصور نے نعرہ ''اناالحق'' بلند کیا، تو مملکت عباسیہ میں بہت حالات خراب ہو گئے، اس پر باقی علماء کی طرف سے خلیفہ وقت پر زور دیا گیا کہ حضرت منصور حلاج کو پھانسی دی جائے، جس پر خلیفہ نے کہا: کہ اگر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے قتل کا فتویٰ دیں، تو میں پھانسی چڑھا دوں گا، جس کے جواب میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسین بن منصور حلاج کے قتل کا فتویٰ دیا اور اس کے بعد حالات پرسکون ہوئے، اس بارے میں حضرت فریدالدین عطار لکھتے ہیں:

''جس دن ائمہ نے فتویٰ دیا کہ حسین کو قتل کر دینا چاہیے، حضرت جنید اس دن جامہ تصوف پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے فتویٰ لکھا کیونکہ خلیفہ کا یہ فرمان تھا کہ تحریر حضرت جنید کی ہو۔ آپ نے دستار اور جبہ پہنا اور مدرسہ پہنچے، جہاں آپ نے جواب فتویٰ لکھا ہے ''**نحن نحکم بالظاھر**'' یعنی ظاہر حال کے مطابق وہ گردن زدنی ہے اور فتویٰ ظاہر پر ہے، باطن کا حال خدا جانے۔''(١٩)

حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا پرتھوی راج کے بیٹے کو بادشاہ بنوانا:

مسلم حکمران شہاب الدین غوری نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی حکم پر جب دوبارہ پرتھوی راج کو شکست دینے کے لیے ہندوستان پر حملہ کیا، تو اس معرکہ میں پرتھوی راج قتل ہوا۔ تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے شہاب الدین کو راجہ کولہ (بیٹا پرتھوی راج) کو اجمیر کا حکم مقرر کرنے کا مشورہ دیا، جس پر شہاب الدین غوری نے ہندو راجہ کولہ کو حکم مقرر کیا، اس کی وجہ سے اجمیر میں امن و سکون قائم ہوا۔ (٢٠)

شیخ جمال الدین کا ایک جملہ جسے سن کر بادشاہ تیمور خان مسلمان ہوا:

پروفیسر تھامس آرنلڈ لکھتے ہیں:

''چند برس کے بعد ہم کاشغر کے پہلے مسلمان حکمران کا ذکر سنتے ہیں، جس نے چغتائی سلطنت کے زوال کے بعد ایک الگ مملکت قائم کی تھی۔ اس کا نام توقلق تیمور خاں (١٣٤٧ء تا ١٣٦٣ء) تھا۔ روایت ہے کہ اس نے بخارا کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ شیخ چند مسافروں کے ساتھ نادانستہ طور پر توقلق تیمور کی شکارگاہ میں داخل ہو گیا اور خان نے حکم دیا کہ اس کی مشکیں باندھ کر اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ خان نے ان سے غضبناک ہو کر پوچھا، کہ تم لوگوں نے ہمارے شکار میں خلل ڈالنے کی کیسے جرات کی، شیخ نے جواب دیا کہ ہم بالکل اجنبی ہیں اور اس بات سے مطلق آگاہ نہ تھے کہ ہم ایک ممنوعہ قطعہ زمین میں داخل ہو رہے ہیں۔ جب خان کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں تو اس نے کہا: کہ ایک ایرانی سے تو ایک کتا بھی بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا: کہ ''ہاں سچ ہے، اگر ہم دین برحق پر نہ ہوتے تو اس صورت میں ہم یقیناً کتوں سے بھی بدتر تھے۔'' شیخ کے اس جواب سے خان بہت متاثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جب ہم شکار

سے واپس آئیں تو اس جرات مند ایرانی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے۔ چنانچہ خان نے شیخ کو الگ لے جا کر پوچھا کہ ''دین برحق'' کیا چیز ہے اور اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ یہ سن کر شیخ نے اسلام کے عقائد ایسی سرگرم جوشی اور ایسے دینی ولولے سے بیان کیے کہ خان کا دل، جو پہلے پتھر کی طرح سخت تھا، موم کی مانند پگھل گیا۔ پھر شیخ نے حالتِ کفر کا ایسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا کہ خان کو اپنے بے بصیرت اور گمراہ ہونے کا یقین ہو گیا۔ لیکن اس نے کہا کہ 'اگر میں اسی وقت دین اسلام کا اظہار کروں تو میں اپنی رعایا کو راہ راست پر نہ لاسکوں گا۔ لہٰذا تم کچھ عرصے کے لیے صبر و تحمل سے کام لو۔ جب میں اپنے باپ دادا کی سلطنت کا مالک بنوں گا تو اس وقت تم میرے پاس پھر آنا'۔''

اس زمانے میں چغتائی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور کئی برسوں کے بعد تو قلق تیمور تمام سلطنت کو جمع کرنے اور اس پر اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس اثناء میں شیخ جمال الدین اپنے ملک کو واپس جا چکا تھا۔ وطن پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گیا اور جب اس کی موت کا وقت قریب آیا، تو اس نے اپنے بیٹے رشید الدین کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تو قلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ بننے والا ہے۔ اس وقت اس کے پاس ضرور جانا اور اس کو میرا سلام پہنچانا اور اسے بے خوف وخطرہ وہ وعدہ یاد دلانا، جو اس نے مجھ سے کیا تھا۔ چند سال کے بعد جب تو قلق تیمور اپنے باپ دادا کا تخت وتاج حاصل کر چکا تو رشید الدین خان مذکور کر کے لشکر میں جا پہنچا تا کہ اپنے والد کی وصیت پوری کرے لیکن باوجود اپنی تمام کوششوں کے وہ خان کے دربار میں باریاب نہ ہو سکا۔ آخر کار مجبور ہو کر اس نے یہ تدبیر کی ایک دن علی الصبح اس نے خان کے خیمے کے پاس اذان کہنی شروع کر دی۔ جب اس طرح تو قلق خان کی نیند خراب ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا، اور رشید الدین نے حاضر ہو کر اپنے باپ کا پیغام پہنچایا۔

تو قلق تیمور کو اپنا وعدہ فراموش نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ جب سے میں تخت پر بیٹھا ہوں، جو وعدہ میں نے کیا تھا وہ میرے ذہن میں تھا لیکن جس شخص سے میں نے کیا تھا وہ پھر کبھی نہ آیا۔ بہر حال اب میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔'' اس کے بعد تو قلق خان نے کلمہ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہوا اور بقول ابو الغازی ''اس صبح کو آفتاب اقبال نے توفیق الٰہی کے افق سے طلوع کیا اور کفر کی تاریک رات کافور ہو گئی، اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ تبلیغ اسلام کے لیے مغل شہزادوں سے فرداً فرداً گفتگو کرنی چاہیے۔ جو لوگ اسلام قبول کریں تو یہ بات ان کے حق میں اچھی ہو گی مگر جو لوگ انکار کریں، ان کو کافر اور بت پرست سمجھ کر قتل کر دینا

چاہیے۔

جس شخص کا سب سے پہلے اظہار لیا گیا وہ میر تولک تھا۔ خان نے اس سے پوچھا ''کیا تم اسلام قبول کرو گے؟ اس پر وہ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ ''تین سال ہوئے جب کاشغر کے چند مقدس آدمیوں نے میرے سامنے اسلام کی تبلیغ کی تھی اور میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن تمہارے خوف سے میں نے اس کا اعلان نہیں کیا۔'' پھر تو قلق خان اٹھا اور اس کو گلے لگا لیا اور پھر تینوں اکٹھے بیٹھ گئے۔ اس طرح سے انہوں نے شہزادوں سے یکے بعد دیگرے گفتگو کی اور ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔(۲۱)

حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا سکھ تالاب گولڈن ٹمپل امرتسر کا سنگ بنیاد رکھنا:

حضرت میاں میر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی معاصر گُرو سے دوستی تھی اور سکھ روایات کے مطابق امرتسر کے مشہور تالاب کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر سے رکھوایا گیا۔(۲۲)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رواداری سے متعلق تعلیمات:

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس لکھتے ہیں:

''آپ تمام ائمہ کی جلالت شان کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حتی الامکان اقوال مجتہدین کو جمع کرنے کی پوری کوشش کرتے تا کہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو جائے۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خواجہ بدرالدین سرہندی لکھتے ہیں: ''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصے تک پشمینے کے ایک مصلیٰ پر نماز ادا فرماتے رہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں پشمینے پر سجدہ مکروہ ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ جمع مذہب کا تھا، تو آپ نے سجدے کی جگہ ٹاٹ کا ایک ٹکڑا سی لیا۔''(۲۳)

نماز کی امامت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ خود کرواتے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

''آپ نے فرمایا: شافعیہ اور مالکیہ اس مذہب پر ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز درست نہیں، لہٰذا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور احادیث صحیحہ اس بھی بات پر دلالت کرتی ہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اور جمہور فقہائے احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔''(۲۴)

آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دو یا تین حصہ حق ہے اور تہائی یا چوتھائی حق امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے حق آگے نہیں گیا۔ (٢٥)

فروعی مسائل میں راہ اعتدال:

فروعی مسائل میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اعتدال کی راہ اپنائی۔ حنفی المسلک ہونے کے باوجود تمام آئمہ کی جلالت شان کے قائل تھے اور ان سے محبت کا دم بھرتے تھے۔ صاحبزادگان کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''باوجودیکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے گویا ذاتی محبت ہے، ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ یہ وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔''(٢٦)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہبی رواداری سے متعلق نقطہ نظر:

شاہ ولی اللہ نے ان مسائل پر جن کی وجہ سے شیعہ سنی اختلافات پیدا ہوئے۔ کئی سیر حاصل کتابیں لکھیں۔ ازالۃ الخفا میں انہوں نے بالتفصیل مختلف خلفاء کے خصائل اور ان کے حق خلافت پر تبصرہ کیا اور اپنی رائے یہ ظاہر کی، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قطعی اشاروں کے مطابق خلفاء کی ترتیب وہی ہونی چاہیے تھی جو فی الواقع ہوئی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل گننے میں آپ کسی شیعہ سے پیچھے نہیں رہے بلکہ فیوض الحرمین میں کہتے ہیں: میری طبیعت اور میرے فکر کو جب اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیں اور دونوں کو حضرت سے شدید محبت ہے، اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ تفضیل شیخین (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت) کے معاملے میں اولیت کا عقیدہ ایک ایسی چیز ہے کہ میرے ذاتی میلانات کے خلاف مجھے اس کے ماننے کا حکم ہوا۔ افسوس ہے کہ مجھ میں اس طرح کی متناقض اور متضاد باتیں ہیں، لیکن مجھ میں جو شدید جامعیت یعنی تمام باتوں کو دھیان میں رکھنے کی خاصیت ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ (٢٧)

پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہبی اختلافات ختم کرنے کے لیے راہ اعتدال اپنانے کی تلقین:

آپ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو اعتدال اور میانہ روی ہر کام میں پسند ہے اور یہ صراط مستقیم ہے، جس کی درخواست کے لیے ہم مامور ہیں، غلو اور تجاوز، گو دین ہی میں ہو، موجب ضلالت وغضب

الٰہی ہے، بہت سے ایسے کام ہیں، جو فی ذاتہ صحیح بلکہ منجملہ اسباب کمال ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں، باوجود اس کے بوجہ غلو حد سے بڑھ جانے کے بدطینت اور فاسد الرائے انسان انہی امور صحیحہ سے نتائج فاسدہ استنباط کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ ایسے نتائج کو شیاطین معنویہ سے تعبیر فرماتے ہیں، مثلاً جب اہل بیت بشہادت قرآن وحدیث وقرار داد اہل اللہ کمال ایمان کا موجب ہے بلکہ بلحاظ اصول عین ایمان سمجھا گیا ہے۔ اس اصل صحیح میں غلو کرنے والے دو فرقے ہوئے، ایک فریق نے بغض وسب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ لے لیا۔ کہ انہوں نے بعد آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (بخیال ان کے) اہل بیت کا منصب اور حق غصب کر لیا ہے۔ دوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور سول اور جبرائیل تک کے گستاخ ہوئے، بدیں خیال کہ رتبہ اہل بیت اور صحابہ سے تقدم پر نص کیوں نہیں وارد ہوئی۔ یہ سب اسی اصل صحیح حب اہل بیت میں غلو کے نتائج فاسدہ ہیں۔ ایسے ہی اللہ کے نیک بندوں کی محبت خدا کے قرب کے ذرائع سے ہے۔ اس کے باوجود اگر حد سے بڑھ جائے یعنی انہیں نیک بندوں کو معبود بنا لیا جائے۔ یا ان کو مستقل طور پر تصرف کرنے والے سمجھ لیا جائے۔ یا اس طرح تصرف شریک سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شرکت کے بغیر جہان کا انتظام نہیں چلا سکتے اور ان کی بات ماننے پر مجبور ہوتے ہیں، تو یہی محبت موجب شرک ہو جائے گی اور وہی محبت مشرک اور ناقابل مغفرت ہو جائے گی۔ لہٰذا حب اہل بیت و مقبولان خدا صاحب اعتدال اور صراط مستقیم پر قائم رہنے والوں کے لیے، تو مفید موجب کمال ہوئی، لیکن افراط و تفریط کرنے والے دونوں فریق منجملہ گمراہوں کے ہوئے۔ (۲۸)

قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اور تعامل صوفیہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ دین میں کوئی جبر نہیں اور ایک مسلمان سلامتی کا علمبردار اور قیام امن کا داعی ہوتا ہے۔ مسلمان کو علم دین کے مطابق کردار اور عمل کے لیے روحانی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، صوفیہ نے روحانیت کے ذریعہ فروغ رواداری اور قیامِ امن کے لیے ہر دور میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی ملک پاکستان اور دنیا میں فروغ رواداری اور قیام امن کے لیے صوفیہ کی تعلیمات اور کردار کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

۱۔ بقرہ:۲٦۸

۲۔ آرنلڈ، تھامس، پروفیسر The preaching of Islam (دعوت اسلام، مترجم شیخ عنایت اللہ)، لاہور: محکمہ مذہبی امور اوقاف پنجاب، طبع دوم، ۲۰۰۴ء

۳۔ ایضاً

۴۔ النحل:۱۲۵

۵ توبہ:٦

٦ پرنس کیتانی، تاریخ اسلام، اورینٹل پبلی کیشنز، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ۲/۱/۸۳۱۔۸٦۱

۸۔ العنکبوت:٤٦

۹۔ دعوت اسلام، ص:۲۵۔۳۰

۱۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، رقم الحدیث: ۱۰، ص:۱٦

۱۱ بقرہ:۲۰۸

۱۲۔ گولن، فتح اللہ، محمد، نور سرمدی فخر انسانیت محمد ﷺ، مترجم: محمد اسلام، اسلام آباد: ہارمنی پبلی کیشنز، طبع دوم، ۲۰۱۴ء، ص:۲۳۸۔۲۴۰

۱۳۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ ابوعیسیٰ، السنن، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء رقم الحدیث:۲٦۷٦، ص:۱۰۴۱

۱۴۔ مسلم، ابن حجاج، قشیری، الجامع الصحیح، کتاب الطھارۃ، باب: وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات اذا حصلت فی المسجد، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، رقم:۲۵۸، ص:۱۳۳

۱۵۔ طالب الہاشمی، وفودِ عرب بارگاہ نبوی ﷺ میں، لاہور: طہٰ پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۱٦۹۔۱۷۰

۱٦۔ بقرہ:۲۵٦

۱۷۔ محمد علی، صلابی، الفاروق عمر بن الخطاب: شخصیتہ وعمرہ (مترجم)، مظفر گڑھ: مکتبہ الفرقان، س ن، ص:۱۸۴

۱۸۔ دینوری، ابوحنیفہ، الاخبار الطوال، مصر: ادارہ العامہ للثقافۃ، ص:۲۲۰

۱۹۔ مناظر احسن، سید گیلانی، حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۲۴۔۱۲۵

۲۰۔ عطار، فرید الدین، حسین بن منصور حلاج، مترجم: عبدالحمید یزدانی، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۵

۲۱۔ فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مترجم: فدا علی طالب، لاہور: مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۲ء، ۱/۱۵۷

۲۲۔ دعوت اسلام، ص: ۲۶۳۔۲۶۴

۲۳۔ محمد اکرم، شیخ، رودِکوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع سوم، ۲۰۱۵ء، ص: ۳۲۱

۲۴۔ سرہندی، خواجہ بدرالدین، حضرات القدس، (اردو)، سالک صوفی، لاہور: بک ہوم، ، ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء، ص: ۴۳۲

۲۵۔ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، کراچی: ادارہ مجددیہ، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۹۷۔۱۹۸

۲۶۔ شمس، محمد ہمایوں عباس، ڈاکٹر، حضرت مجدد الف ثانی کی علمی و دینی خدمات، لاہور: پروگریسو بکس، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۰۴۔۱۰۵

۲۷۔ مجدد الف ثانی، شیخ احمد، سرہندی، مکتوبات، دفتر ۲، مکتوب: ۵۵، لاہور: پروگریسو بکس، طبع دوم، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۰۴۔۱۰۵

۲۸۔ رودِکوثر، ص: ۵۷۵۔۵۷۶

۲۹۔ مہر علی شاہ، پیر سید، تصفیہ مابین سنی وشیعہ، لاہور: پرنٹنگ پروفیشنلز، طبع سوم، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء، ص: ۹۱

◆◆◆

قیامِ امن میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار

Khawaja Moeen-u-Deen's (R.A.) Role in the Establishment of Peace

Muhammad Fareed Ahmad

Lecturer, Department of Urdu,

Municipal Degree College, Faisalabad

Abstract

This article discusses the way of teachings Khawaja Moeen-u-Deen Chisti Ajmare (Rahmatullah Elay) for the promotion of peace. His humility, good conduct, concept of brotherhood and dignity of human beings irrespective of cast and religion were those striking qualities which made him a dignified personality to attract people towards Islam.

His teachings of love and affection without religious distinction in favour of the crushed people against the cruel and barbarous rulers of that time caused harmony and peace in the related regions.

Key Words: Khawaja Moeen-u-Deen Chishti, Peace, Religious Distinction

دنیا کا ہر مہذب معاشرہ نہ صرف قیامِ امن کا خواہاں ہے بلکہ تا بمقدور قوانین اور عملی ذرائع بروئے کار لا کر اس کی بحالی کے لیے بھی مصروفِ عمل ہے۔ امن کا ماحول انفرادی اور اجتماعی سطح پر افراد اور معاشروں کی

بنیادی ضرورت ہے کیونکہ ترقی اور خوشحالی کا خواب امن کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ غار کے دور کے انسان سے لے کر زمین و آسمان پر ٹیکنالوجی کی بدولت کمندیں ڈالنے والا آج کے دور کا انسان بھی قیام امن کے لیے اپنی بساط کے مطابق کوشاں ہے۔ قیامِ امن کے حصول کے لیے جہاں عمدہ قوانین کے اجراء اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے وہیں اس کی بحالی کے لیے کسی معاشرے کے افراد کی اخلاقی ومعاشرتی تعلیم وتربیت بھی از حد ضروری خیال کی جاتی ہے۔ بعض اوقات مؤخر الذکر اقدام کی افادیت واہمیت بااثر اور دیرپا ثابت ہوئی ہے۔ صوفیا کرام بھی تاحیات اس اصول پر کارفرما رہے۔

قیام امن کی ضرورت واہمیت فرشتوں کے ان خدشات سے بھی مترشح ہے جس کا اظہار انہوں نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت خدا کے حضور یوں کیا:

"قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ"(١)

"انہوں نے کہا تو زمین میں (خلیفہ) اس کو مقرر کرے گا جو فساد برپا کرے گا اور اس میں خونریزیاں پیدا کرے گا۔"

خدا تعالیٰ کا فرشتوں کو جواب:

"قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ"(٢)

کہ "یقیناً جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے"

جہاں تخلیق آدم علیہ السلام خدا کی ہزار ہا مصلحتوں کا غماز ہے وہیں فرشتوں کے لیے ان کے خدشات کا یہ جواب بھی ہے کہ اس کے برگزیدہ بندے زمین پر امن وآشتی کا باعث بھی ہوں گے۔

قرآن مجید اور متعدد احادیث مبارکہ میں ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید بھی ہے جو انسانیت پر ظلم وستم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔

"وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ"(٣)

"اور جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

قیام امن کے سلسلہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات، اقوال اور مشرکین کے ساتھ متعدد معاہدات اس حوالہ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ پہلا دستوری معاہدہ "میثاق مدینہ" یہاں کے باشندوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کے تناظر میں تحریر کرایا گیا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اس معاہدے کی اہمیت اور چند اہم نکات کو "سیرت النبی ﷺ" میں یوں تحریر کرتے ہیں:

''جب آنحضرت مدینہ تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں، آپ ﷺ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریقوں نے منظور کیا اور یہ معاہدہ ''ابن ہشام'' میں پورا مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے:

٣۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

٤۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یدگر ہوں گے۔''(٤)

خدا کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد دین اسلام کی آبیاری اور اشاعت کے سلسلہ میں صوفیائے کرام کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ انہوں نے انسان دوستی، رواداری، ملنساری، خوش مزاجی، کشادہ دلی اور بلاتفریق رنگ و مذہب جس طرح لوگوں کے دلوں کو تسخیر کیا ہے، پوری دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ لوگوں میں گھل مل جاتے اور ان کی پریشانیوں، مصیبتوں اور محرومیوں کو دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتے۔ ان سے اپنائیت اور محبت کی بدولت ہر مذہب کے لوگ ان کے گرد جمع ہوتے اور ان کی تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتے۔ علماء اور اُمرا کے برعکس وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق ''اردو کی نشوونما میں صوفیہ کرام کا کام'' میں صوفیہ کرام کی ایسی ہی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہیں:

''علما و امرا بلکہ حکومتوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں۔ بادشاہوں کا دربار خاص ہوتا ہے اور فقیر کا دربار عام ہے جہاں بڑے چھوٹے، امیر غریب، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے۔ لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے۔''(٥)

اپنی مخلصانہ، ہمدردانہ اور مشفقانہ کاوشوں اور طرزِ عمل کے ذریعہ سے جن صوفیائے کرام نے ہندوستان اور اس کے گردونواح میں اسلام کو عالمگیر دین کے طور پر امن کی علامت کے طور پر پیش کیا ان صوفیائے کرام کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صوفیا کرام کی کثیر تعداد میں فروغِ اسلام کے سلسلہ میں نام خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ آپ کی تربیت، حسنِ اخلاق، رواداری، پیغامِ مساوات اور غریب نوازی کے ذریعہ سے نہ صرف دین اسلام کو ترقی اور توسیع حاصل ہوئی بلکہ متعلقہ خطہ جات بالخصوص ہندوستان کے طول و عرض میں امن و آشتی کو بھی فروغ ملا۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ سنجر (ایران) میں ۵۳۶ھ/ ۱۱۴۳ء ۱۴ رجب المرجب کو مشائخ کبار خواجہ غیاث الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۶/ رجب المرجب ۶۲۷ھ بمطابق ۱۱۲۹ء میں وصال فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ام الورع ہے۔ پندرہ سال کی عمر تک آپ کے والدین آپ کو داغِ مفارقت دے کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی پیدائش کے وقت خراسان میں فتنہ و فساد، خون ریزی اور ظلم و ستم اس قدر بڑھا کہ کسی کی جان اور عزت محفوظ نہ رہی۔ والدین کی وفات کے وقت آپ کے حصہ میں ایک باغ اور پن چکی آئی جسے ایک مجذوب شیخ ابراہیم قندوزی سے ملاقات کے بعد تیسرے ہی دن فروخت کر دیا۔ بغداد تشریف لائے اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہنے کے بعد قصبہ ہارون میں حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی اور ان سے تعلیم و تربیت کا فیضان جاری رہا۔ مختلف ممالک کا سفر طے کرتے ہوئے اولیائے کرام سے فیض حاصل کرتے رہے اور آخر کار ہندوستان تشریف لائے جہاں سب سے پہلے پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ آپ شاعری سے بھی لگاؤ رکھتے تھے۔ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حضور آپ نے ایک شعر بھی کہا جو ۱۰ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی عوام کے دلوں پر نقش ہے:

گنج بخشِ فیض عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

سید علی ہجویری کے مزارِ اقدس پر چلہ کشی کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ اجمیر کی طرف روانہ ہوئے جہاں اس وقت پرتھوی راج چوہان برسرِ اقتدار تھا جو شہاب الدین غوری کو ایک بار پیچھے ہٹنے پر مجبور کر چکا تھا۔

صوفیائے کرام اور والدین کی تربیت کا اثر تھا کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اوائل عمری سے ہی دوسروں کی تکالیف، مصیبتوں اور مظالم کو دیکھ کر آزردہ ہو جاتے تھے۔ آپ جنوبی ایران کے علاقہ سیستان میں پیدا ہوئے جہاں پُرآشوب حالات نے تاتاریوں کے حملے کے بعد خراسان اور سیستان کو تاراج کر دیا تھا۔ تاتاریوں کے گروہ ''غز'' نے سلجوقی خاندان کے حکمران سلطان سنجر کو شکست دی اور وہ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ عبادت گزار اور صاحب ثروت والد آپ کو سیستان سے خراسان لے گئے مگر حالات وہاں بھی بہتر نہ ہوئے۔ ''خراسان'' اور ''طوس'' کو اس طرح لوٹا گیا کہ یہاں کا کوئی حامی اور نگران باقی نہ رہا۔ خواتین کی عصمت دری ہوئی اور انہیں لڑکوں کے ساتھ باندی اور غلام بنا لیا گیا۔ مساجد منہدم کر دی گئیں اور

یہاں پناہ لینے والوں کو بے رحمی سے شہید کر دیا گیا یہاں تک کہ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی۔ لوگوں پر ظلم وستم اور بہیمانہ سلوک پر آپ افسردہ رہتے کیونکہ آپ کو مخلوقِ خدا سے بہت انس تھا۔ ان حالات پر کڑھتے ہوئے آپ نے اپنے والد گرامی سے سوال پوچھا:

''بابائے محترم! خونِ مسلم کی یہ ارزانی کب تک رہے گی؟''

نوعمر فرزند کا یہ سوال سن کر حضرت خواجہ غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ رونے لگتے۔ بیٹے یہ شرر بار موسم اور یہ خونی ہوائیں اہلِ ایمان کے لیے آزمائش ہیں۔ تمہیں صبر کرنا ہی پڑے گا۔''(۶)

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو غریبوں، محتاجوں اور بے آسرا لوگوں سے بے انتہا انس تھا۔ یہ لگاؤ انہیں بچپن سے ہی تھا۔ ایک بار عید کے روز آپ نے کسی بچے کو پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو اپنے نئے کپڑے اسے پہنا دیے اور اس کے پرانے اور میلے کپڑے خود پہن لیے۔ اس کے ساتھ عید کی نماز پڑھی اور دلی خوشی اور سکون محسوس کیا۔ وراثت میں ملنے والی پن چکی اور کھجوروں کے باغ کو بیچ کر رقم غربا اور ناداروں میں تقسیم کر دی۔

''جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا حیرانی اور دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب نے اس واقعہ کے تیسرے روز اپنی تمام املاک فروخت کر کے قیمت فی سبیل اللہ تقسیم کر دی۔ معمولی اور ضروری سامان سفر تیار کر کے دوست واحباب، عزیز واقارب کی محبت بالائے طاق رکھ کر وطن عزیز کو خیرباد کہہ دیا۔''(۷)

صوفیائے کرام کے کسی قول اور عمل سے کسی کو اذیت اور نقصان تو دور کی بات وہ تو خود مخلوقِ خدا پر رکھے جانے والے ناروا سلوک اور ظلم وتشدد کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے۔ وہ ظالم کے دربار میں کلمہ حق کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے چاہے جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب افغانستان کے شہر سبزوار میں مقیم ہوئے تو مقامی لوگوں نے وہاں کے گورنر یادگار محمد کے رعایا پر ظلم وستم کا ذکر آپ کے سامنے کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ بہت سے لوگ اس کے ظلم وتشدد سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ شہر والے اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کی درد بھری صدائیں سن کر فوراً یادگار محمد کے دربار پہنچ گئے۔ دربان نے جا کر بتایا تو یادگار محمد گورنر کے دربار میں پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ وہ روٹی یا کپڑے کی خیرات لینے نہیں آئے بلکہ اس لیے آئے ہیں اور آج موت نے انہیں خاک میں ملا دیا ہے۔ خواجہ

معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جلال اور رعب گورنر پر اس پر قدر طاری ہوا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہ سکا۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی غزل کا یہ شعر گورنر کے دربار میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی اور جرأت مندی کی ترجمانی کرتا ہے:

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی!(۸)

خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ کہہ کر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد پھر مظلوموں نے اپنی آنکھوں سے گورنر یادگار محمد کو دیکھا کہ وہ شرمندہ اور عاجز ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کے حضور معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی وہ کسی پر ظلم وستم نہیں کرے گا۔ آپ نے گورنر یادگار محمد کے لیے دعا فرمائی اور اس کے لائے ہوئے تحائف اور نذرانوں کو اپنے لیے قبول نہیں فرمایا بلکہ وہ محتاجوں اور غربا میں تقسیم فرما دیے۔ گورنر یادگار محمد جب تک زندہ رہا سبزوار کی عوام کے لیے فلاح و بہبود اور امن وآشتی کا باعث رہا۔

صوفیہ کرام نے جس جگہ بھی سکونت اختیار کی وہاں کی تہذیب پر بھی انمٹ اثرات مرتسم کیے۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں صوفیا کرام نے تبلیغ کے سلسلہ میں اخوت، رواداری، فیاضی، حسن سلوک، شفقت، درگزر اور سادگی و پاکیزگی کا ایسا باعمل نمونہ پیش کیا کہ صدیوں پر محیط طرزِ کہن اور طرزِ حیات نے مہذبانہ لبادہ اوڑھ لیا۔ کسی علاقے کی قدیم تہذیب اس وقت تبدیلی کے مراحل سے گزرتی ہے جب سابقہ طریقوں سے بہتر قوانین اور طرزِ عمل لوگوں کی سوچ اور خیالات کو عملی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے روشن خیالی والے جو رہنما اصول لوگوں کے سامنے پیش کیے وہ نہ صرف امنِ عامہ میں معاون ثابت ہوئے بلکہ وہاں کی تہذیب وتمدن کا بھی مستقل حصہ بن گئے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اور آپ کے مریدین نے ایران، افغانستان اور ہندوستان میں ترویج اسلام کے لیے اس قدر اعلیٰ اخلاق اور رواداری کا مظاہرہ کیا کہ وہاں کی قدیم تہذیب اور طور طریقے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور مسلم تہذیب وثقافت نے وہاں اپنی جڑیں مضبوط کرلیں۔ عبدالمجید سالک مسلم ''تہذیب ہندوستان میں'' میں کچھ ایسے ہی خیالات کو پیش کرتے ہیں:

''ہندوستان کے مختلف گوشوں میں دس گیارہ صدیوں تک ہزارہا صوفیہ اور مبلغین نے کام کیا ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں کا فکری جمود ٹوٹ گیا۔ جاہلانہ ضعیف الاعتقادی، اوہام

پرستی، ذات پات کے امتیاز، چھوت چھات، شرک و انکار کی گھٹائیں جو صدیوں سے اس بدنصیب ملک پر چھائی ہوئی تھیں، چھٹ گئیں اور شرفِ انسانیت کا سورج طلوع ہوا۔ عقیدہ توحید اور مساواتِ انسانی کی مقبولیت عامہ کے باعث ہندوؤں کے مذاہب کی بنیادیں ہل گئیں۔۔۔ تلقین اخلاق، تصوف اور تبلیغ اسلام میں خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام غالباً ہندوستان بھر کے اولیا میں زیادہ مشہور ہے۔''(٩)

صوفیا کرام نے اپنے حسن اخلاق اور بھائی چارے کے تصور سے ہندوستان اور گردونواح کی تہذیب وثقافت پر دیرپا اثرات اس طرح مرتب کیے کہ امن، امدادِ باہمی اور رواداری متعلقہ معاشرے کی اخلاقیات کا حصہ بن گئی۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر حسنِ خلق کے ثقافت پر اثرات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''صوفیا کا مسلک محبت واحسان اور تزکیۂ نفس ہے۔ وہ پہلے خود تزکیۂ نفس کر کے دوسروں کے لیے رحمت بنتے، پھر دوسروں کو محبت کا درس دیتے اور ان کے دلوں کا تصفیہ اور تزکیہ کرتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ ان کی محبت واحسان میں ہی ان کی مقبولیت کا راز مضمر ہے اور ان دو چیزوں کے ذریعہ سے ہی وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتے رہے ہیں۔ نیز انہوں نے اپنے اس مسلک ہی کے طفیل اسلام کی عالمگیر اشاعت اور ثقافت اسلامی کی تزئین وتحسین اور ترویج وارتقا میں اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔''(١٠)

حاجت مندوں کی حاجت روائی، ضرورت مندوں کی عقدہ کشائی اور بھوکوں کو پیٹ بھر روٹی کی دستیابی جیسے کام بھی کسی علاقے میں امن کی بحالی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ دوسرے عظیم صوفیا کرام کی طرح خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخوان بھی ہر ایک کے لیے بلا امتیاز رنگ ونسل ہمیشہ کشادہ رہا۔ آپ کے دسترخوان پر آنے والوں کو مہمانوں کی طرح عزت اور وقار کے ساتھ کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ اوّل تو آپ کسی امیر زادے، وزیر یا عہدے دار سے نذرانہ قبول نہ فرماتے۔ اگر کر لیتے تو انہیں فوراً غربا، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے۔ زیادہ تر وہ اپنے لنگر خانے پر آنے والوں کی ضروریات کو خود پورا کرتے اور اس کام کے لیے آپ نے باقاعدہ اپنے خاص مریدین اس خدمت پر معمور کیے تھے۔ اس کام کے لیے جس قدر قیمت درکار ہوتی آپ کا ایک خاص مرید آپ کی جائے نماز کا ایک کونا اٹھاتا اور خدا کی طرف سے عطا کردہ لامحدود خزانوں میں سے ضرورت کے مطابق اٹھا لیتا۔ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اپنے دسترخوانوں پر آنے والے محتاجوں، غریبوں اور حاجت مندوں سے اس قدر اعلیٰ ظرفی اور انکسار کے ساتھ پیش

آتے کہ آپ کے اخلاق کی عظمت کو دیکھ کر آنے والے لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد علیہ بن کر دوسروں کے لیے رشد و ہدایت اور امن وسلامتی کا ذریعہ بن جاتے۔ طالب ہاشمی اپنی تصنیف ''تذکرہ خواجہ خواجگان سرکار غریب نواز حضرت خواجہ اجمیری'' میں رقم طراز ہیں:

> ''حضرت خواجہ معین الدین چشتی (رحمۃ اللہ علیہ) غربا اور مساکین کے لیے سراسر رحمت و شفقت کا مجسمہ تھے۔ غریبوں سے محبت فرماتے اور ان کی ضروریات پورا کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو بھی آپ ہمیشہ نصیحت کرتے کہ درویشوں اور غریبوں سے محبت رکھو۔ جو اِن کو دوست رکھتا ہے، اللہ اس کو دوست رکھتا ہے۔ غریبوں پر بے مثال شفقت کی وجہ سے آپ تاریخ میں غریب نواز کے معزز اور مؤقر لقب سے مشہور ہوئے۔''(١١)

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں ایک معتبر اور معروف نام آپ کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جن کو آپ نے دہلی اور گردونواح کے لوگوں کی اصلاح اور تعلیم وتربیت پر معمور فرمایا تھا۔ مرشد گرامی کا یہ فیضان تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی سخاوت، میانہ روی، عدل و انصاف، مساوات کے ساتھ غریبوں اور محتاجوں کی دستگیری کے دل وجان سے قائل تھے۔ آپ کی محفل میں شریک ہونے والے لوگ متعدد مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ قطب الدین ایبک کے جانشین سلطان شمس الدین التمش بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں شامل تھا اور پوری زندگی آپ کے عقیدت مندوں میں رہا اور مخلوق خدا کے امن اور اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔ سلطان شمس الدین التمش وسیع سلطنت کا بااختیار حکمران تھا۔ اسی لیے اس کے دورِ حکومت میں دین اسلام کو بہت زیادہ تقویت اور فروغ ملا۔ التمش کو اپنے مرشد گرامی خواجہ بختیار کا کی سے از حد لگاؤ تھا اور وہ صوفیائے کرام کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ چند بزرگوں کے ساتھ کھڑے تھے کہ ایک نوجوان آپ کو دیکھ کر گھوڑے سے اترا، احترام اور عقیدت سے آپ کے پاس کچھ دیر کھڑا رہا۔ جب جانے لگا تو آپ نے پاس موجود لوگوں سے کہا کہ ایک دن ہندوستان کا تخت وتاج اس نوجوان کا مقدر بنے گا۔ پھر چشمِ عالم نے وہ پیش گوئی سچ ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ قطب الدین ایبک نے اپنی بیٹی کی شادی شمس الدین التمش سے کردی اور قطب الدین ایبک کے بعد ہندوستان کا تخت وتاج اس کے حصے میں آیا۔ ڈاکٹر حبیب اللہ التمش

کے دورِ حکومت کی کامیابی اور صوفیائے کرام سے عقیدت کے حوالہ سے رقم طراز ہے:

"His was a remarkably successful reign. He took up Abik's unfinished work and against heavy odds and on imperfect foundation, built up a state whose sovereignty required great diplomatic skill to preserve......Ferishta has recorded many instances of his being fond of and admires of Suifs. He had the privilege of the company of Khwaja Qutab-ud-Din Bakhtiar Kaki and Sheikh Bahauddin Zikriya Multani, also."(12)

صوفیائے کرام نے اپنے منفرد طرزِ حیات اور عمل کے ذریعہ سے ایسی اعلیٰ اخلاقی اقدار متعارف کروائیں جو ہر حوالہ سے معاشرے میں رواداری اور امن واستحکام کا موجب قرار پائیں۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے لاکھوں عقیدت مند تاعمر اسی محبت والفت اور یگانگت والی شاہراہ پر گامزن رہے جس کی بنیادیں خود آپ نے مستحکم فرمادی تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کے مرید بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے پرچار میں مصروفِ عمل رہے۔ آپ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی میں اور آپ کی شاعری میں ملنساری، خوش اخلاقی، رواداری، عاجزی اور انسان دوستی کے ساتھ امن اور محبت کا جاوداں پیغام ہر ایک کے لیے موجود ہے۔ آپ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض یاب ہوئے۔ محمد شاہد ''اولیاء اللہ'' میں بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی اور انکساری سے متعلق ایک واقعہ کا حوالہ دیتے ہیں:

''حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں بغیر کسی امتیازی شان یا نشست کے تشریف فرماتے۔ ایک دفعہ لنگر کے وقت کھانا تقسیم ہوا اور ایک رکابی (پلیٹ) میں دو دو افراد کھانا کھانے لگے۔ دفعتاً بابا فرید کی نظر ایک مفلوک الحال شخص پر پڑی جو بوسیدہ لباس پہنے اکیلے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کے ساتھ جا کر شریک تناول ہوئے۔ آپ نے افراتفری اور سیاسی، سماجی، اخلاقی اور معاشرتی بدنظمی اور ابتری سے دوچار معاشرے کو عدل وانصاف، حلال وحرام اور جائز وناجائز کا فرق بتایا۔ انسانی وحدت اور مساوات کا درس دیا۔''(۱۴)

خوش خلقی اور مساویانہ طرزِ عمل کے ذریعے صوفیانہ کرام نے ان لوگوں کے دل بھی جیت لیے جو اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض اوقات جب رواداری اور خوش خلقی سے بھی خودسر لوگ نہ قائل ہوئے تو کرامات کے ذریعے سے بھی اولیا اللہ نے بندگانِ خدا کو ظالم حکمرانوں سے نجات دلائی ہے۔ ان کی ایسی کاوشیں انجام کار، سازگار اور خوشگوار ماحول پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب اجمیر تشریف لائے تو پرتھوی راج چوہان برسر اقتدار تھا اور لوگوں پر اپنی مرضی کے فیصلے لاگو کرنے کا عادی تھا۔ اس نے آپ کے ایک عقیدت مند کی انگلی اس لیے کاٹ دی کہ عقیدت مند نے راجہ کے استعمال میں آنے والے دودھ کو ایک بڑھیا سے لے کر انگلی لگا کر دیکھا تھا کہ خالص ہو تو وہ بھی بڑھیا سے خرید لیا کریں۔ جب عقیدت مند آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ کے استفسار پر روشن علی نے پرتھوی راج چوہان کے انگلی کاٹ دینے کا واقعہ سنایا۔ آپ نے جلال کے عالم میں اسی وقت کہا کہ ''ہم نے پتھورا کو زندہ پکڑ کر دے دیا۔ اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد شہاب الدین غوری اجمیر پر حملہ آور ہوا اور پتھورا کو بھاگتے ہوئے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس واقعہ سے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

> ''ایک دن پتھورا نے حضرت خواجہ کے مسلمان عقیدت مند کو تنگ کیا وہ شخص خواجہ کی خدمت میں فریاد ہوا تو آپ نے فرمایا:
>
> ''پتھورا زندہ گرفتیم ودادیم'' خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہی دنوں غزنین سے سلطان معزالدین سام (عرف سلطان شہاب الدین غوری) نے لشکر کشی کی، پتھوار نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا اور بالآخر معزالدین سام کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اس فتح کے بعد یہ ملک اسلام کے نور سے منور ہو گیا اور کفر وفتنہ کی جڑیں کٹ گئیں۔''(۱۵)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پرتھوی راج چوہان سے متعلق ایک اور واقعہ کا ذکر بھی اس تناظر میں مناسب ہے کہ جب آپ اجمیر تشریف لائے تو ستانے کی غرض سے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ شتر بانوں نے کہا یہاں سے اُٹھ جاؤ یہ راجہ کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ آپ نے کہا کہ اونٹوں کے لیے بہت سی جگہ ہے وہ یہاں بیٹھ جائیں گے مگر وہ بضدر ہے کہ اٹھ جاؤ یہ راجہ کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ آپ یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ اب یہاں اونٹ ہی بیٹھیں گے۔ راجہ کے اونٹ بیٹھ تو گئے مگر لاکھ جتن کے باوجود وہ اٹھ نہ سکے۔ وہ معاملہ سمجھ گئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے معافی مانگی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

جاؤ اونٹ اٹھ جائیں گے۔ مرزا محمد اختر دہلوی ''تذکرہ اولیائے پاک و ہند کلاں'' میں اس واقعہ سے متعلق خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت کا ذکر کرتے ہیں:

> ''ہر چند شتروں کو اٹھایا وہ اپنی جگہ سے نہ اُٹھے۔ گویا سینے ان کے زمین سے چپک گئے تھے۔ آخر سب سے مشورہ کیا کہ جس فقیر کو یہاں سے ٹھہرنے نہ دیا تھا، اس کی بدعا لگی ہے۔ یہ سمجھ کر حضور کی خدمت میں آئے اور عذر چاہا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ بحکم خدا تمہارے شتر کھڑے ہو جائیں گے۔ جس وقت ساربان گلہ میں گئے فوراً شتر کھڑے ہو گئے۔''(۱۶)

آپ رحمۃ اللہ علیہ دل پذیر متبسم شخصیت کے مالک تھے۔ ایک صدابہار مسکراہٹ آپ کے ہونٹوں پر مچلتی رہتی تھی۔ آپ اپنے مخالفین اور جانی دشمنوں کو بھی معاف فرما دیتے اور اپنے خلق کا اسیر بنا لیتے۔ اجمیر میں ہندو مذہب سے عقیدت اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اسلام دشمنی کی غرض سے ہندوؤں کی ایک نمائندہ جماعت آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئی۔ آپ نماز میں محو تھے۔ دورانِ نماز وہ بار بار ارادہ کرتے مگر ہمت نہ پڑتی اور سہم جاتے۔ آپ نے نماز سے فراغت کے بعد ان کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا کہ تمہاری مہمان نوازی کے لیے فقیر کے پاس ان جنگلی پھلوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ جس ارادے سے آئے ہو وہ پورا کرو فقیر تیار ہے۔ راجپوتوں کی یہ نمائندہ جماعت نہ صرف آپ کے اخلاق سے متاثر ہوئی بلکہ دین اسلام کو ہمیشہ کے لیے اپنا لیا۔ لاکھوں لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی میانہ روی، وسیع القلبی، حسنِ اخلاق اور انسان دوستی کے گرویدہ ہو کر دوسروں کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بن گئے۔ پروفیسر معین الدین دادائی ''مجلس صوفیہ'' میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حسن اخلاق اور رواداری سے متعلق آپ کے ارشادات کا حوالہ دیتے ہیں:

> ''اہل سلوک کے لیے ہر قسم کی صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ کا ایک خاص وصف اخلاق ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے۔''

حاجت مندوں کی حاجت روائی سے متعلق ایک اور قول آپ رحمۃ اللہ کا نقل کرتے ہیں:

> ''حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے۔''(۱۷)

معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات بھی مذہبی رواداری کا ذریعہ بنیں۔ مثلاً، پرتھوی راج چوہان کا ''اناساگر'' سے آپ کے عقیدت مندوں پر پانی بند کرنا اور آپ کا ساغر کے تمام پانی کو اپنے وضو والے برتن میں سمیٹ لینا اور اُن کو معاف کر دینے پر پھر اسی برتن والے پانی کو ''اناساگر'' میں انڈیل کر ''اناساگر'' کو پھر پانی سے بھر دینا، آپ کا پرتھوی راج کے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں بھیجے جانے والے جادوگر ''شادی دیو'' اور ''جے پال'' کو شکست سے دوچار کرنا اور حلقہ بگوش اسلام بنا لینا، سلطان الدین التمش کے دربار میں آپ کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک عورت کا آپ پر غیر منکوحہ بچے کے باپ ہونے کا الزام لگنا اور آپ کے پوچھنے پر دو ماہ کے بچے کا قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں زبان سے بول کر بے گناہی کی گواہی دینا، مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے اور آپ کے عقیدت مند روشن علی کی سزا کے طور پر انگلی کاٹ دیے جانے پر پرتھوی راج چوہان کے بارے میں آپ کی پیشین گوئی پر پرتھوی راج کا شہاب الدین غوری کی فوج کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہونے جیسی کرامات جہاں متعلقہ علاقہ جات میں فتنہ وفساد کا تدارک بنتی ہیں وہیں دین اسلام کی توسیع اور وہاں کے باشندوں پر مظالم کے خلاف امن وآشتی کا باعث بنتی ہیں۔ رواداری، اخوت اور امن ومحبت کا یہ اسلامی پیغام آپ کے مریدین، اولاد اور لاکھوں عقیدت مندوں کے ذریعہ پورے ہندوستان کے کونے کونے تک پھیل جاتا ہے۔ سید محمد بن مبارک کرمانی اس حوالہ سے رقم طراز ہیں:

> ''آفتاب اہلِ یقین حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام میں تبدیل ہو گئی۔ اس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہو گا نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد در اولاد، نسل در نسل سب حضرت خواجہ کے نامہ اعمال میں ہوں گے۔''(۱۸)

صوفیا کرام کے وصال کے بعد بھی ہزاروں عقیدت مند اور حاجت مند اُن کی تعلیمات اور ارشادات عالیہ سے نظم ونثر کی صورت میں امن وآشتی اور عالمگیر معاشرتی بھائی چارے کا سبق حاصل کر رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک پر بلاتفریق رنگ ونسل حاضرین کی کثیر تعداد ہر وقت موجود رہتی ہے۔ صوفیا کرام کے مزاراتِ مقدسہ سے فیضانِ حق کے حصول کی بابت ایثار حسین اپنی تصنیف ''ہندوستان کے عظیم لوگ'' میں یوں لکھتے ہیں:

> ''یہاں امیر وغریب، شاہ وگدا سب کو ہی فیض کی بھیک ملتی ہے۔ یہاں سب کی فریاد سنی جاتی

ہے اور روحانی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں سے کوئی محروم، مایوس واپس نہیں جاتا۔ ان آستانوں پر اللہ تعالیٰ ان پریشان حال لوگوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ ان بزرگانِ دین میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو خاص مقام حاصل رہا ہے۔"(١٩)

دنیا کے مختلف ممالک اور خطہ ہائے جات میں صوفیائے کرام رَحِمَہُمُ اللہ کی تعلیمات اور کردار کی بدولت پُرامن ماحول اور خوشگوار حالات کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے عمدہ اخلاق، ملنساری، اخوت، مساوات، الفت و یگانگت اور عظمتِ انسانی جیسی اعلیٰ روایات و اقدار کو عملی طور پر لوگوں کے کردار کا حصہ بنا کر عوام الناس کے دلوں پر حکمرانی کی ہے۔

حب الوطنی کے قائل ہوتے ہوئے انہوں نے حب انسانیت کا درس دیا ہے۔ انہوں نے اپنے آستانوں اور محافل میں آنے والوں کی روحانی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ پھر ایسے لوگ نہ صرف اپنے خاندان کے افراد بلکہ قصبے اور ملک کے عوام کی اصلاح اور امن کا ذریعہ بن گئے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اس تناظر میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مظلوم انسانوں کو ظالموں سے نجات دِلا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے متعلقہ خطہ جات کے حکمرانوں کی اخلاقی تربیت بھی اس انداز میں فرمائی کہ وہ عوام الناس کے ہادی و مسیحا بن گئے۔ اپنے معتقدین، مریدین، اولاد اور ہر رنگ اور مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو رواداری اور اخلاقیات کا ایسا ہمہ گیر و جامع پیغام دیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ احباب بالعموم پوری دنیا اور بالخصوص برِاعظم ایشیا کے عوام کے لیے پُرامن ماحول اور اعلیٰ انسانی اقدار کے ضامن ہو گئے۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

۱۔ البقرہ:۳۰

۲۔ البقرہ:۳۰

۳۔ البقرہ:۲۷

۴۔ شبلی نعمانی، مولانا، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لاہور: دینی کتب خانہ، ۱۹۷۵ء، ص: ۲۸۳

۵۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۳ء، ص: ۷

۶۔ خان آصف، اللہ کے ولی، لاہور: القریش پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص: ۱۵۰

۷۔ گلزار احمد مدنی، سیرت حضرت خواجہ معین الدین چشتی، لاہور: اسلام بک ڈپو، ۲۰۱۴ء، ص: ۳۲

۸۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، لاہور: مکتبہ عمار یاسر، س ن، ص: ۲۱۰

۹۔ عبدالمجید سالک، مسلم تہذیب ہندوستان میں، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۳۷

۱۰۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، لاہور: فیروز سنز، س ن، ص: ۶۳۵

۱۱۔ طالب ہاشمی، حضرت خواجہ اجمیری، سلطان الہند معین الدین چشتی، لاہور: شعاعِ ادب، س ن، ص: ۱۶۰

12. Muhammad Tariq, Professor, History of India and Paksitan, Lahore: Ferozsons, 1991, P:151

۱۳۔ بشیر احمد سعدی، دس ولی، لاہور: مومن پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۰۶

۱۴۔ محمد شاہد (مرتب)، اولیاء اللہ، لاہور: علم دوست پبلی کیشنز، س ن، ص: ۲۳

۱۵۔ محمد لطیف فریدی (مترجم)، انوارِ صوفیہ، لاہور: شعاعِ ادب، ۱۹۰۸ء، ص: ۲۸

۱۶۔ محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیائے پاک وہند، لاہور: فینس بکس، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۷

۱۷۔ محمد معین الدین، پروفیسر، مجلس صوفیہ، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۷۵۔۷۶

۱۸۔ صادق زاہد، پروفیسر، عظیم صوفیائے کرام، لاہور: دارالشعور، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۶۰

۱۹۔ ایثار حسین، ہندوستان کے عظیم لوگ، لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۶

◆◆◆

افغانستان میں سلسلہ مجددیہ کا آغاز وارتقاء

Initiation and Evolution of Mujaddadi Order in Afghanistan

Hasan Baig

Lecturer of Islamic Studies,

Sahiwal Campus, Government College University, Faisalabad

Abstract

The eminent personalities are the gift of ALLAH Almighty. They clear all the obstacles and straighten the path of life. Hazrat khawaja Baqi-Billah is on the top of the list among the saints coming from Khurrasan.The spiritual chain of Naqshbandia took a form of a Movement of Religious Revival because of Hazrat Mujaddid Alif-e-Sani and changed the entire political scenario of the Sub-continent. Mujaddadi Movement not only rectified the rulers of the subcontinent but enlightened the hearts and minds of common people with the radiance of Islam.The caliphates and disciples of Mujaddadia chain civilized with its prodigious divine marvels not only Sub-continent but also Central Asia, Khurrasan and Arabic states.The millions of people who had gone astray got their directions and illuminated their hearts with the ethereal lustre of Islam.

KeyWords: Mental Anarchy, Khurrasan, Chain of Naqshbadia,

Mujaddadi Movement, Sub-Continent, Ethereal Lustre of Islam

افغانستان اور وسطی ایشیاء سے آئے ہوئے سلسلہ نقشبندیہ کی تلاطم خیز برکات اور پُر انوار فیض ایک بحر بیکراں کی طرح حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ مبارک سے ہوتا ہوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ اقدس میں داخل ہوا، تو اس سلسلہ کی رونق اور شان میں گونا گوں اک اضافہ ہو گیا اور اس کی چمک میں نکھار سا آ گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے جہاد بالقلم کیا اور بادشاہوں کے ایوانوں میں لرزہ اور دبدبہ طاری کر دیا، وہیں اپنے کمالات قیومیت، ششِ جہت توجہ اور سب سلاسل کے فیوضات و برکات کو اپنے تصرف خاص سے نسبت مجددی میں سمودیا۔ اسی لیے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی پُر نسبت خاصہ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان، خلفاء عظام، مریدین میں آج تک بدرجہ اتم دیکھی اور مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔ وسطی ایشیاء اور بالخصوص خراسان میں نسبت مجددیہ نے ہر طرف نبوت وولایت کے انوار کو ہر طرف پھیلا دیا۔ مزید برآں اس فیض پُر انوار کو صرف عوام الناس تک محدود نہ رکھا، بلکہ بادشاہ، امراء اور خاص وعام تک پھیلانے کا سبب بنے۔ یہ مجددی صوفیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست فیض یاب اور تربیت لے کر دوبارہ افغانستان اور وسطی ایشیاء کی وادیوں میں گئے، معاشرے کے لیے راہ ہدایت کا ذریعہ و نسبت مجددیہ کو ہفت اقالیم میں متعارف کروانے کا سبب بنے۔

برِصغیر میں سلسلہ نقش بند کو شہرت دوام سے سرفراز کرنے والے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں:

محمد الباقی المعروف بہ حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نسباً خلجی ترک تھے (١) اور کابل میں ٩٧١ یا ٩٧٢ھ کو ولادت ہوئی۔ (٢) حضرت خواجہ باقی باللہ کے آباؤ اجداد سمرقند کے اہل علم افراد میں سے تھے اور والد گرامی قاضی عبدالسلام خلجی قرشی سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ عالی المرتبت عالم و عارف بزرگ تھے۔ (٣)

آپ نے علم دین کی تکمیل مولانا صادق حلوائی رحمۃ اللہ علیہ سے کی اور کم عرصہ میں دقیق ترین علوم عقلیہ و نقلیہ پر دسترس حاصل کر لی۔ (٤) علم باطن میں بلخ، ہندو بدخشاں، پنجاب اور کشمیر کے طویل سفر کیے، مختلف مشائخ کے دست اقدس پر بیعت کی اور ان کی صحبتوں سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ آخر کار بحکم الٰہی حضرات نقشبندیہ کی ''غیبت معہودہ'' جلوہ گر ہوئیں اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی اشارے و تصرف باطنی پر حضرت مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پر بیعت ہوئے اور تھوڑی مدت میں خرقہ

خلافت حاصل کر لیا۔(۵)

مشائخ نقشبندیہ کی تحریک احیائے دین:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد سنت کی پیروی اور آداب شریعت پر ہے۔ اسی لیے ہمیشہ ان مشائخ نے سنت کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑا، نبی اکرم ﷺ کی متابعت اور صحابہ کی اقتداء کو لازمی نصب العین قرار دیا۔ اعتدال اور اتباع سنت کی وجہ سے اس سلسلہ کو ہمیشہ دوام رہا ہے، عالم اسلام کے علماء وفضلاء کی ایک کثیر تعداد اس سلسلہ سے منسلک رہی ہے، اور اسلام کی سربلندی اور سلسلہ کی اشاعت میں سنگ میل ثابت ہوئی۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ کی اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ کو بڑی جانفشانی سے ماوراء النہر سے ایران، عربستان اور ہندوستان تک پہنچا دیا۔ حضرت شیخ اسماعیل لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو امیر عبداللہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ میر قطبی کے مریدین میں سے تھے، اس سلسلہ کی اشاعت میں اہم کڑی تھے، اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں دوسری اہم شخصیت شیخ بابا علی والی ثم کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو سلسلہ کبرویہ کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ میں بھی مجاز تھے اور آپ سے فیوض و برکات حاصل کرنے والوں میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ حضرت خواجہ نے آپ سے دو سال تک اکتساب فیض کیا تھا، اگرچہ دین اسلام کی خدمت اور سلسلہ کی ترویج میں ان نقشبندی مشائخ نے حالات کا عمیق جائزہ لیتے ہوئے خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کی، ماوراء النہر کے سلاطین سے میل ملاپ اور ربط وضبط کا سلسلہ جوڑا اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے کئی افراد ہندوستان وارد ہو چکے تھے، مگر سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت میں یہ سعادت ازلی، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جید خلفاء کے نصیب میں آئی اور اس کی کرنیں پوری آب وتاب سے سارے عالم کو منور کر گئیں۔(٦)

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سفر ہندوستان:

حضرت خواجہ مکنکی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ حاصل کرنے کے بعد بحکم امر شیخ(۷) اور استخارے میں بھی بشارات عالیہ سے سرفراز کیے جانے کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی طرف دوبارہ مراجعت فرمائی اور سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت میں بنیادی کردار ادا کرنے لگے۔(۸)

حضرت خواجہ امکنکی رحمۃ اللہ علیہ سے قبل بیعت، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے

روحانی اشارے پر ماوراء النہر تشریف لے گئے (٩) تو یہ زمانہ ١٠٠٣ھ یا ''١٠٠٤ھ'' کے لگ بھگ کا ہوگا، اس وقت تک ہندوستان میں سیاسی حالات بگڑ رہے تھے، کیونکہ اکبر بادشاہ کی مذہبی پالیسیاں میں تبدیلیاں آ چکیں تھیں۔ وہ اسلام سے دور ہوتا جا رہا تھا اور بڑی حد تک خلاف شرع احکام صادر کر چکا تھا۔ اسی لیے معاشرے میں ایک ہیجانی سی کیفیت کا دور دورہ تھا اور مذہبی بے چینی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ میاں شیخ تاج الدین، میاں شیخ الہ داد، میاں شیخ رفیع الدین محمد چشتی دہلوی، امیر سید احمد، مرزا منصور بیگ بن مہدی خان، ملا قاسم علی، شیخ ابوبکر اور اس کے علاوہ خواجہ حسام الدین احمد اور نواب مرتضی خان فرید بخاری (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ (١٠) ان میں سے کئی اصحاب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے، مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ماوراء النہر سے واپسی کے بعد، جرگہ مدان دولت اسلام کے یہی افراد، اکبر کی پھیلائی ہوئی منفی مذہبی پالیسیوں کے بارے میں تردد اور غور وفکر میں مبتلا تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت تبلیغ وارشاد سے راہ راست پر آ گئے اور ١٠٠٨ھ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شمولیت سے یہ ''جرگہ'' نے باقاعدہ تحریک احیائے دین کی شکل اختیار کر لی اور ہندوستان کی تاریخ کو بدل کر رکھ دیا۔ (١١)

١٠٠٥ھ میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ جب ماوراء النہر سے برصغیر پاک وہند میں تشریف لائے تو ایک سال تک لاہور میں قیام کیا۔ (١٢)

یہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مقبولیت عامہ ہوئی اور بہت سے علماء وفضلاء آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ ہو گئے۔ (١٣)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت کی اک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ مکنکی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت سے پہلے ہندوستان میں روحانی سفر میں رہے اور کئی عقیدت مند آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قلبی محبت اور ارادتمندی کرتے تھے، لہٰذا سمرقند سے واپس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی جلالت اور روحانی تصرفات سے اطراف میں شہرت ہوئی اور بیعت وارادت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت خواجہ کلاں رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق لاہور میں حضرت خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کی حویلی میں قیام تھا اور یہ حویلی خانقاہ کے طور پر استعمال ہو رہی تھی۔ (١٤) کچھ عرصہ بعد حضرت خواجگان نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بشارات کے موافق پر، دہلی تشریف لے گئے (١٥) اور قلعہ فیروزی میں سکونت اختیار فرمائی۔ (١٦) اسکو دارالارشاد کا مرکز بنایا، درس وتدریس اور ذکر واذکار کے بازار کو ایسے سرگرم کیا کہ صرف ٤٠ سال کے کم عرصے میں نسبت نقشبندیہ کے انوار پورے جہان پر منور فرما دیے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل گئی، دہلی واطراف کے علماء ومشائخ خلافت ومشیخیت ترک کر کے آپ کے دست گرفتہ ہو

گئے اور ارادتمندوں کی طرح کسب فیض کرنے لگے۔

دوسری طرف خراسان و ماوراء النہر میں حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ مکنکی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سلسلہ نقشبندیہ میں ایسے شیخ کامل مکمل اور صاحب تصرف شخصیت نہ مل سکی۔ خراسان اور وسطی ایشیاء کے علماء وفضلاء اور مشائخ جو بعد از اسلام سے کسی نہ کسی شیخ مربی سے براہ راست اکتساب فیض کرتے آ رہے، ایسے کاملین کی عدم دستیابی سے تذبذب کا شکار تھے، مگر دوسری طرف حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ان کو شیخ کامل مکمل کی صورت نظر آئی، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و رُوحانی کمالات اور طنطنہ کو سن کر اپنے باطن کی کھیتی کو سیراب کرنے کے لیے خراسان سے ہندوستان کی طرف دیوانہ وار لپکی، خراسان اور ماورأ النہر کے راہ حق کے ان متلاشیوں میں اور معرفت کے سمندر کے غواصی حضرت سید میر محمد نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ سعادت ازلی کے فیصلوں کے تحت (۱۷) حضرت خواجہ بیرنگ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آئے (۱۸) اور دست گرفتہ ہو کر سلوک کی منازل کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد ''اینہا جزء بدن ما اند'' (یہ ہمارے جز و بدن ہیں) کے مستحق بھی ٹھہرے۔ (۱۹)

اگرچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت دوام، کی وجہ سے وسطی ایشیاء و ماوراء النہر سے اور دوران سفر، سمرقند و بخارا سے ہندوستان میں لوگوں کا استفادہ کرنا بعید معلوم نہیں ہوتا ہے، مگر مستند تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت سید میر محمد نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ مشہور و معروف افغانی شخصیت ہیں، جو اوائل ایام میں، حضرت خواجہ باقی باللہ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور حضرت خواجہ بیرنگ رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل کر کے منظورِ نظر کا درجہ حاصل کر سکے اور افغانستان اور وسطی ایشیاء میں فیض مجددیہ کو پھیلانے کا اہم سبب بنے۔

مجددی تحریک:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک بادشاہ یعنی جلال الدین محمد اکبر (۹۶۴ھ تا ۱۰۱۴ھ) کا آخری زمانہ پایا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بادشاہ سے کوئی عصری شہادت نہیں مل سکی ہے۔ بادشاہ کی مذہبی پالیسی اور اس کے منفی اثرات کلی طور پر سارے ہندوستان پر مسلط ہو چکے تھے۔ کوئی عالم وصوفی اس کے دین الٰہی کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جو بھی آواز اٹھانے کی کوشش کرتا جلاوطن یا قتل کر دیا جاتا اور عبرت ناک سزائیں دی جاتیں، مزید برآں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول یہ تھا کہ عوام الناس سے امراء تک اور جھونپڑوں سے لے کر

محلوں تک ارشاد تلقین کا باز ار گرم کرنا چاہیئے اور سلاطین سے علیحدہ رہنے کی بجائے ان کو متاثر کرنا چاہئے۔[٢٠]
اسی مشن اور اپنے شیخ مربی کی سوچ کو با قاعدہ تحریک بنا کر، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھایا، کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ حیات کئی اعتبار سے ہیجان انگیز شورش اور ذہنی بے چینی وکرب پر مشتمل تھا، جس میں ایسی تحریکیں اٹھیں، جنہوں نے مذہبی اعتقادات میں منفی اثرات پیدا کر کے ہندوستانی معاشرت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ اک طرف علماء سوء بادشاہ کو بے دین کرنے پر تلے ہوئے اور دوسری طرف امراء اور عوام الناس میں اپنی تعلیمات کا پرچار کر رہے تھے۔ ہندوستان کے اس بے راہ روی کے معاشرے کی اصلاح کرنے کا بیڑا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھایا اور امراء ومصاحبین کو اپنے مکتوبات سے واضح پیغام دیا کہ کفر کے نظام کو چھوڑ کر دین اسلام کی سر بلندی کی جائے اور بادشاہ کے عقائد کی کما حقہ درستی پر زور دیا جائے کہ یہی آخرت میں نجات کا سبب ہے۔

امرائے سلطنت کے نام دعوتی خطوط:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک احیائے دین کے فرض کو نبھاتے ہوئے اپنے دعوتی خطوط میں سے بائیس (٢٢) مکتوبات شیخ سعید فرید بخاری، تیرہ (١٣) مکتوبات عبدالرحیم خانخاناں، تین (٣) مکاتیب محمد قلیج خان کو دو دو مکاتیب صدر جہاں پیرخان المعروف خان جہاں اور مرزا عزیز خان اعظم کو اور ایک ایک مکتوب سید احمد قادری، لالہ بیگ، بہادر خان، سید نظام اور پرگنہ جرک کے حاکم کو لکھ کر امرائے کبار اور ارکان سلطنت کو دین کی نصرت وحمایت، بادشاہ کو احترام دین وشریعت اور اصلاح حال پر اپنے مکاتیب کے ذریعے جن میں حمیت اسلامی کی بجلی کوندتی نظر آتی ہیں، پے در پے خطوط لکھے اور ان سے اس مقصد کی تکمیل میں کس جانفشانی سے کام کیا، یہ سعی یقینا رائیگاں نہیں گئی اور ان مکتوب الیھم نے اور خاص طور پر سید فرید رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت کا رخ بدلنے میں بنیادی ومرکزی کردار ادا کیا۔[٢١] اسی مجددی تحریک اور دین اسلام کو ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلانے پر سید سلیمان ندوی، ہندوستان کے غربت کدہ میں مسافر اسلام کی داستان کو بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

> ''اس غفلت کی نیند کو چار سو برس گزر گئے اور مسافر کے آغاز سفر پہ ہزارواں برس گزر رہا تھا۔ یہ اکبر کا دور تھا جب عجم کے ایک جادوگر نے آ کر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی عمر پوری ہو چکی ہے۔ اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امی کے ذریعے نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو۔ مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوس

بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کیے اور جوگ اور تصوف نے ملکر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا۔ یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی:

'راستہ صاف کرو، کہ راستہ کا چلنے والا آتا ہے، ایک فاروقی مجدد، فاوقی شان سے ظاہر ہوا، یہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔''(٢٢)

افغانستان میں مجددی صوفیہ سے مراسلت:

اک طرف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے افغانی مریدین کی اعلیٰ وارفع تربیت فرما کر لوگوں کی اصلاح کی، تو دوسری طرف افغانستان، خراسان، ماوراء النہر سے لوگ فوج درفوج غلامی کا پٹہ پہننے اور کبریت احمر (سرخ گندھک) کا جوہر لینے کے لیے سرہند شریف جوق درجوق پہنچ رہے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ، امراء اور ہندوستان کے معاشرے میں اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا۔ اصلاح اور سلسلہ کی ترویج کے لیے ان اکابرین کو واپس وسطی ایشیاء کی طرف بھیجا اور مکاتیب شریفہ کے ذریعے گاہے بگاہے ان کے احوال اور معاملات کی پوچھ گچھ بھی فرماتے رہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسند ارشاد پر بیٹھنے کے بعد نہ صرف اپنے والد گرامی کے مشن کو آگے بڑھایا، بلکہ بڑی جانفشانی اور محنت عظیمہ سے مجددی تحریک احیائے دین کو ہفت اقالیم میں متعارف کروادیا اور خراسان کے بادشاہان، خلفاء اور مریدین سے، اس تحریک کو افغانستان اور دیگر بلاد اسلامیہ میں پھیلانے پر زور دیا۔(٢٣) حضرت خواجہ معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے تو باقاعدہ اپنے بڑے صاحبزادے حضرت محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ولایت کابل اور غور (افغانستان) کی خلافت مطلقہ دے کر رخصت فرمایا۔ افغانستان میں کابل اور اس کے اطراف تمام چھوٹے بڑے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہزاروں لوگ صبح وشام حلقہ میں مراقب ہوتے۔(٢٤)

اسی طرح حضرت صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے شیخ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو ارشاد وتبلیغ کے لیے کابل بھیجا اور سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں ایک سال خود اور دوسرے سال حضرت شیخ محمد اسماعیل سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجتے۔(٢٥) مزید برآں، شیخ محمد صبغت اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ صبغت اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی کابل و پشاور میں بہت ہوا اور صاحب کمال خلفاء ان کی یادگار ہیں۔ انہی میں سے ایک خواجہ حسن آتا رحمۃ اللہ علیہ جو قریہ گزر نواح کابل میں تھے ان کا سلسلہ مریدین ماوراء

النہر، روم اور بلغاریہ تک پھیلا ہوا تھا اور دعوت وتبلیغ میں سرگرم تھے۔(٢٦)

اسی مجددی تحریک کو حضرت شیخ غلام محمد معصوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ (٢٧) نے افغانستان میں بڑی تندہی سے پھیلا اور اپنے دادا حضرت شیخ صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قائم مقام ہوئے۔(٢٨) حضرت خواجہ معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خراسان کے لوگوں کی روحانی تربیت فرما کر اپنے علاقوں میں ہدایت کے مراکز قائم کرنے کے لیے بھیجا۔ ان افغانی، مجددیوں میں ملا ابوالفیض کابلی، شیخ اسد اللہ افغانی، امان بیگ بدخشی، بدر بیگ سمرقندی، مولانا برخوردار کابلی، خواجہ پادشاہ بلخی، صوفی پایندہ محمد کابلی، حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری، حاجی سلیم بلخی، شیخ طاہر بدخشی، عباد اللہ کابلی، سلطان عبدالرحمن بلخی، عبدالسلام کابلی، عبدالصمد کابلی، عبدالغفار بلخی، مولانا عبدالغفور سمرقندی، شیخ عبداللہ کولابی، میر عثمان کولابی، عطاء اللہ میرک، ملا فاضل کابلی، ملا گل محمد مفتی پشاوری، محمد بیگ بلخی، محمد جان طالقانی، صوفی محمد م حسین کابلی، خواجہ محمد حنیف کابلی، محمد رؤف کابلی، شیخ محمد شریف کابلی، حافظ محمد صادق کابلی، خواجہ محمد صالح کولابی، خواجہ محمد صدیق بدخشی، مولانا محمد صدیق پشاوری، شیخ محمد علیم جلال آبادی، خواجہ محمد فاروق سمرقندی، محمد میرک بیگ بدخشی، خواجہ سید میر محمد نعمان بدخشی، خواجہ محمد وفا حصاری، خواجہ محمد ہاشم کشمی، محمد یحییٰ کابلی محمد یوسف گردیزی، ملا شاہ مراد قلی پشاوری، ملا مشتاق برکی، معین الدین میرک، مومن بیگ کابلی، میر بیگ کولابی، میرک شیخ اور نعمت اللہ پشاوری رحمہ اللہ علیہم اجمعین وغیرہا قابل ذکر ہے۔(٢٩)

سرہند کی تباہی:

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اس کے کمزور جانشین ہندوستان کی عظیم سلطنت کو نہ سنبھال سکے، تو باغی قوتوں نے دوبارہ سے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ ان قوتوں میں سکھ اور مرہٹے خاص طور پر سرفہرست تھے۔ سکھوں نے نہ صرف اپنی فوج کو دوبارہ سے اکٹھا کرنا شروع کیا، بلکہ منظم طریقے سے مغلیہ حکومت کے خلاف جنگ شروع کی اور ہندوستان کے مسلمانوں پر ظلم وبربریت کی اک نئی داستان رقم کی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سرہند میں قیام اور ملی ودینی خدمات کی وجہ سے اس شہر کو دائمی شہرت نصیب ہوئی اور آپ کی اولاد وخلفاء کی خدمات نے اس شہر کو ہندوستان کے دارالارشاد کے زمرے میں شامل کر دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریرات سے ایک طرف برصغیر میں اسلامی کی زبوں حالی کا ذکر کیا اور مسلمانوں کی پریشانی پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ چنانچہ کانگڑہ کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"در یں روزہا کفارِ دارالحرب نواحی نگرکوٹ بر مسلمانان و بر بلاد اسلام چہ ستمہا نمودند و چہ اہانتہا

رسانیدند خذلہم اللہ سبحانہ۔۔۔"(٣٠)

حال ہی میں دارالحرب کے کافروں نے نگرکوٹ کے مسلمانوں اوران کے شہروں پر کس قدر ظلم وستم ڈھائے ہیں اوران کی کتنی اہانت کی ہے، اللہ سبحانہ، ان کو ذلیل وخوار کرے۔

اور جہانگیر کے ہاتھوں سکھوں کے پانچویں گروارجن کے قتل کو آپ نے کفار کی شکست عظیم قرار دیتے شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا ہے:

"درین وقت کشتن کافرلعین گوبند وآل او بسیار خوب واقع شد و باعث شکست عظیم برہنود مردود گشت بہر نیت کہ کشتہ باشند و بہر غرض کہ ہلاک کردہ خوارے کفار خود نقد وقت اہل اسلام است این فقیر پیش از انکہ این کفر را بکشند درخواب دیدہ بود کہ بادشاہ وقت کلہ سر شرک راشکستہ است و الحق کہ آن گبر رئیس اہل شرک بود وامام اہل کفر۔"(٣١)

اس وقت کافرلعین گوبند اوراس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا اور ہنود مردود کی بڑی شکست کا باعث ہوا، خواہ کسی نیت سے اس کو قتل کیا گیا ہو اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا گیا ہو، بہرحال کفار کا ذلیل ہونا ہی اسلام کی عزت وترقی کا باعث ہے۔ اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہ وقت نے مشرک کے سردار کا خیمہ وسائبان توڑ دیا ہے۔

اسی لیے جب مسلمانان ہند کا سیاسی مرکز روبہ زوال ہوا، سکھوں نے اپنی اُس "شکست عظیم" کا اصل سبب سرہند کے اس خانوادے کو قرار دیا اور اپنے مظالم سے سرہند و پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں پوری کوشش صرف کردی، سکھ خاص طور پر اہل سرہند سے خائف تھے، کیونکہ ان کے سردار گرو گوبند سنگھ کے دو چھوٹے لڑکوں کو یہیں پر قتل کیا گیا تھا۔ ١٧٦٤ء میں جب سکھوں نے سرہند پر مکمل قبض کرلیا، تو گرو گوبند سنگھ کی پیشن گوئی کو پورا کرنے کے لیے سکھ سرداروں نے گدھے منگوا کر اس سرزمین پر اپنے ہاتھ سے ہل چلایا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ آنے والا ہر سکھ سرہند کی ایک ایک اینٹ کو دریا میں ڈال دے، چنانچہ بندہ سنگھ نے ١٧١٠ء میں سرہند پر قبضے کے بعد مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور اپنے مقبوضات کو ستلج تک وسیع کر لیا۔ ١٧١٠ء سے ١٨٥٧ء تک سکھ سرہند پر دست درازی کرتے رہے اور اسے مکمل تباہ و ویران کر دیا۔ ١٧٦٤ء میں احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر ساتواں حملہ کیا تو سرہند کی شکستہ خالی وتباہی کو دیکھا، کہ پورا شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے اور کافی دیر تلاش کے باوجود بھی انسان تو درکنا بجز الوکوئی پرندہ بھی وہاں نظر نہ آیا اور سکھوں کی درندگی کا سماں ہر طرف برپا ہوا نظر آتا تھا۔(٣٢)

مزید برآں، ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ درانی، جب پہلی مرتبہ ہندوستان آیا، تو پشاور سے اپنے لشکر میں سے معززین کی ایک جماعت کو سرہند شریف بھیجا تاکہ وہ حضرت شاہ غلام محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ثانی سے التجاء کریں اور اپنے ساتھ ان کو افغانستان لے جائے، مگر حضرت معصوم رحمۃ اللہ علیہ ثانی نے اسے قبول نہ فرمایا۔ جب ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ درانی نے سرہند پر قبضہ کیا اور عبداللہ خان عضد الدولہ کو سرہند کا ناظم مقرر کر کے، حضرت غلام محمد پشاوری، حضرت عزت اللہ اور حضرت صفی اللہ رحمہ اللہ علیہم اجمعین (صاحبزادگان حضرت معصوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کو احتراماً اپنے ساتھ قندھار لے گیا۔ اسی لیے افغانستان اور خراسان میں اب تک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد مبارک سے جتنے افراد ہیں سب انہی تینوں حضرات مبارکان کے مجددیہ اخلاف ہیں۔ ۳۷ جنہوں نے افغانستان اور دیگر بلاد اسلامیہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض اور نسبت کو بڑھایا۔ تقسیم ہند کے وقت بھی سکھ اور ہندوؤں نے جہاں مسلمانوں پر شدید مظالم کیے، وہیں روضہ سرہند شریف کو نقصان پہنچانے سے باز نہ آئے۔ (۳۳) تقسیم کے پرآشوب زمانے میں ہزاروں مسلمانوں نے خانقاہ شریف میں پناہ لی، تاکہ ان کی دست درازی سے بچا جا سکے اور دشمنان اسلام نے اس دوران بھی کئی بار حملے کا ارادہ کیا۔ لیکن کسی کو چار دیواری کے اندر قدم رکھنے کی جرات نہ ہو سکی اور دامان مجددیہ کے سائے میں پناہ لینے والے محفوظ و مامون رہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس وقت ہندوستان، جس میں دین فطرت کے شجرہ طیبہ کے نصب اور بارآور کرنے کے لیے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں، دماغی صلاحیتیں اور اہل قلوب و اصحاب صفا کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں۔ ایک ہمہ جہتی، دینی، ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستہ پڑ رہا تھا، جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت اور فوجی طاقت تھی، جس کو اپنے زمانہ کے متعدد ذہن و فاضل انسانوں کی علمی و ذہنی کمک بھی حاصل تھی، اس وقت اگر حالات کی یہی رفتار رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی کوئی طاقتور شخصیت (مراد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام، گیارہویں صدی میں بظاہر وہی ہوتا، جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس یا چودہویں صدی ہجری میں ترکستان کا ہوا۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عبید اللہ، خواجہ، زاد المعاد، تحقیق و تقابل: محمد اقبال مجددی، گوجرانوالہ: تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ۲۷۵/۳

۲۔ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، مترجم: ڈاکٹر غلام مصطفی و ڈاکٹر مولانا ابوالفتح صغیر الدین، سیالکوٹ: مکتبہ نعمانیہ، ۱۴۰۷ھ، ص: ۳۱

۳۔ سرہندی، بدر الدین، حضرات القدس، مترجم: حافظ محمد اشرف نقشبندی مجددی، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ، ۱۴۳۱ھ، ۲۶۵/۱

۴۔ محمد گل، سعید، دافغانستان مفاخر، پشاور: مکتبہ فاروقیہ، س ن، ص: ۱۹۸

۵۔ فضل اللہ، حاجی محمد، عمدۃ المقامات، کابل: نعمانی کتب خانہ، شور بازار، ۱۳۹۷ھ، ص: ۸۵

۶۔ اقبال مجددی، محمد، مقدمہ مقامات معصومی، لاہور: ضیاء القرآن، ۲۰۰۴ء، ۱۱/۱۔۱۶

۷۔ مسعود احمد، ڈاکٹر محمد، سیرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، کراچی: امام ربانی فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء، ص: ۹۸

۸۔ سرہندی، محمد احسان مجددی، روضۃ القیومیہ، ترتیب: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، ۲۰۰۲ء، ۱۴۱/۱

۹۔ عبید اللہ، خواجہ، زاد المعاد، ۱۸۷/۳

۱۰ ایضاً، ص: ۳۰۸

۱۱ اقبال مجددی، محمد، مقدمہ زاد المعاد، ص: ۹۳۔۹۴

۱۲۔ توکلی، علامہ نور بخش، مشائخ نقشبندیہ، گجرات: فضل نور اکیڈمی، ۱۹۷۰ء، ص: ۱۶۸

۱۳۔ مسعود احمد، ڈاکٹر محمد، جہان امام ربانی، کراچی: امام ربانی فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء، ۳۰۰/۱

۱۴۔ عبید اللہ، خواجہ، زاد المعاد، ۳۱۷/۳

۱۵۔ سرہندی، بدر الدین، حضرات القدس، ۲۷۲/۱

۱۶۔ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص: ۴۱

۱۷۔ پسروری، محمد داؤد، سیرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۰۹ھ، ص: ۲۴۸

۱۸۔ زوار حسین شاہ، سید، سیرت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، کراچی: ادارہ مجددیہ، ۱۳۹۵ھ، ص: ۷۸۱

۱۹۔ روح اللہ، محمد نقشبندی، جواہر مجددیہ، کراچی: مکتبہ دار الاشاعت، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۸۳

۲۰۔ اقبال مجددی، محمد، مقدمہ زاد المعاد، ۱/ ۱۰۵۔ ۱۱۳

۲۱۔ فاروق، محمد، تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، نیو دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء، ص: ۶۰۔ ۷۰

۲۲۔ ندوی، سید سلیمان، سیرت سید احمد شہید، لکھنؤ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ۱۴۳۲ھ، ۱/ ۳۲۔ ۳۳

۲۳۔ عبید اللہ، خواجہ، حسنات الحرمین، مترجم: محمد اقبال مجددی، ڈیرہ اسماعیل: مکتبہ سراجیہ، ۱۴۰۲ھ، ص: ۱۸

۲۴۔ سرہندی، محمد احسان مجددی، روضۃ القیومیہ، ۲/ ۲۸۵

۲۵۔ ایضاً، ص: ۲۸۷

۲۶۔ فضل اللہ، حاجی محمد، عمدۃ المقامات، حیدر آباد: خانقاہ ٹنڈو سائیں داد، س ن، ص: ۳۸۵

۲۷۔ اقبال مجددی، محمد، مقامات معصومی، تعلیقات وتوضیحات، ۴/ ۱۸۱

۲۸۔ سرہندی، محمد احسان مجددی، روضۃ القیومیہ، ۲/ ۲۸۸

۲۹۔ زوار حسین شاہ، سید، انوار معصومیہ، کراچی: ادارہ مجددیہ، ۱۴۰۶ھ، ص: ۳۲۷۔ ۳۹۷

۳۰۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ، مکتوبات امام ربانی، پشاور: مکتبہ سعیدیہ، س ن، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مکتوب ۶۸، ۲/ ۵۸

۳۱۔ ایضاً، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب ۱۹۳، ۱/ ۸۲

۳۲۔ دہلوی، غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مقامات مظہری، مترجم: محمد اقبال مجددی، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۴۱۔ ۱۵۱

۳۳۔ اقبال مجددی، محمد، مقدمہ مقامات معصومی، ۱/ ۲۴۳

۳۴۔ عظیمی، عظیم بٹ، سیرت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرکار سرہند شریف، دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۱۳ء، ص: ۱۴

♦♦♦

خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں تصورامن

The Concept of Peace in the Teachings of Khawaja Muhammad Sadiq Naqashbandi (R. A.)

Dr. Mumtaz Ahmad Sadidi

Chairman Department of Arabic,

University of Minhaj, Lahore.

Abstract

Khawaja Muhammad Sadiq Naqshbandi played a significent role in promotion of peace and tolerance. He advised the preachess to work for the transformation of character and avoid differences of opinion, so that the hurting of the feelings of others may be avoided. He belived that opinion should not be imposed upon others. He wanted to remove social inqualities. This article studies the contribution of Khawaja Muhammad Sadiq Naqshbandi (R.A.) in promotion of peace and tolerance.

Key Words: Khawaja Muhammad Sadiq Naqshbandi, Peace, Tolerance, Social Harmony

صوفیہ کے حوالے سے یہ تصور ذہنوں میں راسخ ہے کہ یہ حضرات دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالی کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، کیا یہ قدسی نفس حضرات معاشروں میں تصور امن کو راسخ کرنے کے علاوہ برداشت اور رواداری کو فروغ دینے کا سبب بھی بنتے ہیں؟ پیش نظر ریسرچ آرٹیکل میں حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں اس امر کا جائزہ لیا جائے گا۔

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ صوفیہ کرام جہاں کہیں بھی قیام پذیر ہوئے وہاں انہوں نے محبت کے فروغ، قیام امن اور اتحاد امت کی بقاء میں موثر کردار ادا کیا، صوفیہ نے بلا تفریق مذہب وملت انسانیت کو معرفت خداوندی کے جام سے سیراب کیا، پاکستان و ہندوستان میں تمام خانقاہیں خدمت خلق کی فلاح و اصلاح کا درس دیتی رہی ہیں۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ایک نمائندہ شخصیت تھے، برصغیر میں سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دینے والی عظیم شخصیت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عمل اور مکتوبات کے ذریعے انسانیت کو وہ دستور امن دیا جس کے گواہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ہیں، آپ نے جہاں کلمہ حق کو بلند کیا وہیں محبت، برداشت اور رواداری کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کیا۔

تاریخ اسلامی کے اولین ادوار تصوف سے تعلق کے باعث محبت، رواداری، اعتدال پسندی اور وحدت امت کی عملی مثالوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ مراکش سے لے کر وسط ایشیا تک آج بھی مسلمانوں کا تشخص تصوف اور صوفی تحریکوں کا مرہون منت ہے، کیونکہ عرب دنیا اور وسط ایشیا کے معاشروں میں صوفیہ کی بدولت صدیوں سے مذہبی، سماجی اور ثقافتی ہم آہنگی قائم ہے۔ ییل یونیوسٹی امریکہ کے پروفیسر مختار گھمبو لکھتے ہیں:

> ''آج مراکش میں نوجوان نسل تیزی سے تصوف کی طرف راغب ہو رہی ہے۔ دراصل اس کے پیچھے وہاں کے خانقاہی نظام کے اندر پائے جانے والی اعتدال پسندی، رواداری، قرآنی اصولوں کی معتدل تشریح، تنگ نظری کو مسترد کرنے اور اتحاد امت کے آفاقی شعور کو اپنانے کی سوچ کارفرما ہے۔ صوفی ازم کے پیش کردہ ''انسانیت'' اور ''اتحاد امت'' کے اصولوں میں مسلمانوں کی نسل نوجوانوں کی ایک متوازن طرز زندگی نظر آتا ہے جس کے ذریعے وہ مذہبی وشرعی احکام وفرائض سے پہلوتہی کیے بغیر وہ اپنی جدید معاشرتی زندگی بحسن وخوبی گزار سکتے ہیں۔''(۱)

ماضی کے صوفیہ اور مشائخ کی طرح عصر حاضر کے صوفیہ بھی اس بات پر زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ قدیم اقدار کو تھام کر جدید زمانے کی ترجیحات کے مطابق خود کو ڈھالا جائے اس طرح وہ خود کو اور اپنے پیروکاروں کو شدت پسندوں سے دور کر لیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں بعثت مبارکہ سے قبل ہی زہد پر مبنی ایک روحانی نظام کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اعلان نبوت سے قبل بھی پیغمبر اسلام ﷺ کا کئی کئی ہفتے اور کئی کئی دن مراقبے میں گزارا کرتے تھے۔(۲)

قرآن کریم میں آپ کے قیام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ط(۳)

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی شب کے قریب اور (کبھی) نصف شب اور (کبھی) ایک تہائی شب (نماز میں) قیام کرتے ہیں، اور اُن لوگوں کی ایک جماعت (بھی) جو آپ کے ساتھ ہیں (قیام میں شریک ہوتی ہے)۔

صوفیائے کرام نے حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے انہی گوشوں کو اپنی زندگیوں کے لیے مینارۂ نور بنایا۔ حضرت امام غزالی نے اپنی نصف زندگی کے دوران مختلف مروجہ علوم میں طبع آزمائی کے بعد یہ علمی حقیقت دریافت کی کہ تصوف روح اسلام ہے۔

تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تصوف صرف روحانی اقدار و اطوار، مخصوص معمولات اور باطنی کیفیات، روحانی اشغال اور صوفیانہ مراسم کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ علمی، فکری، معاشرتی، سماجی، تہذیبی و تمدنی اور تمام جہتوں میں اخلاص و احسان کا نام تصوف ہے۔ تصوف نے اپنے تمام معتقدات، نظریات اور معمولات کو قرآن و سنت کی بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں:

"راہ تصوف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن حکیم اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول ﷺ ہو اور وہ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شک و شبہ کے گڑھوں میں گرے اور نہ ہی بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔"(۴)

حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں:

''باطن کو مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک و صاف کر دینے کا نام تصوف ہے۔''(۵)

ابتدائے اسلام کے صوفیہ کرام کی طرح عصر حاضر کے صوفیہ بھی اعتدال پسندی، میانہ روی اور اسلام کی پرامن تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ خدا کے ساتھ ذاتی لگاؤ اور باطنی قربت پر کامل ایمان وایقان رکھتے ہیں۔ ان ہی شخصیات میں عصر حاضر کی عظیم شخصیت حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ دین وملت کا درد رکھنے والی شہرہ آفاق شخصیات میں سے ایک ہیں جن کی زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت میں گزرا، آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے معتقدین اور حلقہ ارادت میں آنے والے ہزاروں احباب کو نہ صرف مقصد حیات سے آگاہ کیا بلکہ خود بھی اسے مدِ نظر رکھا اور اپنے ملنے والے ساتھیوں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید فرمائی، یہ سب کچھ آپ کو اپنے عظیم خاندان سے ورثے میں ملا تھا۔

خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وآثار:

علم وحکمت کا یہ آفتاب ۲۵ دسمبر ۱۹۲۱ء (بمطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۱ پوہ بکرمی) بروز اتوار طلوع ہوا۔(۶)

آپ کے والد گرامی کا نام خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ کی پیدائش اپنے آبائی گاؤں چھچیاں میر پور میں ہوئی۔(۷)

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت اس وقت ہوئی جب آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک پچاس برس تھی۔ آپ نے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں جو سراپا تقوی وطہارت تھا۔ والدِ گرامی شریعت اور طریقت کے حسین امتزاج کا پیکر تھے۔ خانقاہ عالیہ میں ایک ایسی جماعت موجود ہوتی جن کی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی تھا۔ شریعت وطریقت کی زریں بہاریں وہاں میسر تھیں۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ آپ کو اپنی بسم اللہ خوانی کی تقریب یاد تھی۔ آپ نے فرمایا: جب والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے میری تعلیم کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلے مجھے درود شریف پڑھایا پھر قصیدہ بردہ شریف کا یہ شعر پڑھایا:

كفاك بالعلم في الامي معجزة

فی الجاهلية و التاديب فی اليتم

آپ نے قرآن مجید ناظرہ اور حفظ اپنے والدگرامی سے کیا۔تجوید کے کچھ اسباق لاہور کے قاری صاحب سے پڑھے۔(۸)

تعلیمات:

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے جس پاکیزہ ماحول میں پرورش پائی وہ سراپا رحمت تھا اس میں شدت پسندی کے سائے دور دور تک نظر نہیں آتے تھے۔آپ نے ہمیشہ امن کی تعلیم دی،آپ نے اپنے نظام کے تحت چلنے والے ادارے کے علماء خطباء اور واعظین کو امن کی خصوصی تلقین کی ہوئی تھی۔ذیل امن کے میں آپ کے چند فرمودات دیۓ جاتے ہیں جو آپ نے علماء اور خطباء دیے تھے۔

آپ نے علماء کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

> ''لوگ اس نظام کے تحت مساجد میں آتے ہیں کہ یہاں کے مدارس کا نظم وضبط،اوقات نماز کی پابندی، جمعہ کی تقاریر میں کسی کو برا بھلا نہ کہنا وغیرہ خوبیاں دیکھتے ہیں یا دوسرے مسالک سے تعلق رکھنے والے۔سبھی یہی کہتے ہیں کہ ہمیں اسی حلقہ کے افراد تدریس اور امامت و خطابت کے لیے درکار ہیں۔''(۹)

یعنی آپ نے امن کو اپنے روحانی نظام کا نصب العین ہی قرار دیا ہے، نہ مسلک کی بات نہ مذہب،آپ امن اور انسانیت کی بات کیا کرتے تھے،یہی وجہ ہے کہ دوسرے مکتبہ فکر کے لوگ بھی آپ کے پاس آتے آپ سے تقویٰ،محبت اور امن کا درس لے کر جاتے،آپ کے اسی درس امن کا نتیجہ ہے کہ آپ کے نظام کے تحت چلنے والی ہزاروں مساجد اور مدارس میں کبھی کوئی مسلک یا مذہب کے خلاف کوئی بات ہوئی ہو۔ذیل میں آپ کی تعلیمات سے امن کے بارے میں چند فرمودات پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سلسلہ سے وابستہ واعظین کو بھی تنقید برائے تنقید اور مسلکی اختلافات میں الجھنے سے منع فرمایا،آپ فرماتے ہیں:

> ''وعظ کے لیے عربی تفاسیر اور عربی کتب کا مطالعہ کرو تقریر میں فریق مخالف کا نام مت لو اپنا مسلک سنجیدگی سے بیان کرو،اس سے غیر مذہب کا رد خود بخود ہو جاتا ہے۔اسلام امن وصلح کا پیغام ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر دشمنوں سے لڑائی اور جنگ ہو تو اسلام ان لوگوں سے جنگ کا حکم دیتا ہے جو مقابلہ پر آئیں۔جو مقابلہ کرنے کے اہل نہیں مثلاً عورتیں، بوڑھے

، بچے اور دشمنوں کے مذہبی لوگ اُن پر تلوار اٹھانا منع ہے۔''(١٠)

اس ارشاد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امن کے حوالے سے آپ کی تعلیمات امن کتنی اہم تھیں، آپ واعظین کو احادیث مبارکہ کا حوالہ دے کر امن کی تعلیم دے رہے ہیں۔

آپ نے معاشرے میں بڑھتے ہوئے اختلاف اور شدت پسندی کے خاتمہ کے لیے واعظین کو فرمایا:

''اپنی تقریر اور وعظ میں اصلاحی پہلو مدنظر ہونا چاہیے زیادہ زور اصلاحی امور پر ہونا چاہیے تا کہ معاشرتی ناہمواریاں دور ہوں، اختلافی مسائل بیان کرنے سے گریز کریں کسی کی دل آزاری والی بات نہ کہیں۔''(١١)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کسی کی دل آزاری کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے اور نہ اختلافی مسائل کو زیر بحث لانے کی اجازت دیتے تھے تا کہ معاشرے میں امن برقرار رہ سکے۔ آپ کی ان ہی امن کی تعلیمات کی وجہ سے ہی اگہار سے گلہار بنا جہاں ہر وقت لڑائی جھگڑا ہوتا تھا اب وہاں امن کا طوطی بولتا ہے، لوگ امن وسکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

باہمی الجھاؤ سے اجتناب کی تلقین:

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فرقہ وارانہ الجھاؤ اور اختلاف کو ناپسند فرماتے تھے، کیونکہ اس سے معاشرے کا امن تباہ و برباد ہوتا ہے اور کلمہ گو لوگ گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ آپ نے اس بارے میں فرمایا:

''اپنے موقف پر قائم رہو اور اسے بطریق احسن بیان کر دو۔ دوسروں کے موقف کو ہدف تنقید نہ بناؤ۔ باہمی الجھاؤ کی وجہ سے اصلاحی جذبہ ماند پڑ جاتا ہے بلکہ مفقود ہو جاتا ہے۔ اصل موقف عمل ہے اسی قوت سے ہم دوسروں کو گرویدہ کر سکتے ہیں۔''(١٢)

آپ کے نزدیک جب اپنے موقف پر عمل اور دوسروں کو تنقید بنائے بغیر ہی اچھے طریقے سے ہوگی اور لوگوں کی اصلاح بھی قول و فعل ہی متاثر کرتا ہے۔ آپ کے نزدیک دوسروں کو تنقید کا نشانہ بنانے سے بہتر ہے کہ اپنا قول و عمل درست کیا جائے کیونکہ دوسروں پر تنقید کرنے سے فکری اختلافات میں شدت جنم لیتی ہے جو معاشرے کے امن کو تباہ کرتی ہے اور انسان کا اپنا علم بھی متاثر ہوتا ہے۔ اس بارے میں آپ نے فرمایا:

''ہمیں اپنے قول و عمل سے اپنی جماعت کی ساری ضروریات پوری کرنا چاہیں۔ دوسروں کی

طعن وتشنیع سے ہمیں متاثر نہیں ہونا چاہیے، اس طعن وتشنیع سے مشتعل ہو کر ترکی بترکی جواب
دینا کمال نہیں نزاعی مسائل اپنے مسلک کی روشنی میں کسی دوسرے گروہ کو زیر بحث لائے
بغیر بیان کرنے چاہیں۔"(۱۳)

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وابستگان نزاعی مسائل میں بھی کسی دوسرے مسلک پر جارحانہ تنقید نہیں کرنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ اپنی فکر پر کار بند رہنے کی اجازت دیتے ہوئے اور دوسروں کو طعن وتشفیع کا نشانہ بنانے سے منع فرماتے تھے۔ گویا کہ آپ مکالمہ بین المسالک کے داعی تھے، آپ کی شخصیت کے معتدل ہونے کی یہ بڑی واضح دلیل ہے۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ معلم اور خطیب حضرات کو تلقین فرماتے تھے کہ لوگوں کو دین کے قریب لانے والے بنو نہ کہ دین سے دور کرنے والے، آپ نے فرمایا کرتے تھے:

"معلم اور خطیب حضرات عوام سے ایسا طریقہ اختیار کریں اور تبلیغ کا ایسا انداز اپنائیں کے
لوگ دور ہونے کے بجائے دین کے قریب ہوں۔"(۱۴)

آپ کے نزدیک نزدیک تبلیغ اور دعوت وارشاد کے ثمرات تب حاصل ہوں گے جب ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا تبلیغ کا جس سے لوگ متاثر ہو کر دین کے قریب ہوں نہ کہ دوسروں کے مسلک کو جارحانہ تنقید کا نشانہ بنایا جائے جس سے معاشرے میں بھی فساد ہو اور لوگ بھی علماء کی باہم لڑائی کی وجہ سے دین سے دور ہو جائیں۔ حضرت خواجہ صاحب کا یہ ارشاد کتاب وسنت سے متضاد ہے۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ کبھی کسی دوسرے سلسلہ کے مشائخ سے اختلاف کیا اور نہ کبھی ان پر بیجا تنقید کی بلکہ آپ واعظین کو بھی تلقین فرماتے کہ دوسرے سلسلہ کے لوگوں پر بلا وجہ تنقید نہ کی جائے، آپ فرماتے ہیں:

"عبادت میں اپنے سلسلہ شریفہ کا طریقہ اپنایا جائے مگر دوسرے کے طریقہ میں مداخلت
نہ کی جائے۔ مثلاً اگر کوئی ذکر بالجہر کرتے ہیں تو کریں، نماز فرض کے بعد کلمہ طیبہ بآواز بلند
پڑھتے ہوں تو پڑھیں۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔"(۱۵)

آپ ان مسائل میں اختلاف کو معاشرتی امن کے لیے زہر قاتل تصور کرتے تھے، اس لیے آپ نے ساری زندگی دوسرے سلاسل طریقت کے لوگوں سے نہ کبھی اختلاف کیا اور نہ اُن پر بیجا تنقید کی تا کہ معاشرتی امن برقرار رہے اور لوگ سلاسل طریقت کے درمیان متنازعہ مسائل میں الجھ کر اسلام اور دین سے دور نہ ہوئے

چلے جاتے ہیں جائیں۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نظام کے تحت چلنے والی مساجد میں لاؤڈ سپیکر کے بے جا استعمال سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے معاشرے میں دین ایک طرف سے بے زاری اور دوسری طرف فرقہ واریت کا عنصر ابھرتا ہے آپ کی رائے تھی کہ سپیکر کا استعمال بطور ضرورت ہی کیا جائے۔ جمعہ کے وعظ لے لئے بھی سپیکر اتنی دیر استعمال کیا جائے جب تک وعظ مکمل نہیں ہوتا۔ آپ کے نظام کے تحت چلنے والی مساجد میں وعظ مختصر اور جامع ہوتا ہے کسی قسم کے مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں سے منع فرمایا گیا ہے۔

حکومت پاکستان آذان کے علاوہ لاؤڈ سپیکر پر پابندی لگا رہی ہے جبکہ حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندیؒ نے اپنے نظام کے تحت چلنے والی مساجد میں آج سے نصف صدی قبل اس کے بے جا استعمال پر پابندی لگا دی تھی۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حقوق العباد کی بڑی تاکید فرماتے تھے آپ کے نزدیک ان حقوق کی بجا آوری کے بغیر معاشرے میں امن قائم نہیں ہوسکتا، آپ نے فرمایا:

''ہر مسلمان دو طرح کی حقوق کی ادائیگی کا مکلف ہے۔

۱۔ اللہ کے حقوق

۲۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق۔ پہلی قسم کو حقوق اللہ کہتے ہیں جب کہ دوسری قسم کے حقوق العباد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ارحم الراحمین ہے اس کی رحمتوں کا دروازہ ہر آن ہر نیک و بد پر کھلا ہوا ہے، اس نے شرک اور کفر کے سوا ہر گناہ کو اپنے ارادہ اور مشیت کے تحت قابل معافی قرار دیا ہے۔ مگر حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی اور تقصیر کی معافی ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے ساتھ وہ ظلم اور ناانصافی ہوئی۔ جب تک ظلم اور ناانصافی ہوتی رہے گئی معاشرے میں محبت اور بھائی چارہ قائم نہیں ہو سکے گا۔''(۱۶)

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی معاشرے کے امن کے لئے حقوق العباد کا خیال رکھنے کی بھی تاکید بھی فرماتے، جب تک معاشرے میں حقوق العباد کا خیال نہیں رکھا جاتا معاشرے سے بے چینی اور اضطراب کا خاتمہ نہیں ہوسکتا معاشرہ بھی پرسکون نہیں ہوسکتا، اسے لوگوں کے دلوں میں عداوت اور عدم برداشت بڑھتی ہے جو معاشرے کے امن کو تباہ کر دیتی ہے۔

ایک اور جگہ حقوق العباد کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''کسی کا ایک پیسہ بھی ناحق نہیں رکھنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ انسان پیسے کو معمولی سمجھے اور وہی پیسہ سب کچھ برباد کر دے۔''(۱۷)

آپ عیاشی کو بھی معاشرے کی خرابی، اور فساد کی وجہ قرار دیتے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

''لوگ اپنی ضروریات یا عیاشی کے لئے چوری کرتے ہیں اور دوسرے کا مال ناحق کھاتے ہیں اس سے پورے معاشرے کا امن تباہ ہوتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔''(۱۸)

آپ کے نزدیک معاشرے میں تب ہی امن قائم ہوسکتا ہے جب لوگوں کو ان کے حقوق مل رہے ہوں، جب لوگ ناجائز اور جائز طریقے سے مال و دولت جمع کرنا شروع کر دیں اور غرباء کو نظر انداز کر دیں گے تو معاشرے کے ستائے ہوئے لوگ اپنی ضرویات کے لئے چوری ہی کریں گے۔ اس سے ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاسے دیکھتا ہے اور معاشرے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

عفوودرگزر اور برداشت کی تاکید:

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ عفوودرگزر کے ساتھ ساتھ تحمل اور برداشت کی تاکید فرمایا کرتے تھے، عفودرگزر سے ہی محبت اور بھائی چارہ قائم ہوسکتا ہے ورنہ لوگ آپس میں لڑتے رہیں گے، جب تک ایک دوسرے کی غلطی معاف نہیں کریں لوگ عفوودرگزر کے بغیر معاشرے میں کیسے رہیں گئے؟ مفتی محمد علیم الدین صاحب نے ایک نشست میں راقم کو آپ کا ایک واقعہ سنایا، آپ نے بتایا کہ دربار شریف سے ایک آدمی چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا، اُسے آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اس کو ضرورت تھی تو آیا ہے نا آپ کے عفودرگزر کی یہ اعلیٰ مثال ہے، آپ چاہتے تو اس کو پولیس کے حوالے بھی کر سکتے تھے، مگر یہاں معاملہ آپ کی ذات کا تھا، آپ نے عفودرگزر سے کام لیا اور لوگوں کو بھی عملی طور پر اس کی تعلیم دی کہ جب اپنی ذات کا معاملہ ہو تو عفودرگزر سے کام لو۔

آپ نے اپنے مکتوبات میں بھی عفودرگزر کی بار بار تاکید فرمائی ہے چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو فرمایا:

''بندہ کو یہ جان کر دکھ ہوا کہ آپ کی دل آزاری ہوئی ہے، آپ کا تعلق اس خاندان سے ہے جنہوں نے پتھر کھا کر دعائیں دیں۔ آپ عفودرگزر سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درگزر کرنے والوں کا بڑا مقام ہے۔''(۱۹)

آپ نے اس مکتوب میں واقعہ، طائف کی مثال دے کر بڑے احسن طریقے سے عفودرگزر کی تلقین

فرمائی ہے۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ دو آدمیوں کی باہمی گفتگو کو چوری چھپے سننے کو بھی معاشرے کیلیے زہر قاتل سمجھتے تھے چناچہ آپ نے فرمایا:

> ''بعض لوگ دوسروں کی باہمی گفتگو کو چوری چھپے سننے کو ایک معمولی اور جائز حرکت خیال کرتے ہیں جبکہ اس پر بعض اوقات بڑے نقصانات کا باعث ہوتا ہے۔اور لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں، لہٰذا کسی دوسرے کی باہمی گفتگو کا اس طرح نہیں سننا چاہئے۔''(۲۰)

یعنی آپ کے نزدیک معاشرہ کی امن اور کے لئے کسی لوگوں کی ذاتی باتوں کو سننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور نہ کسی کو کسی کی ذاتی زندگی کے بارے میں بتانا چاہیے۔آپ کے نزدیک ہر وہ برائی معاشرے کے امن کو تباہ کرتی ہے جس کو لوگ چھوٹی چھوٹی برائیاں سمجھ کر کرتے رہتے ہیں۔

پیش نظر تحقیقی مقالے سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

درحقیقت تصوف اسلام کی وہ روح رواں ہے جس سے امن وآشتی اور محبت کے پھول کھلتے ہیں۔آج ہمارے ملک اور اسلامی دنیا میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی، شدت پسندی، فرقہ واریت، عدم برداشت اور افتراق امت درحقیقت اسلام کی روح تصوف سے دوری کا نتیجہ ہے۔ان سب مسائل کا علاج تصوف میں مضمر ہے۔

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی کی تعلیمات اور آپ کی ذات سراپا امن ہیں اور محبت کا درس دیتی ہے۔آپ نے ہمیشہ دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کی بات کرتے دوسروں کے مذہب اور مسلک کو بلاوجہ برا بھلا کہنے سے روکتے۔

آپ نے اپنے وابستگان کو باہمی الجھاؤ سے بچنے کی تلقین فرمائی، واعظین کو ایسا اسلوب اختیار کرنے کی ترغیب دی جس سے لوگ دین کے قریب ہوں۔اپنے سلسلہ طریقت سے وابستہ لوگوں کو دوسرے سلاسل طریقت کے لوگوں پر بیجا تنقید سے منع فرمایا۔

لوگوں کی گفتگو کو چوری چھپے سننے اور ان کے ذاتی امور دوسرے کے سامنے ظاہر کرنے سے اجتناب کی تلقین کی۔

آپ خود بھی عفو ودرگزر کے پیکر تھے اپنے وابستگان کو بھی یہی درس دیا، حقوق العباد کی تاکید فرمائی۔

آپ نے لوگوں کو ذہنی تکلیف دینے سے اجتناب کی تاکید فرمائی جس سے معاشرتی بدامنی جنم لیتی ہے،حتیٰ کہ مساجد میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو بھی محدود رکھنے کی نہ صرف تلقین فرمائی بلکہ اپنے زیرِ انتظام مساجد میں اس امر کا عملی طور پر اہتمام بھی کیا۔

آج ضرورت ہے کہ معاشرتی امن سے متعلق حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندیؒ اور دیگر مشائخ کی تعلیمات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تا کہ معاشرے میں امن کے پرچم لہرائیں،اور لوگوں کو امن واماں نصیب ہو۔آج کوئی اپنا ہو یا پرایا سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندیؒ نے ہمیشہ محبت، امن اور برداشت کا درس دیا ہے۔

♦♦♦

حواشی وحوالہ جات

١۔ گمبھو لاربا،تصوف اوراسلام،امریکہ:مطبوعہ ییل یونیورسٹی،٢٠٠٢ء،ص:١٤٥

٢۔ محمد طاہر،ڈاکٹر،حقیقت تصوف،لاہور:مکتبہ منہاج القرآن،١٩٩٢ء،ص:٤٣

٣۔ آل عمران:٧٣

٤۔ دہلوی،حضرت عبدالحق،اخبارالاخیار،کراچی:مدینہ پبلشنگ کمپنی،١٩٨٩ء،ص:١٤٥

٥۔ ہجویری،علی بن عثمان،کشف المحجوب،لاہور:مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ،١٩٩٦ء،ص:١١٨

٦۔ محمد علیم الدین،مفتی،تذکرۂ جاناں جہلم:مکتبہ سلطانیہ،٢٠١٤ء،ص:١٥

٧۔ فیض عالم،حاجی،بیاضِ فیض،جہلم:مکتبہ سلطانیہ،٢٠٠٠ء،ص:٤١

٨۔ محمد علیم الدین،مفتی،آفتاب مشائخ،جہلم:سلطانیہ پبلیکیشنز،٢٠١٤ء،ص:٥٩٢

٩۔ قریشی،عبدالعزیز،اسراراولیا،گلہار کوٹلی:مطبوعہ جامع الفردوس،١٩٩٤ء،ص:٩٤

١٠۔ بقا محمد،حاجی،تحفہ سلطانیہ،جہلم:مکتبہ خانقاہ سلطانیہ،٢٠٠٩ء،ص:٢٤

١١۔ محمد علیم الدین،مفتی،خانقاہ نور ھدایت،جہلم:مکتبہ خانقاہ سلطانیہ،٢٠٠٩ء،ص:٣٤

١٢۔ معین نظامی،ڈاکٹر،تذکرہ سلطانیہ،جہلم:مکتبہ خانقاہ سلطانیہ،٢٠٠٩ء،ص:٣٤

۱۳۔ محمد علیم الدین، مفتی، تذکرہ جاناں، جہلم: مکتبہ خانقاہ سلطانیہ، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۵
۱۴۔ مجددی، محمد منیر، تذکرہ صادق، گلہار کوٹلی: مطبوعہ جامع الفردوس، ۲۰۰۸ء، ص: ۲۷
۱۵۔ معین نظامی، ڈاکٹر، تذکرہ سلطانیہ، ص: ۲۴۱
۱۶۔ محمد علیم الدین، مفتی، خانقاہ نور ھدایت، ص: ۴۴
۱۷۔ بقا محمد، حاجی، تحفہ سلطانیہ، ص: ۹۴
۱۸۔ قریشی، عبدالعزیز، اسرار اولیاء، ص: ۵۸
۱۹۔ اکبرداد، پروفیسر، مکاتیب الفردوس، گلہار کوٹلی: مطبوعہ جامع الفردوس، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۳۴
۲۰۔ محمد علیم الدین، مفتی، آفتاب مشائخ، ص: ۵۹۳

◆◆◆

إسهامات خواجة غلام فريد في نشر الأمن والسلام

Khawaja Ghulam Fareed's (R.A) Contribution to the Promotion of Peace and Harmony

Dr. Muhammad Iqbal

Assistant Professor, Department of Arabic

National University of Modern Languages, Islamabad

Abstract

It is a matter of fact that sufi saints played a vital role in spreading peace in the world through their unique way which made so many people embrace Islam and live with one and other in harmony. Khawaja Ghulam Fareed, being a prominent religious and spiritual personality in Sub-continent, contributed to the promotion of peace and harmony among the people of this region through his preachings and poetry.

This article elucidates Khawaja Ghulam Fareed' Sufi idealogy which was influenced by the Quran, Hadees and great saints like Ibn-e-Arbi, Junaid and Mansoor (R.A), in spreading peace and harming among the people of Sub-continent.

Key Words: Khawaja Ghulam Fareed, Seraiki Poetry, Spiritualism, Peace, Harmony

ومن الحقائق الثابتة بأن الصوفية لعبوا دورًا هامًّا في نشر الأمن والسلامة في العالم كلِّه،

لأن العلماء العارفين هم في الحقيقة يمثِّلون الأنبياء الصالحين في تبليغ رسالة الأمن والسلام على الأرض كلها، والمعروف في شبه القارة بأن الإسلام انتشر هنا بسبب جهود الصوفية الكرام أمثال نظام الدين أولياء، وبختيار كاكي، وداتا على هجويري، ومعين الدين جشتي أجميري وغيرهم رحمهم الله تعالىٰ رحمة واسعة.

ومن هؤلاء الصوفية الكبار خواجة غلام فريد (ت: ١٩٠١م) الذي لعب دوره الهام في نشر الأمن والسلامة في شبه القارة الهندية عامةً وفي إمارة بهاولفور خاصةً بتعليماته وإرشاداته في صورة الشعر والوعظ والمؤلفات بالإضافة إلى إسهاماته العملية.

فهذا المقال المتواضع يتحدث في البداية عن كلمتي السلام والأمن، ثم عن الشاعر الروحاني الكبير خواجة غلام فريد -رحمه الله تعالى- بالإيجاز، وكما يُبيِّن موقفه في قضية الأمن والسلام في ضوء شعره حول التصوف وأفكاره.

فلاشك أن السلام مطلب طبيعيٌّ للإنسان يحبُّه ويبتغيه كلُّ من كان سليم الفطرة، وهو كطلب للبشرية جمعاء، وقد مسَّت حاجة عصرنا وبلدنا إلى السلام.

فمصدر الإسلام هو "السلام" الذي مما يلحق المخلوقين من العيوب والنقائص والفناء يملك السلام والصحة والعافية، ويمنحه من يشاء من عباده، وهو ذو سلام الذي يملك السلام والصحة والعافية.

> The word “Islam” comes from the same Arabic root as the word peace.(١)

و"السلام": الصلح والصحة والعافية من العاهة والأذى والبراءة من العيب والنقص والمسالمة، وكذا السلم: الصلح قال الله تعالى:

وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا(٢)

والسِّلم: السلامة والسلامة: البراءة، وقال الأعرابي السلامة: العافية....... وقال أبو الهيثم: السلام: التحية معناهما واحد، ومعناهما السلامة من جميع الآفات، والسلام والاستسلام الانقياد" (٣)

و"السلام" اسم من أسماء الله عز وجل:

هُوَ اللهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ (٤)

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دعائه بعد صلاته: (اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ) (٥)

وأنزل الله سبحانه وتعالى كتاب الهداية في "ليلة السلام"، كما قال تعالى:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ، سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (٦)

وجعل الله سبحانه وتعالى القرآن الكريم وسيلة هداية إلى طرق الأمن وسبل السلام بقوله تعالى:

يَهْدِيْ بِهِ اللهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٧)

ثم وعد ربنا من اتبع هداه بأن يدخلهم "دار السلام" التي أعدها لعباده الذين دخلوا في السلم كافة في هذه الدنيا، فقال تعالى:

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٨)

والدعوة منه عامة إلى "دار السلام" كما قال تعالى:

وَاللهُ يَدْعُوْ إِلٰى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٩)

وقد ورد في الحديث في تعريف المسلم:

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ (١٠)

والمؤمن: هو الذي يعطي ويمنح الأمن لمن يشاء من عباده في الدنيا والآخرة، كما قال الله تعالى:

وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (١١)

وإذا أضيف الإيمان إلى بني آدم كما معناه ما بيّنه الرسول صلى الله عليه وسلم بقوله:

الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (١٢)

وأما شاعرنا فهو خواجة غلام فريد ولد في قرية "چاچڑاں" من في عام ١٢٦١هـ ـ ١٨٤٥م (١٣)، وتوفي في قرية "کوٹ مٹھن" في عام ١٣١٩هـ ـ ١٩٠١م مضافات رحيم يار

خان من البنجاب الجنوبي۔(۱۴) وكان ينتمي خواجة إلى أسرة كريمة ومتدينة، فارتوى من هذا المنهل العذب والبيئة العلمية، وتربى وترعرع على الفضائل الحميدة والأخلاق الطيبة.

خواجة أكمل العلوم الإسلامية والفنون المتداولة كالتفسير والحديث والفقه والكلام والصرف والنحو والبلاغة وغيرها تحت إشراف أخيه الكبير خواجة غلام فخر الدين۔ (۱۲۳۴ـ۱۲۸۸ھ) (۱۵) ثمَّ تعلّم الفنون الأخرى أمثال الموسيقي والشعر والأنساب والجغرافيا والجفر وحساب الجمل فاجتهد في تلقيها، ونبغ فيها كأنه كان مجمع العلوم ودائرة المعارف۔(۱۶)

وهو كان يجيد اللغات المختلفة كالسرائيكية والفارسية والعربية والفارسية والسندية على المستوى المطلوب، ويشهد على براعته فيها أبياته التي كان ينشدها بالطَّلاقة، وبصفة خاصةٍ ديوانه المسمى ب"ديوان فريد" في اللغة السرائيكية الذي يشتمل على ۲۷۲ قصيدة.

كما يقول مسعود حسن شهاب موضِّحًا تفصيله:

> "إن خواجة تعلَّم العربية والفارسية ليتلقى العلوم الإسلامية والشرعية، وعندما برع في العلوم الإسلامية والشرعية، بدأ يتعلم ويتقن اللغات الأخرى مثل السندية والهندية والبورية، حتى يستفيد من ثقافات تلك اللغات وثرواتها العلمية، وأيضًا كانت له علاقة بسيطة بالإنجليزية واللاتينية۔"(۱۷)

وهذا الديوان احتلَّ مكانة سامية في اللغة السرائيكية وآدابها، وازدهر جمال هذه اللغة المحلية باستخدام كلمات اللغات المتعددة في مواضع دون أخرى.

ويقدِّر أهل الثقافة وعامة الناس شعره لما يحفل من النصائح الطيبة والإرشادات الراقية والمواعظ الحسنة وحبِ الله تعالى وحبِ رسوله الكريم ﷺ، بالإضافة إلى استخدامه كلمات الآيات القرآنية والأحاديث النبوية ومعانيهما والتراكيب العربية في مواضع متعددة من شعره، وبذلِه جهودًا مضينةً طيلة عمره في الدعوة الإسلامية بشعره، وازدادت أهمية شعره البارع بما اشتهر على ألسنة الناس صغيرهم وكبيرهم وجاهلهم وعالمهم تلقائيًا.

وكان خواجة غلام فريد الشاعر الصوفي الذي حمل رأية الشعر السرائيكي، وبلغ به الذروة، بل قد عبد الطريق لشعراء نوابغ من بعده، وساروا على خطاه.

ورغم عظمة خواجة غلام فريد ورسوخ قدمه في الشعر السرائيكي لم يحظَ بعنايةٍ بالغةٍ من قِبَل النقاد والأدباء لأنهم لم يكتبوا حول شخصيته وفكرته في اللغة العربية، وما أضافوا شيئًا جديدًا في المكتبة العربية مع أن خواجة غلام فريد كان يحبُ العرب وعاداتهم حبًّا غزيرًا، ويُكثِر ذكرهم في أشعاره.

ونستنج مما سبق بأن شاعرنا خواجة غلام فريد توارث العلوم المتداولة من آبائه وأجداده، وتلقَّى العلوم الأخرى ومعرفة اللغات بالقراءة الشخصية، وكان رجلًا عبقريًّا تفوَّق في مجال العلم والأدب على جميع علماء عصره.

أ۔ إسهامات خواجة غلام فريد الشعرية الفكرية في نشر الأمن والسلام:

وكما رأينا —من قبل- بأن خواجة غلام فريد عالما كبيرًا وشاعرًا عظيمًا فكان ينبغي لمثل هذا العالم الكبير أن يساهم في نشر الأمن والسلام بين أهالي شبه القارة، لأنهم كانوا منقسمين بين مذاهب وأفكار متعددة، وكانوا ينازعون في مسائل إسلامية فروعية كثيرة، ولكن خواجة غلام فريد يحب الأمن والسلام بين أهل شبه القارة.

لذلك اختار خواجة أدوات الشعر والتأليف وإلقاء المحاضرات لإيصال رسالة الأمن والسلام مثل الصوفية القدامى في هذه المنطقة الخضرة.

ولا شك عندما نقرأ أبياته نراها مليئةً بالصور الجميلة والمعاني اللطيفة، وأكثر قصائده ومقطوعاته تقريبًا، تمَتُ بصِلةٍ إلى الآيات القرآنية والأحاديث النبوية على أفكاره الصوفية كأنهما المنبعان الأساسيان لقاموسه اللغوي واستلهام أفكاره الروحانية.

فنظم خواجة غلام فريد —رحمه الله تعالى- الشعر لأن يغرس أفكار التصوف القيِّمة في قلوب الناس لمنطقته، لكي يعيشوا في رحابها في أمن وقرار، كما عاش المسلمون من قبل في عصور الانحطاط في ظلِّ هذه الأفكار الذَهَبِيَّة في أمنٍ وسلام كأنَّه من مساهمات خواجة الفكرية.

درس خواجة نفسه التصوف وهذه الفكرة بالدقة وأمْعَنَ النظر فيها ووضَّحها في رسالته التي كتبها باسم "فوائد فريدية" هكذا:

"إن الله هو الذات المطلق والوجود المحض لا يحصر ولا يتشكل، وهو في سائر الموجودات حتى القطرة والذرة لا تكون خالية من تجليات قدرته، فجميع الموجودات من حيث الوجود عينه ومن حيث التعين والاعتبار غيره۔"(١٨)

ثم أوضح شيئًا هامًّا آخر بأن:

"الناس الذين يطلقون أسماء مراتب الألوهية على مراتب العبودية وهكذا عكسه، هم من الجَهَلَة، ولا يعرفون شيئًا لأنه لا يجوز قطعًا، وهذا كفرٌ وإلحادٌ وزَنْدَقَةٌ نعوذُ بالله منها"(١٩)

وكما رفض خواجة القضية الشائعة في عامة الناس بأن الصوفية يحصلون على الدرجة التي تستوي فيها مكانة العبد والمعبود من كثرة العبادات والمجاهدات، فعنده منتهى الأنبياء والأولياء الصالحين هو التوحيد العالي ولا يخرجون من البشرية والعبودية۔(٢٠)

ويذكر خواجة غلام فريد خلاصة قوله في هذه الفكرة في الشعر الآتي:

سمجھ سنجاݨیں غیر نہ جاݨیں سبھ صورت ہے عین ظہور (٢١)

أي: أَيُّها السالك اعلم! إن تجليات الله توجد في كلِّ شيئٍ للعالم فلا تنسب شيئًا إلى غيره لأنه هو عين كلِّ شيئ.

أي: تبَيَّنَ الحُسْنُ الأَزَلي تمامًا فأصبح كلُّ وادٍ أيمنَ وكلُّ حجرٍ طورَ سيناء.

وهكذا رغَّب خواجة السالكين إلى اختيار الطريق التحقيقي وتركِ طريقِ تقليدٍ لأنه يرى فيه راحة وسكون، قائلًا:

بٹھ گھت ریت روش تقلیدی ره تحقیقی، سلک فریدی
کر منظور تے تھی مسرور (٢٢)

أي: أَيُّها السالك في الطريقة! لو أنت تحتاج إلى بحثٍ وتحقيقٍ فاخترْ مسلَكَ فريدٍ، ومن الآن أبدًا أن تَنظُرَ إلى جميع الموجودات بنظرة تحقيق وتفكير في أسباب خلقِها، واتْرُكْ طُرُقَ تقليدِ عمياءَ، وفيه لك راحةٌ وَمسرَةٌ وسلام وأمن.

يقول الله تعالى عن التجنب من الشرك على لسان لقمان يعظ ابنه:

"يَابُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ، إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ"(٢٣)

ويقول:

"إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ"(۲۴)

ويقول:

"قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ"(۲۵)

کر توبہ استغفار سدا رکھ بدعت شرکوں عار سدا

تھے محض موحد صاف یگانہ(۲۶)

أي: تُبْ إلى الله توبةً نَّصوحًا، وعليك بالحذر عن البدعة والشرك، وكُنْ موحِّدًا خالصًا.

قال الله تعالى عن الحياة الدنيوية وفنائها: إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ"(۲۷)، و"وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ"(۲۸)، و"مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔(۲۹)

دنیا دا نہ تھی آشنا ہے اے مکارہ بے وفا (۳۰)

أي: أخرج حب الدنيا من نفسك لأنها مكارة وخائنة.

تھی غافل اصلوں ہک نہ گھڑی ہن ہتھ مل مل پر تاب ذری (۳۱)

أي: لا تغفل عن الآخرة ساعة وتحسَّرْ وتلهَّفْ على حياتك الماضية.

يقول الله عزَّ وجلَّ عن فناء الدنيا و بقاء ذاته: "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَّيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ"(۳۲)، ويقول: "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ"(۳۳). فيقول خواجة:

کل شے غیر خدا دی ہالک بے بنیاد (۳۴)

أي: كل شيئ هالك وحادث إلا الله، وهو قال مستفادًا من قوله: "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ"(۳۵)

ما خلا اللہ باطل بے شک کوڑ پپال (۳۶)

أي: كل ما سوى الله باطل وإنه مكر وخدعة. وكما يقول الشاعر الجاهلي الشهير لبيد:

ألا كل شيئ ما خلا الله باطل وكل نعيم لا محالة زائل (۳۷)

وهكذا يقول خواجة في مقام آخر في شعره باللغة العربية تقريبًا:

ويبقى وجه ربك باقي كل شے فان (۳۸)

فوضع الشاعر في الشطر الأول الآية الكريمة بنصِها: "وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ"(٣٩)، ويقول الشاعر في الشطر الثاني بأن كل شيئ ما سوى الله فان، وهذا معنى قوله تعالى: "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ"(٤٠). يقول الله عزَّ وجلَّ: "إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ"(٤١)

فنستنتج مما سبق بأن خواجة غلام فريد أراد يغرس في قلوب الناس بأن ما هو يُوصل إلى الله والأمن والسلام هو فكرة التصوف وأفكاره العالية الاعتصام بالتوحيد والاجتناب من الشرك وفناء الدنيا والبقاء لله وحده.

ب-مؤلفات خواجة غلام فريد لنشر فكرة الأمن والسلام

لإيصال فكرة نشر الأمن بين الناس قام خواجة غلام فريد بتأليف الكتب والرسائل وإلقاء المحاضرات، لأن لخواجة غلام فريد –رحمه الله تعالى- كانت علاقة وثيقة بالعلوم الدينية والمعارف المختلفة، وبصفة خاصَةٍ كان له إلمام شديد بالتصوف وقضاياه الدقيقة وكان يرغب في البحث والمذاكرة، كما يقول الدكتور محمد أفضل رباني في مقاله عن خواجة غلام فريد:

> "كان خواجة غلام فريد راغبًا في البحث والدراسة والعلوم والمعارف المختلفة، وبصفة خاصةٍ كان يبحث في مسائل التصوف بدقة، ويشهد على براعته العلمية ما كتبه أو جمع ما ألقاه من محاضراته العلماء الآخرون مثل "رسالة فوائد فريدية، و"ملفوظات مقابيس المجالس" و"مناقب فريدي" و"إرشادات فريدي"، وكان الشيخ متمسِكًا بالشريعة الإسلامية تمسُكًا شديدًا ومحاربًا للبدع السيئة والخرافات والعادات الباطلة۔"(٤٢)

ومن المؤلفات السابقة الذي ذكرها الدكتور ربَاني: "رسالة فوائد فريدية" و"رسالة إرشادات فريدي" اللتان تشتملان على المسائل الواجبة الكثيرة الهامة للسالك في مجال التصوف، فالمؤلفات الأخرى مثل "ملفوظات مقابيس المجالس" وشرح لوائح عبد الرحمن الجامي" جمعها ورتَبها العلماء الآخرون واهتموا بنشرها أخيرًا۔(٤٣)

ج۔إسهامات خواجة غلام فريد العملية

ونذكر أخيرًا بأن خواجة لم يساهم في نشر الأمن والسلام بأداتي الشعر والوعظ فقط بل

شارك في انتهاء المنازعات الدينية الكبيرة حسب سمعته وشهرته في مجال العمل مثل أسلافه.

١ ـ مساهمة خواجة في إنهاء المنازعة بين الناس

تحدثنا من قبل بأن خواجة توارث العلوم المتداولة من آبائه وأجداده، وتلقَى العلوم الأخرى وتعلَّم اللغات المتعددة، فأصبح رجلًا عبقريًا تفوَّق على جميع علماء عصره في مجال العلم والأدب.

والدليل البيِّن على ذلك بأنه حاول كثيرًا لأجل نشر الأمن والسلام عندما اختاره الناس فيصلًا وحَكَمًا بين فريقين من كبار علماء بنجاب والهند في المناظرة التي انعقدت في إمارة بهاول فور تحت إشراف أمير بهاول فور في سنة ١٨٨٩م الموافق ٣ من شهر شوال المكرم ١٣٠٦ھ(٤٤)۔ وأيضًا وافق علماء كلا الجانبين بسبب علمه الغزير بكونه حكَمًا مع أنهم كانوا ينتمون إلى آراء متفاوتة وخلافات شديدة في المسائل الكلامية الفروعية۔(٤٥)

لذلك عندما قرَّر خواجة بين الفريقين قرارًا نهائيًا فكان كلا الفريقين فرحين مطمئنين فعاد الأمن والسلام في جميع المنطقة التي كانت ستتوقع الأحوال المتوتِّرة لسبب هذه المنازعة الكبيرة بين علماء هذه المنطقة.

٢ ـ مساهمة خواجة الشعرية في إعادة سلام الإمارة بهاولفور

وذلك حينما حثَّ خواجة ابن الأمير عندما أصبح شابًّا لأن الإنجليز احتلوا أمرة بهاول فور بعد وفاة الأمير النواب محمد صادق الرابع- أمير بهاول فور- وكانت بينهما علاقة الصداقة الحميمة والحنان الكبير منذ صِغَر السِّن أثناء تربيته ونشأته القصر الملكي، وذلك عندما توفِّي والد خواجة غلام فريد سنة ١٨٥٢م، الذي كان صوفيًا تقيًا وكان من مريديه أمير بهاول فور الكبير. وأراد الأمير أن يذهب بابن شيخه إلى بيته ويُرَبِّيه تحت إشرافه، وحينما توفِّي هذا الأمير الكبير فسيطر على إمارة بهاول فور الإنجليز، وكان ابنه صغيرًا لم يبلغ أشدَّه، وإذا أصبح شابًّا فبدأ خواجة غلام فريد أن يحثَّه على التمكن على إمارة بهاول فور ويبثُّ فيه جرأةً لسلوك أمور الإمارة وهدم مراكز الحكومة الإنجليزية التي كانت تُفسد في الإمارة فصرَّح خواجة في هذه القصيدة بأن الناس يريدونه وتضايق أهل بهاول فور من السلطة الإنجليزية بسبب محاولتهم في تحقيق أمورهم الخاصة، وسيكون معكم جمع من الناس حتى الأمراء

وحُكّام الوقت (راجہ) في السند والهند يساعدونك لأنهم كلهم يخافون منك وسيرضون بسيادتك العظمى.

وهنا ندرس القصيدة بأكثرها:

يا صبح صادق خان! عليك أن تحكم الآن بالطمانينة
وتزَيَّنْ بالإكليل وتتحلّى بسائر أدوات الزينة
اتكئ إلى أزهار الفراش بالفرحة، تضيف رُواء العزة والأريكة
واعمرْ بلدك العزيز نفسك، واهدم مراكز السلطة الإنجليزية
تهتزّ الدنيا من سيادتك العظمى، يهتلك الأمراء مزعورين
يتقبّل الحكّام السلاطين رئاستك القويّة كلّهم، يتباعون أنفسهم لك تبرُّعًا
يُحبُك جميع من الأتقياء والصلحاء، ويُوظِّف عندك حكام الولاية توظيفًا
يجلس معك كلٌ من الحكماء والفضلاء، كأفلاطون في حضرتك تأدُّبًا
اشتهرت قصص جُودك وسخائك، فيما بين النسوة والرجال من الدنيا
وبين الشيوخ والفتيان والأقوياء والضعفاء، والأطفال يستفيضون مهويًا
اقضِ حبيبنا العزيز ويوسف الثاني، أحب إليَّ غُناج وحركاتك شديدًا(۴۶)

ولحثِّ خواجة تجرّأ ولي عهد الأمير وتولى رئاسة الإمارة فأعاد أمن الإمارة إلى أصلها من جديد. فحقًّا مساهمة خواجة في مجال الأمن والسلام في المنطقة محمودة جدًّا، ومازال أهل بهاولفور يتذكرونها منذ ذاك الوقت هذه المساهمة الطيبة والمشاركة الفعَالة في إعادة الأمن الحقيقي والسلام في هذه الإمارة الجليلة.

نتائج البحث

وبعد هذا التجوال الطويل مع شعر خواجة غلام فريد خلال هذا البحث المتواضع، فقد توصَلتُ إلى بعض النتائج التي أسجِّلها كالآتي:

۱۔ السلام هو الصلح والصحة والعافية من العاهة والأذى والبراءة من العيب والنقص والمسالمة، وكذا السلم بمعنى الصلح

۲۔ السِّلم هو السلامة، والسلامة هي البراءة، ومعناهما السلامة من جميع الآفات، والسلام والاستسلام هما الانقياد.

۳۔ إلمام خواجة غلام فريد بالعلوم الإسلامية والفنون العربية كوَّن لديه مقدرةً على نظم الشعر وإلقاء المحاضرات القيِّمة في مجالات متعددة من الكلام والفقه والتصوف.

۴۔ إنَّ خواجة غلام فريد ما كان شاعرًا صوفيًا فقط، بل كان من الشعراء الاجتماعيين لأنه بكى آلام شعبه، وأرشدهم إلى الصراط المستقيم وطريق النجاة في الدنيا والآخرة.

۵۔ كون فكرة خواجة غلام فريد الواضحة حول التصوف وأفكاره هو الأمر الوحيد الذي يُجنِّب الناس من الفساد والتوتر في المجتمع، استخدم خواجة أداة الشعر لإيصال هذا الغرض ودعا الناس فيه إلى التصوف وأفكاره القيِّمة.

۶۔ بالإضافة إلى الشعر نصح خواجة غلام فريد الناس وأرشدهم إلى فكرة الأمن والسلام بوسيلة المحاضرات لأنه كان شغوفًا جدًّا في البحث والمذاكرة.

۷۔ وبالإضافة إلى الشعر والمحاضرات ساهم خواجة غلام فريد وشارك في رسالة نشر الأمن وبثِّ السلام في المجتمع والمنطقة شخصيًّا عندما اختير حكمًا وفيصلًا في إمارة بهاول فور للمناظرة التي كانت بين فريقين في مسائل كلامية فروعية، وكان من المتوقع أن توتَّرت الأحوال في المنطقة كلِّها وفشا الفساد في جميع الأماكن.

۸۔ وهكذا ساهم خواجة في إعادة الأمن والسلام في بلدته بهاول فور عندما حرَّض ابن الأمير على تولي أمور الإمارة بعد احتلال الإنجليز وسيطرتهم بعد وفاة الأمير مبكِّرًا.

♦♦♦

الهوامش والمصادر

1. Karen Armstrong. Holy War, Macmillan Limited, London, 1988,p25.

۲۔ الأنفال: ۶۱

۳۔ الإفريقي، ابن منظور، جمال الدين مكرم بن مكرم، لسان العرب، دار صادر بيروت، مادة سلم.

۴۔ الحشر: ۲۳

۵۔ مسلم، الصحيح، المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، الحديث: ۹۳۱

۶۔ القدر: ۵

۷۔ المائدة: ۱۶

۸۔ الأنعام: ۱۲۷

۹۔ يونس: ۲۵

۱۰۔ النسائي، أحمد بن شعيب، سنن النسائي، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الثانية، ۱۴۰۶ھ، كتاب الإيمان، باب صفة المؤمن، الحديث: ۴۹۹۵

۱۱۔ قريش: ۴

۱۲۔ الترمذي، السنن، الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه، الحديث: ۲۵۵۱

۱۳۔ فيروز، محمد أنور، گوهر شب چراغ، سرائيكي أدبي مجلس بهاولفور، الطبعة الثالثة، ۱۹۹۹م، ص: ۳۱

۱۴۔ مولوي فريدي، نور أحمد، شرح ديوان فريد، قصر الأدب رائتر كالوني ملتان، الطبعة الأولى، ۱۹۷۸م، ۳۹/۱

۱۵۔ دائرة المعارف الإسلامية بالأردية، جامعة بنجاب، لاهور، ۱۹۵۷م، ۳۳۵/۱۵

۱۶۔ المرجع نفسه، ص: ۲۷۵

۱۷۔ شهاب، مسعود حسن، خواجة فريد (حيات وشاعري)، أردو أكاديمي، بهاولفور، الطبعة الثالثة، ۱۹۸۴م، ص: ۴۴-۴۵

۱۸۔ خواجة غلام فريد، فوائد فريدية، سرائيكي أدبي مجلس، بهاول فور، ۱۹۹۸م، ص: ۱۲۴

١٩۔ المرجع نفسه، ص: ١٢٤

٢٠۔ كبتان سيال، واحد بخش (مترجم)، مقابيس المجالس، بزم اتحاد المسلمين لاهور، ١٤١١ھ، ١٢٧/٣

٢١۔ جانديو، جاويد أحمد (مرتب)، ديوان فريد، سرائيكي أدبي مجلس بهاولفور، ١٩٩٩م، رقم القصيدة: ٥٠، ص: ١١٠

٢٢۔ المرجع نفسه، رقم القصيدة: ٥٠، ص: ١١١

٢٣۔ لقمان: ١٣

٢٤۔ النساء: ٤٨

٢٥ الإخلاص: ١

٢٦۔ ديوان فريد، رقم القصيدة: ١٥٣، ص: ١٧٦

٢٧۔ المؤمن: ٣٩

٢٨۔ الحديد: ٢٠

٢٩۔ الأنعام: ٢١

٣٠۔ ديوان فريد، رقم القصيدة: ١٢٥، ص: ٢٤٣

٣١۔ المرجع نفسه، رقم القصيدة: ١٥٣، ص: ١٧٦

٣٢۔ الرحمن: ٢٦۔٢٧

٣٣۔ القصص: ٨٨

٣٤۔ ديوان فريد، رقم القصيدة: ٢٩، ص: ١٩٥

٣٥۔ القصص: ٨٨

٣٦۔ ديوان فريد، رقم القصيدة: ٣٧، ص: ١٢٥

٣٧۔ جرجي زيدان، تاريخ آداب اللغة العربية، القاهرة، ١٩٣١م، ١٠٨/١. وعن أبي هريرة-رضي الله عنه—قال قال رسول الله—صلى الله عليه وسلم- "أصدق كلمةٍ قالها الشاعر كلمة لبيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ". البخاري، الصحيح، دار السلام للنشر و التوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية، الطبعة الثانية، ١٩٩١م، الحديث: ٣٨٤١

٣٨۔ ديوان فريد، رقم القصيدة: ١٣٩، ص: ١٦٨

٣٩۔ الرحمن: ٢٧

٤٠۔ نفس السورة: ٢٦

٤١۔ الزمر: ٥٣

٤٢۔ "خواجہ فرید کے کلام پر عربی زبان کے اثرات" المقال المنشور في مجلة "التحقيق" التي تصدر من جامعة بنجاب لاهور، العدد: ٦٢، ١٩/٨٢۔٨٣، سنة ١٩٩٨م

٤٣۔ كوريجة، خواجة طاهر محمود، خواجة فريد اور ان كا خاندان، الفيصل ناشران وتاجران، اردو بازار لاهور، الطبعة الأولى، ١٩٩٧م، ص ١٢٨ ومابعدها.

٤٤۔ كتب أبو عبد الرحمن غلام دستكير حول هذه المناظرة كتابًا مستقلًا باسم "تقديس الوكيل عن توهين الرشيد والخليل". ويشتمل هذا الكتاب على ٤٤٦ صفحة، ونشره مطبع نوري كتب خانة في سنة ١٨٩٩م

٤٥۔ ميتلة، محمد أسلم، فريد نامة، بزم ثقافت ملتان، ١٩٩٩م، ص: ١٠٥۔١٠٦

٤٦۔ ديوان فريد، رقم القصيدة: ٢٤٠، ص: ٢٣٦، والنص الأصلي:

صبح صادق خاں صاجی ماٹے	پا سہرے گانے گھنے
سہجوں پھلوں سیجھ سہاتوں	بخت تے تخت کوں جوڑ چھکا توں
اپنڑے ملک کوں آپ وساں توں	پٹ انگریزی تھاٹے
سٹ اقبال تیڈا پے ڈردے	راجے دہشت کھا کر مردے
میر نواب تھئے آبردے	بے زر مفت وکاٹے
پیر فقیر تیکوں سب چھندے	صوبیدار ملازم رہندے
گردا گرد کچہری بہندے	افلاطون سیاٹے
فیض تیڈے دے جگ وچ قصے	زالاں مرد گئے گھن حصے

♦♦♦

الجهود الأدبية للشيخ خواجه محمد يار فريدي

Khawaja Muhammad Yar Fasreedi's Literary Contribution

Dr. Ahmad Ali

Assistant Professor, Department of Arabic
Islamia University, Bahawalpur

Abstract

Khawaja Muhammad Yar Faridi is one of the most learned persons of the Indo-Pak subcontinent. He played an active role in preaching and spreading Islam in this region. He did a lot in the mission of dissemination of Islam. He was known as a poet of love in Persian and Sariaki languages. He touched the feelings of the people. He was a well known mystic who cleaned the hearts of the people with his spiritual personality and knowledge. He was a humble, tolerant and strict follower of Holy Prophet(ﷺ). The most dominant aspect of his personality is his love for Holy Prophet(ﷺ). He spent his life in disseminating tenets and teachings preached by the Holy Prophet(ﷺ). He thought that the best way of self purification to follow the examplary life of the Holy Prophet(ﷺ)

Surely, we can succeed both in this world and hereafter by following the teaching of Sufis and Aulis.

Key Words: Khawaja Muhammad Yar Faridi, Indo-Pak Subcontinent, Sariaki, Dissemination, Tolerant

حياته و نشأته:

كانت الأحوال من جميع الأطراف ساخنة والظروف صعبة للغاية والحلول متعسرة بالكامل وقت غروب شمس الخلافة الإسلامية وبلوغ الحروب الصليبية في أوج قمتها , زمن تسلط الكيان الإنجليزي في شبه القارة الهندية وسط تنازع الحضارات المتعددة ومحاولات القضاء على الهوية والدين والوجود الإسلامي من جذوره , في تلك الأحيان كادت شمعة الحضارة الإسلامية أن تنطفئ لولا الله سبحانه وتعالى ووجود علماء التصوف والمفكرين لمستقبل الإسلام والمسلمين الذين بذلوا جميع إمكانياتهم للصمود والبقاء وتحملوا أعباء الشعب المسلم واجتهدوا في معارك الحق والباطل والخير والشر وتلمع آنذاك رجال لم يلهيهم التسلط والاستعمار والفتن والحروب عن رفع راية الإسلام والجهاد من إجله وكان من بينهم الشيخ خواجه محمد يار فريدي الذي ولد سنة ١٣٠٠ للهجرة الموافق سنة ١٨٨١ (١) في قرية (كرهي إختيار خان) بمنطقة رحيم يار خان في إقليم بنجاب باكستان , وتنتسب عائلته لسلالة سيدنا علي بن أبي طالب رضي الله عنه , وكان والده الشيخ عبد الكريم صاحب شخصيةٍ دينيةٍ بارعة له شغف كبير بالتصوف والتدين ولذا وجه اهتمامه البالغ بتربية ابنه الوحيد لكي يتمكن تحمل أعباء القيادة والتبليغ في مستقبل حياته , فقام بتحفيظه القرآن الكريم وتلقينه العلوم الدينية والروحية والأدب العربي والفارسي والأدري والسرائيكي من العلماء المعاصرين من حوله ثم الحقه بالمدرسة الدينية بمدينة جلالبور ومن بعد ذلك بمدرسة الشيخ خواجه غلام فريد (٢) بقرية جاجران في سنة ١٩٠٠ للميلاد ومكث في صحبة الشيخ سنوات عديدة وحصل منه على سند الإجازة والتفرغ , وبعدما توفي الشيخ ارتبط بابنه الشيخ نازك كريم (٣) لمدة عشر سنوات مهتماً بالدرس والتدريس وبعد ذلك ارتبط بالشيخ خواجه معين الدين (٤) وحصل منه على مسند الخلافة , وقضى الشيخ معظم حياته في مدينة لاهور وتجول في مدن الهند مبلغاً للدين الإسلامي وناشراً للدعوة الإسلامية وتبايع على يديه الآلاف من البشر في شبه القارة الهندية , وسافر في سنة ١٩٠١ للميلاد إلى الديار المقدسة لإداء فريضة الحج المبارك وزيارة قبر النبي محمد صلى الله عليه وسلم . وبعدما أكمل ٦٧ عاماً من عمره وافاه

الأجل المحتوم في الرابع عشر من شهر رجب من سنة ١٣٦٧ للهجرة الموافق ١٩٤٨ للميلاد في مدينة لاهور وتم دفنه هناك لمدة ستة شهور وبعدها تم نقل جثمانه إلى قريته (كرهي إختيار خان) حيث أقيم ضريحه فيها رحمه الله رحمةً واسعة وأسكنه فسيح جناته إنه تعالى سميع مجيب الدعاء(٥).

أسلوب خطابته:

امتاز الشيخ خواجه محمديار فريدي بأسلوب بيانه اللطيف ومواعظه الحسنة التي كان يرق لها قلوب العوام والخواص ويذكر أنه عندما عرض مقام النبي محمد صلى الله عليه وسلم أمام العالم الديني الفاضل مولانا غلام محمد كوتهوي(٦) فبدأ بالبكاء حتى ابتلت لحيته بالدموع, وتميز الشيخ بأسلوبه الفريد في تنشيده لأشعار كتاب المثنوي للمولانا جلال الدين الرومي(٧) وقد طلب منه العلامة محمد إقبال(٨) أن يسمعه المثنوي فقام بتلبية طلبه فحظي منه إعجابه وتقديره وقد أجرى العلامة بعض التعديلات في ديوانه (خودي وأسرار بـخودي) بعد التشاور مع الشيخ محمديار فريدي واعترافا من العلامة بفضيلة الشيخ جعله المرشد الديني له طوال حياته.

وعندما كان الشيخ يصعد المنبر للخطابة والوعظ يتجمع من حوله الآلاف فيملأ أجوافهم بالروحانية الدينية فتنزل السكينة على القلوب المضطربة وتمر عليهم الساعات الطوال وهم ينالون منه الفيوض والبركات وهو ينزع من أفئدتهم الشكوك والشبهات , ويصدق فيه قول النبي محمد صلى الله عليه وسلم: (إن من البيان لسحر) وبالفعل كانت مواعظه سحراً للقلوب وقراراً للأفئدة ودموعاً للعيون وضياءاً للنفوس وتغييراً شاملا لمجرى حياة السامعين وأفكارهم ,مع الالتزام بالتواضع والانكسار واللين في القول والعمل والأذكار والوظائف اليومية, ومن المعلوم أن الكثير من المدعين للخطابة يعتمدون على القيل والقال ولكن الشيخ كان يكثر الإستشهاد من القرآن الكريم والأحاديث النبوية الشريفة وأقوال الصوفية والأمثال والأشعار من العربية والفارسية والادرية والسرائيكية مما اكتسب بذلك الاهتمام والتقدير البالغ من قبل جمهور الناس وخواصهم ,أما من ناحية اختيار الألفاظ للتعبير

عن غرضه فكان الشيخ يقوم بتنقيح الألفاظ التي كانت تطرب الأسماع وتوصل بالأفكار إلى القلوب حيث أن الله سبحانه وتعالى منحه أسلوبا جميلاً للفصاحة والبيان والسليقة واللطافة مع التدين والالتزام بالشريعة ولذا اشتهر بلقب (بلبل فريد) نظرا لمهارته الفائقة في تنشيده لأشعار المثنوي وأشعار شيخة خواجه غلام فريد وكان يفتخر بهذا اللقب ويكثر القول عن نفسه:

میں بلبل فرید ہوں باغ فرید کا عادی ہوں عین دید میں ہل من مزید کا

ويقول عن نفسه أنا البلبل لبستان فريد مدمن للرؤية قائل هل من مزيد. ويظهر من البيت الشعري أنه متقن للغة العربية في التعبير والبيان حيث أنه استخدم عبارة (هل من مزيد) تعبيراً صادقاً عن دوام الحب والشغف للشيخ من غير نهاية للوصول أو توقف بعد الإكمال. بالإضافة إلى مهارة الشيخ البارعة في البيان والفصاحة استخدم لمواعظه وسيلة السكوت مع الإستحضار الذهني لتربية السامعين وكانت لهذه الوسيلة آثاراً إيجابية ملحوظة.

وبالجملة يمكن القول أن الشيخ كان من علماء الصوفية الجيدين صاحب خبرة في القول والبيان وصاحب قدوة في العمل والإعتقاد وعلم ودراية ودراسة وتعمق في العلوم والمعارف مع التواضع والانكسار والإخلاص في تطبيق أحكام الشريعة الإسلامية والتحمل والصبر للمخالفين له في نظرياته ونهج حياته(٩).

مكانته الدينية:

المسلك الجشتي هو المنهج الذي اختاره الشيخ عبد النبي خواجه محمد يار فريدي من الطرق الصوفية في حياته, أما في عقيدته فإنه كان يميل لعقيدة وحدة الوجود(١٠) ولم يكتف بتطبيقه في حياته فحسب بل استطاع بأسلوبه الجذاب وأفكاره الراسخة أن يروج لهذه العقيدة في شبه القارة الهندية بعد تطبيقه للأسس الرئيسية الثلاثة:

١۔ عقائد فلسفية ما فوق الفطرة وهي جزء من عقيدة وحدة الوجود, وقد ظل الشيخ مرتبطاً بهذه العقيدة في أدبه وتصنيفاته ومواعظه وإرشاداته.

٢۔ التعاليم الصوفية والأقدار الروحية ويظهر ذلك واضحاً في شعره ونعته للمصطفى

محمد صلى الله عليه وسلم ونعته لشيخه خواجه غلام فريد , ويشمل فيه العشق الحقيقي والعرفان والحق والإحسان للإنسانية الإيثار والوفاء.

٣۔ الأحوال والإرادات الروحية ويشتمل على الكيفيات الباطنية.

مما لا شك فيه أن للتربية الدينية أهمية خاصة في تغيير معتقدات وعادات ونهج الحياة للناس ولذا فإن الشيخ قام بتطبيق أساليب التربية الدينية والروحية في بداية الأمر في قريته التي ولد فيها لكي تصل الفائدة أولاً لمن هم أهل منطقته ومن ثم تعم الفائدة لعموم الناس الآخرين , ومن هذا المنطلق كان يكثر المواعظ خلال الدرس والتدريس مع التركيز على التربية الروحية للمريدين المقيمين لديه بالشوق والإحساس بالمسئولية الملقاة على عاتقه , وهكذا قضى حياته من غير انقطاع للصلوات المفروضة وتطبيق شامل لجملة أحكام الشريعة الإسلامية مع المداومة على الأذكار والأوراد بعد الصلوات , وكان من عادته بعد نيل قسط من الراحة عقب صلاة العشاء قيام الليل لإداء النوافل والأذكار وكان يحث الناس على زيارة بيت الله الحرام وروضة المصطفى محمد صلى الله عليه وسلم للحصول على الجرعات الإيمانية والفيوض والبركات.

أما عن النظريات الدينية التي كان الشيخ محمد يار كان يعتقد بها فيمكن تلخيصها في النقاط الآتية:

١۔ حصول معية الله مع أوليائه المقربين وخاصته.

٢۔ أن الله سبحانه وتعالى خلق آدم عليه السلام على صورته وهيئته.

٣۔ تطبيقاً لقول النبي محمد صلى الله عليه وسلم: (تخلقوا بأخلاق الله) فإن المؤمن إذا ما قام بتطبيق ذلك فإنه يتلون بصبغة الله.

٤۔ قال تعالى: (فإينما تولوا فثم وجه الله) فكل الموجودات صورة لله.

٥۔ العشق للنبي محمد صلى الله عليه وسلم والفناء فيه , كما كان يقول عن نفسه: (كنار يار سے نهين نكلا محمديار) والمراد به أنه لم يفترق عن ذاته يوماً ما. (١١)

مكانته الأدبية:

الجميع يدرك منا أهمية تأثير الشعر على القلوب والأفئدة وخاصة إذا ما كان مرتبطاً بالتصوف والروحانية يتميز بالزهد والقناعة والعشق الحقيقي وتزكية النفوس من الرذائل والقبائح ونجد ذلك جلياً في مجريات التاريخ الإسلامي عبر العصور من أمثال سعيد أبو الخير في رباعيته وخواجه عطار سعدي والرومي وبوعلي قلندر والعراقي والشبستري والجامي وأمير خسرو وشاه لطيف وخواجه غلام محمد فريد وغيره من علماء التصوف والتربية, والصفة المشتركة التي كانت فيما بينهم أنهم اعتمدوا على وسيلة الشعر لكونه الوسيلة الفعالة لمخاطبة الشعور والأحاسيس لجميع البشر من غير تفريق فيما بينهم في الألوان والأنساب والفرق والأديان , وكان الشيخ محمد يار ممن رفعوا لواء الشعر في شبه القارة الهندية واستخدمه بكل دقة وإتقان من أجل توصيل الأفكار ونزع الفرقة والبغضاء والعدوات من بين الناس وزرع المحبة الألفة ونشر أواصر الخير بالوعظ الحسن والنصح الجميل والإرشاد البليغ مما منح الشيخ الاهتمام والتقدير من قبل عوام الناس وخواصهم فأصبح كالقمر اللامع من بين النجوم الزاخرة فقلما نجد قوالاً لم تكن فاتحة قصيدته أشعار مختارة من ديوانه سواء في الغزل والعشق أو نعت المصطفى محمد صلى الله عليه وسلم والمثال لذلك مقدمة القوالي:

اندازحسینوں کو سکھائی نہیں جات	جو اُمی لقب ہوں وہ برہائی نہیں جات
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا	بو جہل کو محبوب دکہائی نہیں جات

والترجمة العربية لهذه الأشعار بأن الحسناء لا تدرب على دلعها وكذا الأمي لا يمكن أن يدرس بما أن رؤية المحبوب ليست ممكنة للجميع فأبو جهل ماذا عساه أن يدرك مكانة المحبوب , فهذه الأشعار مع مرور أكثر من سبعين عاماً لم يمنع القوالون حتى يومنا هذا من ترديدها في قصائدهم(١٢)

لم يستخدم الشيخ خواجه محمد يار فريدي الشعر كحرفةٍ أدبيةٍ بل جعل منه هدفاً للحياة ووسيلةً لتوصيل الأفكار والمشاعر والإرادات الباطنية متخذاً من العشق عنواناً أساسياً لشعره يشمل العشق الإلهي والعشق للنبي محمد صلى الله عليه وسلم والعشق للشيخ فهذه هي

الأطر الثلاثة التي كانت شخصيته تحوم فيها و منها تفجرت ينابيع فيوضه الروحانية بكل شفافيةٍ ووضوح بعيداً كل البعد عن التكلف والغموض مطبقاً التوازن الكامل بين الأسلوب والمواد ولذا اكتسب شعره الكمال والدوام والقبول لدى الجميع , واستخدم الشيخ اسلوب البيان الفطري الجذاب بالألفاظ السهلة المتدوالة بين الناس وأصبح بذلك فقيد المثال من بين أقرانه بتفرده بنطق الشعر باللغات المتعددة , ومن الجدير بالذكر أنه لم يتيسر له رسمياً دراسة الآداب ولم يعش في تلك البيئة التي تسانده للخوض في الأعماق ولكنه مع ذلك كان بارعاً في الأدب الفارسي والأردي والبنجابي والسرائيكي , وكان كل حين يبهر السامعين بلهجته وألفاظه وأسلوب خطابته وطريقة أدائه لأشعاره التي كان ينشئها إضافة إلى ذلك تنشيده لأشعار المثنوي وأشعار شيخه خواجه غلام فريد.

ويظهر عند دراسة المدحيات التي أصدرها الشيخ لنعت النبي محمد صلى الله عليه وسلم ونعت محبوبه الشيخ خواجه غلام فريد أنها في ظاهر هيئتها كالغزل الشعري الذي يشتمل على محاسن البديع والبيان والإشارات البلاغية والإستعارات والرموز ممزوجة بالأفكار والصوفية والحكم والأخيلة اللطيفة والمشاعر الروحانية الهادفة , واستطاع الشيخ بدقة براعته تنقيح الأزهار اليافعة من البساتين الخضرة وأن يزيد البهاء للنجوم اللامعة ولذا اكتسب أسلوبه في تغزله الاهتمام من قبل جميع أصحاب الذوق السليم من أهل اللغة والفهم والتعبير لكونهم هم الذين يدركون بالفعل خبايا عناصر الجمال الفني والأدبي وعلى سبيل المثال الأبيات التالية:

درد جس دل مین نہین وہ دل نہین　　　یار ک رہن کی وہ منزل نہین
مین کیا کہون کس رنک کا اب دردہ دل مین　　　ب درد کو درد سنائ نہین جات
عشاق کا حصہ ہ أمانت کا اتہانا　　　أفلاک س یہ بوجہ اتہائ نہین جات

والمعنى لهذه الأبيات بأن القلب الخالي من الألم لا يسمى قلباً لكونه لا يتسع لسكن المحبوب فيه , كيف يمكن لي أن أعبر عن آلآمي أمام أصحاب القلوب القاسية , تحمل الأمانة فرض على العشاق حيث تعجز الأفلاك عن حملها وإن طلب منها ذلك.(۱۳)

أما عن مكانة الشيخ الأدبية بين نقاد الأدب وعلماء التصوف فالتفصيل عنه سيطول

والمجال لا يتسع للإحاطة الكاملة ولذا سأقتصر على ذكر أبرز الملامح النقدية التي قدمها الدكتور ظهور أحمد أظهر (١٤) خلال عنوانين تم نشرهما مؤخراً يحمل الأول منهما عنوان (كنار يار سے نهين نكلا محمد يار) والثاني تحت عنوان (بهول صحراء كا جو سدا بهار هو) ويمكن تلخيص ذلك في النقاط الآتية:

١ـ الميزة الأساسية التي انفرد بها الشيخ هي الحب للنبي محمد صلى الله عليه وسلم الذي وصل به إلي درجة الكمال وهو مع عظم مكانته في التصوف كان متقنا لعدة لغات.

٢ـ يعد شاعراً مطبوعاً ماهراً وبارعاً حيث أنه لم يترك فناً من فنون الشعر إلا وابتدع فيه واشتمل ديوانه على قصائد المدح للصحابة الكرام وآل بيت النبي صلى الله عليه وسلم وأولياء الله الصالحين والرثاء والغزل الرباعيات والمخمسات والمسدسات والوعظ والألم والحزن مع التغزل الجميل والموسيقى الجذابة والأخيلة الرقيقة من غير تكلفٍ مبالغ أو تعسر ملحوظ.

٣ـ الفناء والمبالغة في حب شيخه خواجه غلام فريد وقد كان هو الشارح الأول لديوانه وكثيراً ما كان يتذكره في أشعاره ويرجع إليه الفضل في نشر ديوان شيخه وتقريبه وتحبيبه لدي العوام. ومن ناحيةٍ ثانيه نجد أن شخصية شيخه تلمع في أدبه من حيث علاقة المرشد مع مريده وعرضه للتعاليم الصوفية والأقدار الروحية.

٤ـ تميزه في النعت للنبي محمد صلى الله عليه وسلم التي تشتمل على العشق الصادق المزين بنور الإيمان القويم وأثبت لنفسه بعلمه وشعره وتصوفه مكانة الصدارة من بين أدباء ومشائخ الصوفية من الناطقين باللغة الأردية والسرائيكية والفارسية والبنجابية.

٥ـ كان اسم الشيخ موافقاً لإسم النبي محمد صلى الله عليه وسلم وقد زاده بذلك شرفاً وعظمةً وحاول طوال حياته أن ينسب نفسه لذات النبي محمد صلى الله عليه وسلم وأطلق على ديوان شعره (ديوان محمدي).

٦ـ يمتاز شعره بالبساطة مع تشربه بنكهة التقاليد المحلية يعتمد على التراكيب المعنوية الهادفة واستطاع بشعره إقامة الحصون الشامخة في مسيرة أدب شبة القارة الهندية.

٧ـ مما هو معلوم بأن المتقن لأكثر من لغة يمكنه التجول في الآداب المختلفة وبالفعل

تمكن الشيخ أن يلعب دور الأديب المقارن ونجد ذلك واضحاً في براعته في الأدب العربي والفارسي والأدري والسرائيكي والبنجابي وكثيراً ما كان يضمن أشعاره تراكيب اللغة العربية.(١٥)

دراسة ديوان محمدي:

يدرك المتصفح لديوان الشيخ خواجه محمد يار فريدي بأنه متقن للغات الثلاثة : الفارسية والأردية والسرائيكية إضافةً للغة العربية التي كان يجيدها وقد وجدت له تعليقاً على كتابٍ تناوله للمطالعة والدراسة وقد ورد فيها النص التالي:

"الحمد لله كاشف المغلقات ودافع البليات والصلاة والسلام على عالم أسرار المقطعات ومخزن رموز المتشابهات وعلى آله وذرياته الباقيات الصالحات. أما بعد فيقول عبد النبي المختار محمد يار قد طالعت هذه الرسالة العلية فوجدتها جامعةً لإسرار المحمدية على صاحبها ألف ألف تحية فجزاه الله المصنف مولانا المجد المعروف بغلام محمد خيرالجزاء عنا وعن سائر المسلمين بحرمة محبوب رب العالمين وقطب الموحدين عليه الصلاة والسلام إلى مر الدهور والسنين, التوحيد حق والحق أحق أن يتبع:

لا آدم في الكون ولا إبليس　　　لا ملك سليمان ولا بلقيس
فا لكل عبارة وأنت المعنى　　　يا من هو للقلوب مقناطيس

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين

حرره عبد النبي المختار محمد يار الواعظ ساكن كرهي إختيار خان رياسة بهاولبور بقلم خود"(١٦)

ويظهر مما سبق أن الشيخ كان يجيد اللغة العربية بالكامل ومن الممكن أنه قام بالتصنيف في هذه اللغة أو ألقي مواعظه بالعربية خلال رحلة الحج المباركة, وربما إن تيسرت له الأحوال وأحس بالحاجة بكتابة الأشعار العربية لوجدنا في ديوانه قسماً للغة العربية ولكنه لم يترك المجال خالياً لإثبات براعته من هذه الناحية, فالتعليق الذي أورده حول الكتاب ذكر في مقدمته

الجمل البليغة المزينة بالمحسنات البديعة وفي نهايتها بيتين للشعر تعبران عن وحدانية الخالق عز وجل وشبه علاقة القلوب به كانجذاب المقناطيس للحديد , إضافةٍ إلى ذلك قام بتضمين أشعار ديوانه تراكيب العربية بقدر المستطاع في وقتٍ كانت قوات الاستعمار الانجليزية تحاول بكل إمكانياتها طمس معالم الهوية الإسلامية , فاهتم الشيخ آنذاك على الإحتفاظ بالتعاليم الإسلامية باللغات التي كانت رمزاً للمسلمين في شبه القارة الهندية من العربية والأدرية والفارسية والسرائيكية , ولذا يمكن تقسيم الديوان الذي أطلق عليه (ديوان محمدي) من حيث اللغات التي اشتملها إلى ثلاثة أقسام:

القسم الأول: أشعار اللغة الفارسية وهو القسم الأكبر من ديوانه ويشتمل على حوالي ٩٠٠ بيت شعري منه ١٨٠ بيت لنعت النبي محمد صلى الله عليه وسلم وبقية الأشعار للغزل والتصوف وقام باختيار الألفاظ السهلة الخالية من التعقيد واهتم بتقديم النداءات والتبريكات لمقام النبي محمد صلى الله عليه وسلم مع أن اللغة الفارسية لم تكن لغته الأصلية ولم يتيسر له أيضاً العيش في البيئة الفارسية والوسيلة التي استخدمها لتعلمها هي الكتب الفارسية والمعلمين من حوله , ويدرك المتمعن لديوانه بأن أسلوبه في الأشعار الفارسية أسلوب أديبٍ متضلع في الآداب الفارسية أثبت من خلاله عشقه للنبي محمد صلى الله عليه وسلم ومهارته في شرح تعاليم الصوفية , ومن أشعاره في ديوانه:

سيد وسالار سلطان الصلاة والسلام	بادشاه جن وإنسان الصلاة والسلام
مظهر حسن إلهي الصلاة والسلام	مظهر ذات كماهي الصلاة والسلام
خاك بايت سرمه جان الصلاة والسلام	كرد راهت جان وايمان الصلاة والسلام

ففي هذه الأبيات السابقه قدم الشيخ تبريكاته الممزوجة بالعواطف العطرة لمقام النبي محمد صلى الله عليه وسلم الذي حصل على المرتبة العليا۔

القسم الثاني: أشعار اللغة الأردية وفيه حوالي ٣٧١ بيت شعري منه ١١٥ بيت لنعت النبي محمد صلى الله عليه وسلم وبقية الأشعار للغزل والعشق الحقيقي وبقية الأغراض الأخرى , وتعد اللغة الأردية اللغة الثانوية التي استخدمها في أشعاره مع أن تقاليد اللغة

السرائيكية كانت تجري في عروقه وسائدة على شخصيته ولكنه ضمن أشعاره التراكيب الأردية البليغة التي كانت رائجة في مدينة لكنهو بالهند التي تعد الموطن الأساسي للغة الأردية, والنموذج للأشعار:

حيرت مين هون كيا لكهون شان محمد كا	ديدار محمده قران محمد كا
بخش ك جتن ته بدكار هي عالم مين	طوفان مين جب آيا غفران محمد كا
دوبا تو نكا لا بهسلا تو سنبها لاه	مين بهول نهين سكتا احسان محمد كا
هم نام هون محمد مداح محمد بهي	هاتهون سے نه جهوتے كا دامان محمد كا

ويظهر من دراسة الأبيات السابقة بأن الشيخ يظهر حيرته وتعجبه من كتابة الثناء والنعت لمقام النبي محمد صلى الله عليه وسلم ولا سبيل لغفران الذنوب مهما تكاثرت سوي التعصم بذات النبي محمد صلى الله عليه وسلم ولا سبيل للهداية والنجاة من غير الاتباع بالسنة ولا يمكن تجاهل الاحسان الذي تكرم به النبي محمد صلى الله عليه وسلم على الإنسانية جمعاء, وذكر الشيخ في هذه الأبيات أيضا بـأنه مفتخر بكون اسمه مشابه لاسم النبي ولذا صرح بأنه سيلتزم به مهما كانت الأحوال وتلاطمت الأمواج.

القسم الثالث: أشعار اللغة السرائيكية والبنجابية ومجموع الأشعار فيه حوالي ٦٠٠ بيت وهو القسم الأخير من الديوان ونجد فيه الصور الحقيقية عن طوابع البيئة التي ترعرع في أحشائها, وقام الشيخ في هذا القسم بتلبية المتطلبات الفكرية والروحية لجميع المستوطنيين في هذه المنطقة, والنموذج للأشعار:

رس نه سانول يار مدتان بيت كيان	دل وج درد هزار مدتان بيت كيان
ظالم ظلم كمايو اج تےءن	كيون تتري كون تايو اج تےءن
مين بدكار كميني كتي	ازلون در تيد ت ستي
مكر وفريب ديان جالان ست كهت	كوريان قيل مقالان ست كهت
سجـ كر اقرار مدتان بيت كيان	دل وج درد هزار مدتان بيت كيان

اللقاء بالمحبوب ليس بالامر الهين فالقلب مهموم بالاحزان والفراق قد طال عليه الأمد

والمحبوب هنا مما يظهر الذات الإلهية , ثم بدأ باللوم والعتاب للنفس إذ هي مستمرة بالظلم والتعدي غير مبالية بما سيكون لها في المستقبل تتعامل بالمكر والاحتيال والسبيل الوحيد والافضل لها أن تتراجع عن كل ذلك لأن وقت اللقاء قد حان ولا ينفع عند ذلك سوى الإخلاص الكامل فالقلب مهموم والفراق قد طال عليه الأمد.

وفي نهاية الأمر يمكن القول بأن الشيخ محمد يار فريدي بالفعل كان فريد عصره من حيث مكانته الدينية والأدبية من بين علماء التصوف في شبه القارة الهندية ولا يزال الآلآف من الناس يتذكرون فضائله ويعتقدون بحبه وفضيلته ويشهد لذلك المؤتمر السنوي العالمي الذي يعقد في مدينة لاهور وقد شاكرت فيها شخصيا هذه السنة وقدمت فيه العديد من البحوث حول خدماته الدينية وكان من بينهم البحث في اللغة الأردية تحت عنوان: منهج تزكية النفس في ضوء تعليمات الشيخ محمد يار فريدي.

♦♦♦

الهوامش والمصادر

١ ۔ قيل أنه ولد في سنة ١٨٨٣ للميلاد كما ورد في كتاب "سرائيكي شاعري دا إرتقاء" د\نصر الله خان ناصر جهوك برنترز ملتان ٢٠٠٧، ص: ١٠٧

٢ ۔ الشيخ خواجه غلام فريد من مواليد سنة ١٢٦١ للهجرة في قرية جاجران بمنطقة بهاولفور باكستان وكان عالما فاضلا ومبلغا إسلاميا عظيما وله منزلة عظيمة بين علماء التصوف كان يعتقد بنظرية وحدة الوجود وله ديوان شعري كبير وتوفي سنة ١٣١٩ للهجرة الموافق ١٩٠١ للميلاد. للمزيد ـــ د\محمد إسحاق قريشي "بهار جشت" قطب برنتر لاهور ٢٠٠٩، ص: ١٣٨ ـ ٤٢

٣ ۔ الشيخ خواجه محمد بخش نازك كريم ابن الشيخ خواجه غلام فريد وقد تولى مهام التبليغ والتدريس بعد وفاة والده , برع في العلوم الدينية من القران والحديث والتفسير وأتقن اللغة

العربية والفارسية واشتهر بشعره في اللغة السرائيكية وله مكانة مرموقة من مسالك الصوفية "سرائيكي شاعري دا إرتقاء" د\ نصر الله خان ناصر، ص:۱۳۔۱۱۷

۴۔ الشيخ خواجه محمد معين الدين بن الشيخ نازك كريم وقد تولى مسند الخلافة بعد وفاة والده وكان عمره آنذاك ۲۸ عاما ظل ملتزما بالشريعة ومناهج التصوف ولم يمهله القدر سوى ۳۶ عاما وتوفي سنة ۱۹۳۷ للميلاد. د\ محمد إسحاق قريشي "بهار جشت" ص:۱۴۴۔۴۶

۵۔ مسعود حسن شهاب "أولياء بهاولفور" أردو أكيدمي بهاولفور ۱۹۸۷ ص:۱۵۲۔۵۵

۶۔ مولانا غلام محمد كهوتهوي من العلماء والمصلحين في منطقة بهاولفور اشتغل منصب شيخ الجامعة الاسلامية في بهاولفور وله كتب ومصنفات دينية عديدة

۷۔ محمد بن محمد بن حسين البلخي ولد سنة ۱۲۰۷ للميلاد في مدينة بلخ في إقليم خراسان, صاحب شخصية إسلامية وسطية تمتعت بالاحترام والتقدير كانت تعمل على احتضان وجمع كل الناس ونبذ الفرقة والتشتت عرف برقصته المولوية الصوفية الشهيرة المستمرة في تركيا حتى اليوم توفي سنة ۱۲۷۳ للميلاد ويعد كتابه المثنوي المكتوب بالعربية والفارسية واليونانية الذي يشتمل على أكثر من ۲۵۰۰۰ بيت شعري من أبرز كتب الأدب والشعر الصوفي ومن مؤلفاته: الديوان الكبير. المجالس السبعة. للمزيد تصفح: wasatiationline.net.

۸۔ العلامة الدكتور محمد إقبال من مواليد ۱۸۷۷ شاعر نابغة وفيلسوف مبدع مفكر باكستان

۹۔ سيد محمد فاروق القادري: حضرت خواجه محمد يار كا علمي مقام ص:۳۳ و د\ ألطاف حسين: "حضرت خواجه محمد يار فريدي شخصيت وكلام" بحث نشر في مجلة السعيد ص:۴۲

۱۰ عقيدة وحدة الوجود: مذهب فلسفي ديني يعتقد بأن الله والطبيعة حقيقة واحدة وأن الله هو الوجود الحق ويعتبر ذات الله _ تعالى الله عما يقولون_ صورة هذا العالم المخلوق, أما مجموع المظاهر الدينية فهي تعلن عن وجود الله دون أن يكون لها وجود قائم بذاته... للمزيد www.forsanelhaq.com

۱۱۔ سيد عبد الرحمن بخاري "بيكر عرفان واكهي" خواجه محمد يار أهل دانش كي نظر مين ص:۵۱۔۵۲

۱۲۔ بشير حسين ناظم "عبد النبي المختار محمد يار فريدي" أهل دانش كي نظر ميں ص:۳۴۔۳۵

١٣۔ محمد إقبال جاويد "حضرت خواجه محمد يار فريدي مدح اور شيرين كند كفتاررا" ص:١٦۔١٥

١٤۔ الدكتور ظهور أحمد أظهر من الأدباء المعاصرين وله خدمات جليله في الادب العربي ويمكن القول عنه بأنه عميد الادب العربي في باكستان وقد التقيت به شخصيا خلال الموتمر الذي قدمت فيه البحث

١٥۔ د\محمد إسحاق قريشي (بهار جشت) ص:٥٢۔٢٤٩

١٦۔ خلال مقابلتي مع الشيخ خواجه غلام قطب الدين وهو الحفيد للشيخ عبد النبي المختار محمد يار فريدي وهو صاحب المسند في مدينة لاهور بتاريخ ١٩۔٠٣۔٢٠١٠ ذكر لي بأن الشيخ كان يجيد اللغة العربية وله تعليق على كتاب (أسرار المقطعات) لمولانا غلام محمد فطلبت منه ذلك فقام بالبحث عن أصل الكتاب ثم أرسل لي صورة من ذلك فقمت للإستدلال بعرض النموذج بالكامل.

♦♦♦

دراسة موضوعية للرسالة القشيرية

Thematic Study of Risala Qushairia

Dr. Sayyed Izfar Haider Naqvi

Lecturer, Department of Islamic Studies and Arabic,

The University of The Faisalabad, Faisalabad

Abstract

Imam Abu-ul-Qasim Al-Qushairi(D.465A.H.) stands among those muslim saints of the 5th century(A.H) who is famous in Hadith, Tafseer, Islamic thought and other religious branches of knowledge along with "Tasawwuf".His book ,Al.Risala Al.Qusharia has reached almost every sufi leader to this day. This work(Al.Risala Al.Qusharia)is a standard treatise on mysticism extensively used in all mystic circles. He desribed the subject of Tasawwuf thoroughly, with its origins, branches, thoughts and behaviours of tasaawwuf. He has even touched those topics which have not been highlighted by very important books in this field.

Key Words: Al-Qushairi, Fundamentals of mysticism, Origins, Branches, Behaviors Tasawwuf

بحث الإمام القشيری رحمة اللهفی هذه الرسالة التی نحن بصدد دراستها عن حقیقة التصوف وأصول الصوفیة و عقائدهم و أحوالهم و مصطلحاتهم فی الطریقة و الموضوعات التی تناولها الشیخ القشیری فی رسالته فهی ذا أهمیة بالغة و نادرة۔ ولم یكتب عنها الصوفیة و

العلماء۔ نذكر تلك الموضوعات الهامة بالاختصار لكى نفهم حقيقتها۔

١۔اعتقاد الصوفية فى حقيقة التوحيد و الصفات الإلهية:

يتميز الصوفية بأن غاية الوصول عندهم فى طريقة الصوفية هو الوصول إلى معرفة التوحيد و كذلك عند الإمام القشيرى المعرفة بالتوحيد هو التحقيق بالوجود و لا يرون أنهم بحاجة إلى أدلة إثبات وجود الله فمعرفته تعالىٰ عندهم فطرية فقد كاشفهم بوجوده و وحدانية فصار دليل وجود كل شئ فالله لم يغب ليحتاج وجوده إلى إثبات فلذلك بدأ الإمام القشيرى رحمه الله هذه الرسالة بفصل فى بيان اعتقاد هذه الطائفة فى مسائل الأصول و ذكر فى التوحيد و أصوله عند الصوفيين و قال:

من توحيد ليس فيه تمثيل و لا تعطيل (١) و عرفوا ما هو حق القدم و تحققوا بما هو نعت الموجود عن العدم(٢)

ثم ذكر الإمام القشيرى رحمه الله أقوال الصوفية فى حقيقة التوحيد و أهميته فى طريقتهم و منها قول الإمام جنيد البغدادى رحمه الله: التوحيد أفراد القدم من الحدث۔(٣)

و من قوله أيضاً عندما سئل عنه التوحيد فقال: إفراد الموحد بتحقيق وحدانيته بكمال أحديته: أنه الواحد الذى لم يلد و لم يولد بنفى الأضداد و الأنداد و الأشباه بلا تشبيه و لا بكيف و لا تصوير و لا تمثيل(٤)

"ليس كمثله شئ و هو السميع البصير"۔(٥)

و قال الحسين بن منصور الحلاج: ألزم الكل الحدث لأن القدم له فالذى بالجسم ظهوره فالعرض يلزمه و الذى بالأداة اجتماعة فقواها تمسكه و الذى يؤلفه وقت و الذى يقيمه غيره فالضرورة تمسه۔۔۔(٦)

و بحث الإمام القشيرى رحمه الله عن توحيد الذات و ضح أن الله واحد لا من طريق العدد و لكن من أنه لا شريك له و لا نظير له و لا شبيه له كا قال الله سبحانه و تعالىٰ:

"قل هو الله أحد الله الصمد، لم يلد و لم يولد و لم يكن له كفوا أحد"(٧)

و استشهد الإمام القشيرى رحمه الله بقوله سبحانه و تعالىٰ كذلك :" ليس كمثله

شئ"(۸)

إن الله سبحانه و تعالٰی لا یشبه شیًأ من الأ شیاء من خلقه من و لا یشبهه شئ من خلقه لم یزل و لا یزال بأسمائه و صفاته الذاتیة و الفعلیة و هو شئ لا کالاشیاء و معنی الشئ إثباته بلاجسم و لا جوهر و لا عرض و لا حدله و لا ندله وهو موجود بالعلم و الإحاطة و فیه استشهد الإمام القشیری بالقرآن الکریم و عرض هذه الآیات الکریمة

۱۔"إننی معکما و أسمع و أرای"(۹)

۲۔"مایکون من نجوی ثلثة إلا هو رابعهم"(۱۰)

و إذقال أحدما المرادبآیة:"والرحمن علی العرش استوی"(۱۱)

فعرض الإمام القشیری رحمه الله الشیخ الشبلی رحمه الله عندما سئل عنه معنی هذه الآیة فقال:

"الرحمن لم یزل و العرش محدث و العرش بالرحمن استوی أی العرش بقدرته استوی فهو تعالٰی مستغن عنه و عن غیره و إنما خلقه إظهاراً لعظمته لا مکاناً لذاته لتعالٰیه عن ذلک"(۱۲)

ذکر الصفات الإلهیة:

بین الإمام القشیری رحمه الله عقائد شیوخ هذه الطریقة حول توحید الصفات و قال عندهم: الحق سبحانه و تعالٰی موجود قدیم، واحد، حکیم، قادر، علیم، قاهر، رحیم، مرید، سمیع، مجید، رفیع، متکلم، بصیر، متکبر، قدیر، حی، أحد، باقٍ، صمد و انه عالم بعلم، قادر بقدرة، مرید، بإرادة سمیع بسمع، بصیر ببصر، متکلم بکلام حی بحیاة و باقٍ ببقاء و له یدان صفتان یخلق بهما ما یشاء سبحانه علی التخصیص و له الوجه و صفات ذاته مختصة بذاته و أنه أحدی الذات لیس لیشبه شیئاً من المصنوعات و لا یشبهه شئ من المخلوقات لیس بجسم و لا جوهر و لا عرض و لا صفاته أعراض و لا یتصور فی الأوهام و لا یتقدر فی العقول و لا له جهة و لا مکان و لا یجوز فی و صفه زیادة و لا نقصان و لا یخصه هیئة و قد و لا بقطعة نهایة و حد و لا یحله حادث و لا یحمله علی الفعل باعث و لا یجوز علیه لون و لا کون و لا ینصره مدد و لا عون و لا یخرج عن قدرته مقدور و لا ینفک عن حکمه مفطور و لا یغرب عن علمه معلوم و لا هو علی فعله

كيف يصنع و ما يصنع ملوم لا يقال له أين و لا حيث و لا كيف و لا يستفتح له و جود: فيقال؛ متى كان: و لا ينتهى له بقاء: فيقال استو فى الأجل و الزمان و لا يقال: لم فعل ما فعل إذ لا علة أفعاله و لا يقال ما هو إذ لا جنس له فتميز بأمارة عن أشكاله يرى لا عن المقابلة و يرى غيره لا عن مماقلة و يصنع لا عن مباشرة و مزاولة و له الأسماء الحسنى و الصفات العلاء يفعل ما يريد ويدل لحكمهلعبيد لا يجرى فى سلطانه إلا مايشاء و لا يحصل فى ملكه غير ما سبق به القضاء ما علم أنه يكون من الحادثات أراد أن يكون و ما علم أنه لا يكون مما جاز أن يكون :أراد أن لا يكون و هو خلق أكساب العباد خيرها أو شرها و مبدع ما فى العالم من الإيمان و الآثار قلها و كثرها مرسل الرسل إلى الاسم من غير وجوب عليه۔(١٣)

الإيمان و حقيقته:

جمع الإمام القشيرى أقوال المشائخ فى حقيقة الإيمان و من أهمها هى:

١۔قول أبى عبد الله بن خفيف رحمه الله(١٤)

الإيمان: تصديق القلوب بما أعلمه الحق من الغيوب(١٥)

٢۔قول أبى بكر الواسطى رحمه الله:(١٦)

من قال أنا مؤمن ب الله حقاً قيل له: الحقيقة تشير إلى اشراف و اطلاع و احاطة فمن فقده بطل دعواه فيها(١٧)

و شرح الإمام القشيرى هذا القول بأنه يريد بذلک ما قال فيه أهل ألسنة إن المؤمن الحقيقى من كان محكوماً له بالجنة فمن لم يعلم ذلک من سر حكمة الله تعالٰى فدعواه: بأنه مؤمن حقاً غير صحيحة(١٨)

و سئل أبو بكر الواسطى رحمة الله كذلک عن الكفر ب الله او الله: فقال الكفر و الإيمان و الدنيا و الآخرة: من الله و إلى الله و ب الله و الله: من الله ابتداء و إنشاء و إلى مرجع و انتهاء و ب الله بقاء و فناء و الله ملكا و حلقاً(١٩)

سير مشائخ هذه الطريقة:

جمع الإمام القشيرى فى الباب الأول بعد بحث التوحيد و تراجم الأولياء العظام و قسم

الأولياء وأصحاب الطريقة إلى الأقسام التالية۔

١۔ الصحابة

٢۔ التابعون الذين صحب الصحابة

٣۔ أتباع التابعين

و ذكر الإمام القشيرى رحمة الله فى هذا الباب أسامى جماعة من شيوخ هذه الطريقة من طبقة التابعين و أتباعهم إلى وقت المتاخرين منهم بشئ من التفصيل ما يدل من سيرهم و أقوالهم على تعظيمالشريعة المطهرة الآن نذكر أسمائهم بالاختصا ما بلغ عددهم إلى أربع و ثمانين۔[٢٠]

أهم مصطلحات التصوف:

بعد ذكر أحوال أهل الطريقة بين الإمام القشيرى رحمه الله أهم المصطلحات المروجة عند الصوفية مثل: الوقت و الحال و المقام و الفرق و البعد و القبض و البسط و الذوق و الشرب و الستر و التجلى و النفس و الروح و غير ذلک[٢١]

التقوى: رتب الإمام القشيرى رحمة الله بابا كاملاً فى بيان التقوى و أهميته فى طريقة الصوفية وبدأ هذا الباب بالآية الكريمة "ان أكرمكم عند الله اتقاكم"[٢٢]

بعد ذلک قدم بعض الآيات القرآنية و الأحاديث النبوية فى بيان حقيقة التقوى و قال قد ورد فى تفسير قوله عز و جل: "اتقوا الله حق تقاته"[٢٣]

و فيه قول النصر أبا ذى من لزم التقوى اشتاق إلى مغارقة الدنيا لأن الله سبحانه و تعالٰى يقول: "ولدار الاخرة خير الذين يتقون افلاتعقلون"[٢٤]

وعرض الإمام القشيرى رحمة الله بعض الأحاديث النبوية فى شرح التقوى و حقيقته و أهميته باسناده الذاتية و لكن نجد هذه الأحاديث فى مصادر الأحاديث الشهيرة وهى:

(١) عليک بتقوى الله فأنه جماع كل خير و عليک بالجهاد ، فأنه رهبانية المسلم و عليک بذكر الله فأنه نور لک۔[٢٥]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"من نظر إلى محاسن امراةفغض بصره فى أول مرة، أحدث الله له عبادة يجد حلاوتهافى قلبه۔"(٢٦)

الورع:

قدم الإمام القشيرى رحمةالله عليه فى هذا الباب حديثاً ماروا ه سيدنا أبو هريره رضى الله عنه: كن ورعاتكن أعبد الناس(٢٧) وأما الورع فيه أقوال أهل الطريقة ما جمعها الإمام القشيرى رحمةالله فى باب الورع و منها قول إبراهيم بن ادهم: الورع ترک كل شبهة ، و ترک مالا يعنيک هو ترک الفضلات وقال الأستاذ الإمام أبو على الدقاق : أما الورع فأنه ؛ترک الشبهات قال أبو بكر الصديق رضى الله عنه: كنا ندع سبعين بابا من الحلال مخافة ان نفع فى باب من الحرام۔ وقال أبو هريره رضى الله عنه جلساء الله تعالىٰ غداً: أهل الورع والزهد۔(٢٨)

وقال يحى بن معاذ الورع الوقوف على حد العلم من غير تأويل و قال أيضاً الورع على وجهين: ورع فى الظاهر وهو أن لا يتحرک الا الله تعالىٰ وورع فى الباطن وهو ان لا يدخل قلبک سوى الله تعالىٰ وقال أيضاٍ من لم ينظر فى الدقيق من الورع لم يصل إلى الجليل من العطاء وقال سهل بن عبدالله: من لم يصحبه الورع أكل رأس الفيل ولم يشبع ورآى سفيان الثورى فى المنام، وله جنا حان يطير بهما فى الجنة من شجرة إلى شجرة۔ فقيل له: بم نلت هذا؟ فقال: بالورع۔ وتكلم أبو سعيد الخراز فى الورع۔۔۔ فمر به عباس بن المهتدى فقال يا أبا سعيد أما تستحى، تجلس تحت سقف أبى الدوانيق وتشرب من بركة زبيده وتتعامل بالدرأهم المزيفة وتتكلم فى الورع۔(٢٩)

الخوف والرجاء:

المراد بالخوف من الله تعالىٰ عند الإمام القشيرى رحمه الله هو أن يخاف أن يعاقب الله تعالىٰ أما فى الدنيا و أما فى الآخرة و قد فرض الله سبحانه و تعالىٰ على العباد أن يخافوه و فيه قوله سبحانه وتعالىٰ:

"وخافون ان كنتم مؤمنين"(٣٠)

شرح الإمام القشيرى رحمة الله: الخوف بأنه معنا متعلقه فى المستقبل لأنه إنما يخاف أن

يحل به مكروه أو يفوته محبوب و لا يكون هذا الا لشئ يحصل فى المستقبل۔

وجمع الإمام القشيرى رحمه الله تحت هذا الموضوع بعض الآيات القرآنية كما أنه سرد وأورد بعض الأحاديث النبوية وأما الآيات القرآنية فهى:

(١) "وقال الله لا تتخذوا الهين اثنين إنما هو انه اله واحد فإنى فارهبون" (٣١)

(٢) "يخافون ربهم من فوقهم" (٣٢)

(٣) "خافون ان كنتم مؤمنين" (٣٣)

(٤) "إنما بخشى من عباده العلماء" (٣٤)

(٥) "ويحذركم الله نفسه" (٣٥)

(٦) "قل هل ننبئكم بالاخسرين أعمالا الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسبون صنعا" (٣٦)

وأما الأحاديث النبوية فهى:

(١) ((لا يدخل النار من بكى من خشية الله تعالٰى حتى يلج اللبن فى الضرع ولا يجتمع غبار فى سبيل الله ودخان جهنم فى منخرى عبد ابداً)) (٣٧)

(٢) ((لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا، ولبكيتم كثيرا)) (٣٨)

(٣) ((عن عائشة رضى الله عنها۔ قالت، قلت يا رسول الله: الذين يؤتون ما آتوا، وقلوبهم وجلة، أهو الرجل يسرق و يزنى و يشرب الخمر، قال: لا: ولكن الرجل يصوم و يصلى و يتصدق و يخاف أن لا يقبل منه (٣٩)

وأما الأقوال الصوفية التى جمع الإمام القشيرى رحمه الله تحت هذا العنوان هى: منه قول أبى حفص رحمه الله: الخوف سوط الله يقوم به الشاردين عن بابه و من قوله كذلک الخوف سراج القلب به يبصره ما فيه من الخير والشر (٤٠)

قال بشر الحافى: الخوف من الله ملک لا يسكن الا فى قلب متق وقيل الخوف قوة العلم بمجارى الاحكام ما قيل الخوف حركة القلب من جلال الرب و كان الاستاد أبو على الدقاق رحمه الله ينشد كثيرا:

و أحسنت ظنک با لأمام إذحسنت	و لم تخف سوء ما يأتى به القدر

و سلمتک الليالى فا غتررت بها	و عند صفو الليالى يحدث الكور(۴۱)

الذكر:

أولى الصوفية الذكر أهمية كبرى، حتى عدوه أهم ركن من اركان المجاهدة جميعا و يؤكد الصوفية أنه ليس بعد تلاوة كتاب الله عز و جل عبادة تؤدى باللسان أفضل من ذكر الله تعالٰى و رفع الحاجات بالأدعية الخاصة إلى الله تعالٰى۔ و الذكر هو منزلة القوم الكبرى التى فيها يتزودون، و فيها يتجرون و إليها دائما يترددون و يقول القشيرى: الذكر ركن قوى فى طريق الحق سبحانه و تعالٰى بل هو العمدة فى هذا الطريق، و لا يصل أحد إلى الله الا بدوام الذكر(۴۲)

و حقيقة الذكر ان تنسى ما سوى المذكور فى الذكر، لقوله تعالٰى و اذكر ربک إذنسيت۔(۴۳) و يقول القشيرى الذكر استغراق الذكر فى شهود المذكور، ثم استهلاكه فى، وجود المذكور۔حتى لا يبقى منک أثر يذكر، فيقال قد كان مرة فلان: فإذكرونى إذكركم أى كونو ر مستملكين فى وجودنا نذكر بعد فنا ئكم عنكم، قال تعالٰى انهم كانو ا قبل ذلک محسنين كانو وقتاً و لكنهم بانو ادائماً(۴۴)

و يتقدم الذكر جميع العبادات فى الفضل و الرتبه و ربما كان لصفة الدوام و الاستمرار عدم الانقطاع دخل فى هذا التفضيل و لذلک يتميز على العبادات فما من عبادة الا و لها وقت معين و إلى ذلک يشير الامام القشيرى رحمه الله فيقول: من خصائص الذكر أنه غير مؤقت بل ما من وقت من الاوقات الا و العبد مأمور بذكر الله: أما فرضاً و أماندبا و الصلاة و ان كانت اشرف العبادات فقد لا نجوز فى بعض الاوقات(۴۵)

و ينفى الذكر الغفلة و النسيان عن قلب المريد و لذلک يقول ذو النون المصرى من ذكر الله تعالٰى ذكرا على الحقيقة نسى فى جنب ذكره كل شئ حفظ الله تعالٰى عليه كل شئ و كان له عوضاً عن كل شئ(۴۶)

و يفرق الصوفية بين الغفلة و النسيان: فالأولى عبارة عن ترک باختيار الغافل و النسيان ترک بغير اختياره و لهذا قال: و لا تكن من الغافلين(۴۷)

و لم يقل: و لا تكن من الناسيين فإن النسيان لا يدخل تحت التكاليف فلا ينهى عنه(۴۸)

و عند الإمام القشيری رحمه الله الذكر علی ضربين ذكر اللسان, و ذكر القلب۔ فإذا ذكر اللسان به يصل العبد الی استدامة ذكر القلب و التاثير لذكر القلب فا ذا كان العبد ذاكر لسانه و قلبه فهو الكامل فی وصفه فی حال سلوكه و يتميز ذكر القلب بالاستدامة لان الذكر الذی تمكن استدامته ذكر القلب(٤٩)

الصحبة و آدابها:

بين الامام القشيری رحمه الله فی هذا الموضوع من آداب المريدين و السالكين التی ينبغی لهم ان يراعيها فی حضور المشائخ و الاخوان و منها ضرورة احترام المشايخ و توقيرهم و القيام لخدمة اخوانه إذا صاحبهم و جاورهم فی الرباط و البصر علی أخلاقهم و التحلی بآداب الخلاف معهم فيسكت عند موطن الخلاف حفاظا علی قلوبهم و خوفاً من اشاعة الفرقة بينهم مع عليه بأنه المحق و يظهر الوفاق دائما لهم جميعا , و ان كانو أقل منه سناً أو منزلة, و يعمل علی راحتهم(٥٠)

وتقوم الصحبة عند الصوفية علی أساس من الأخوة فی الله و الصفاء, و لا تنقطع لبعد البقاع و البلاء أو حتی با لموت فهی ممتدة, و يحرص الصوفی علی تحقيق أهدافها و الغرض منها فی كل وقت حين, و لا يفرط فی حق حقوقها و من ذلک الحقوق:

الا تحوج أخاک إلی الاستعانة بک, و التماس النصرة عليک , و ألا تعقر فی تفقد أحواله, بحيث يشكل عليک موضع حاجته فيحتاج إلی مسائلتک , و من حقه ألا تلجئه إلی الاعتزار بل تسبط عذره فإذاأ اشكل عليک وجهه عدت باللائمة علی نفسک فی خفاء عذره عليک و تنوب عنه حينما يذنب و تعوده إذا مرض و إذا أشار عليک بشئ فلا تطالبه بالدليل عليه و ابراز الحجة و ان تحفظ حقه القديم و تراعی حقه فی أهله المتصلين به فی المشهود و الغيب و فی حال الحياة و بعد الممات, (٥١)

وتتعدد وجوه الصحبة عند الصوفية و لذلک كان عليهم ان يحدوا مواقفهم من صحبة الحق و غيره فيقول ذو النون رحمه الله:

"لاتصحب مع الله الا بالموافقة , و لا مع الخلق الا با لمنا صحة و لا مع النفس الا بالمخالفة, و

لامع الشيطان الا بالعداو ة و المحار بة"(٥٢)

و يقول رسول الله صلى الله عليه و سلم:

المؤمن مرآة المؤمن، و المؤمن اخو المؤمن من حيث لقيه يكف عليه ضيعته و يحوطه من ورائه(٥٣)

و يلعب الصبر دورا بارزا عند الامام القشيرى رحمه الله فى تحمل جفاء الاخوان فى الرباط أو سفر و عند ما يخطئون فى حق المريد ثم يبادر هو بالاعتذار لهم و هو يعلم ببراءة ساحته، و كلما زادوا فى جفائه بالغ هو فى خدمتهم و زاد هو فى برهم: و إذ خدم المريد الفقراء فخواطر الفقراء رسلهم إليه فلاينبغى ان يخالف المريد ما حكم به باطنة عليه من الخلوص فى الخدمة و يذل الوسع و الطاقة(٥٤)

السماع:

يحتل السماع عند الصوفية منزلة خاصة، يعتقدون أنه يأتى فى البدايات السماع هو اول الأمر و يثمر حالة فى القلب تسمى الوجد(٥٥)

و يبين القشيرى رحمه الله خصائص السماع و ميزاته بقوله: السماع نغير يؤدى إليك رسائل الغيب و ليل ينفى عندک دواعى الريب و تعريف يغد على القلب على بريد التجلى و تأييد يحصل من الغيب بحس التوالى(٥٦)

و يقول القشيرى: من كان سماعة بعلم قارون الشواهد، فما أشارت إليه الأصول حظ هناک، و من كان سمعه بوجد ملكه البوادة، و لا يحتشم من اقتحام المهالک و من كان سماعه بحق انتفته الحقائق فعلت حالته عن جميع ذلک و لا يعد من هؤلاء و لا من اولئک(٥٧)

و يقرر الامام القشيرى رحمه الله أن السماع على ثلاثة أوجه الاول: للمريد و المبتدعين: يستدعون بذلک الأحوال الشريفة و يخشى عليهم فى ذلک الفتنة و الرياء والثانى: للصادقين يطلبون الزيادة فى أحوالهم و يستمعون عن ذلک ما يوافق أوقاتهم و الثالث: لأهل الاستقامة من العارفين، فهؤلاء لا يختارون على الله تعالٰى فيما يرد على قلوبهم من الحركة و السكون(٥٨)

وجملة القول يمكن لنا أن نقول : رفع الإمام القشيری رحمه الله قلمه على جميع الموضوعات الهامة للتصوف التی كان يحتج اليها الطلاب و السالكون فی عصره وألف "الرسالة القشيرية" وعرف فيها بأكثر موضوعات التصوف وعرضها بغاية الوضوح واختار منهجا سهلا لسهولة القاری وجمع فيها كلام الصوفية نثرا وشعرا كما أنه فی نفسه كان مفسراً ومحدثاً وأصولياً وشاعرا وأديباً وقدأظهر مهاراته الأدبية فی جميع مباحث الرسالة۔

♦♦♦

الهوامش والمصادر

١۔ تعطيل:أی بنفی صفات فرارا من تعدد القدماء كما ذهب إليه جماعة المعتزلة
٢۔ القشيری، الرسالة القشيرية، القاهرة، دار المقطم ص:٢٧
٣۔ المصدر السابق، ص:٢٨
٤۔ المصدر السابق، ص:٢٧
٥۔ الشوری:١١
٦۔ أنظر القشيری، الرسالة القشيرية، ص:٢٩
٧۔ الإخلاص:١۔٥
٨۔ الشوری:١١
٩۔ طه:٤٦
١٠۔ المجادلة:٧
١١۔ طه:٥
١٢۔ أنظر القشيری، الرسالة القشيرية، ص:٣٤۔٣٥
١٣۔ أنظر القشيری، الرسالة القشيرية، ص:٢٩
١٤۔ أنظر لترجمته:الشعرانی، الطبقات الكبری، بيروت:دار الكتب العلمية:١/١١٨
١٥۔ أنظر القشيری، الرسالة القشيرية، ص:٣٠
١٦۔ أنظر لترجمته، الشعرانی، الطبقات الكبری، ص:١/١١٩

١٧۔ أنظر القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ٣١

١٨۔ المصدر السابق، ص: ٣٢

١٩۔ المصدر السابق، ص: ٣١

٢٠۔ أنظر، القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ٢٩۔١١٠

٢١۔ أنظر، القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ١١٠۔١٤٥، العربی بیروت

٢٢۔ الحجرات: ١٣

٢٣۔ آل عمران: ١٠٢

٢٤۔ الأنعام: ٣٢

٢٥۔ أخرجہ أحمد بن حنبل، المسند۔مصر، دار المعارف: ٣/٨٢، ٢٦٦

٢٦۔ أخرجہ أحمد بن حنبل، المسند: ٥/٢٦٤

٢٧۔ أخرجہ ابن ماجہ فی سننہ بیروت دار الفکر: ٢/٣٣٠

٢٨۔ أنظر، القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ١٤٣

٢٩۔ المصدر السابق، ص: ١٤٥

٣٠۔ آل عمران: ٢٨

٣١۔ النحل: ٥١

٣٢۔ النحل: ٥٠

٣٣۔ آل عمران ١٧٥

٣٤۔ فاطر: ٢٨

٣٥۔ آل عمران: ٢٨

٣٦۔ الکہف ١٠٣۔١٠٤

٣٧۔ أحمد بن حنبل، مسند أحمد بن حنبل: ٢/٢٥٦، ٥٠٥

٣٨۔ أخرجہ البخاری، صحیح البخاری (کسوف ٢)۔(تفسیر سورۃ ٥، ١٢)و نکاح ١٠٧، (رقاق ٢٧) (إیمان ٣) و مسلم، صحیح مسلم (صلاۃ ١١٢) (کسوف ١) (فضائل ١٣٤) و النسائی، سنن النسائی (سہو ١٠٢) و الترمذی، جامع الترمذی (الزہد ٩)، و ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (زہد ١٩)

٣٩۔ أخرجہ الترمذی، جامع الترمذی، تفسیر سورۃ ٢٣، ٣

۴۰۔ القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص:۱۵۳

۴۱۔ المصدر السابق

۴۲۔ القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ۴۶۵/۲

۴۳۔ الکھف: ۲۴ و أنظر الکلاباذی، التعرف لمذھب أھل التصوف، مصر، دار الملایین، ص: ۱۲۱

۴۴۔ القشیری: لطائف الإشارات، بیروت، دار العلم، ص: ۱۳۷/۱

۴۵۔ القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ۴۶۸/۲، ۴۶۲

۴۶۔ أنظر المصدر السابق، ص: ۴۶۶/۲

۴۷۔ الأعراف: ۲۰۵

۴۸۔ ابن قیم الجوزی، مدارج السالکین، مکتبۃ الحضارۃ الاسلامیۃ، ص: ۴۲۴/۲

۴۹۔ القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ۴۶۵/۲

۵۰۔ القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ۷۴۰/۲

۵۱۔ المصدر السابق، ص: ۳۲۷/۲

۵۲۔ الطوسی: کتاب اللمع فی التصوف، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی ص: ۲۳۴

۵۳۔ أبو داؤد، ۲۸۰/۴، کتاب الأدب باب فی المناصحۃ الحیاط، رقم الحدیث: ۴۹۱۸ الترمذی، جامع الترمذی: ۳۲۶/۴، ۳۲۵، رقم الحدیث: ۹۲۹

۵۴۔ القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، ص: ۷۴۹/۲

۵۵۔ الغزالی، إحیاء علوم الدین، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۴۶/۲

۵۶۔ القشیری الرسالۃ القشیریۃ، ص: ۷۴۷

۵۷۔ المصدر السابق

♦♦♦

الشِّعرُ العَرَبِي للشَّيْخِ فَخرِ الدِّين العِرَاقِي فِي الأمنِ وَالسَّلامةِ

Peace and Harmony in Fakhar-u-Deen Iraqi's Poetry

Muhammad Sarwar

Assistant Professor, Department of Arabic,

Bahaudin Zakaria University, Multan

Abstract

This research article deals with the biography of Iraqi who wrote Persian poetry with a superb mixture of Arabic verses. These Arbic verses have themes of love, peace and harmony which make him one of the significant Sufi poets of the world poetry. This research has also traces out his stay in Multan for his spiritual learning and how he got married to the daughter of Bahauddin Zakariya Multani (R.A.). It has been found that the descendants of Iraqi are still living in Multan. As a sufi poet his poetry idealizes Sufism for the eradication of hatred, anxiety, apprehensions and terrorism. It also teaches love for the spreading worldwide peace.

Keywords: Iraqi, Arabic poetry, Sufism, Peace, Multan

كانَ الُعراقِيُ رجلاً زاهداً مثلَ سَادتِه الأَصفِياءِ، قد استَخُمَدَ ظمأَهُ عن المَناهلِ الروحانيةِ والأدبيةِ. فأصبَحَ مِنْ أعْيانِ الصُّوفيةِ وأعْوانِهم ومِنْ أبحرِ الأدبِ وثمالِهِ. وَ

ارتَدَی بالقرآنِ الُحکیمِ وتَقَمّصَ بِسُنُنِ نَبِیِّہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

قال شَاعِرُ الشَّرقِ العَلامَةُ مُحَمَّد إقْبَال بِاللُّغَةِ الفَارِسِيَّةِ فی کتابه"بیامِ مشرق":

گہی شعر عراقی را بخوانم	گہی جامی زند آتش بجانم

اسمه:

فخرُ الْمِلّةِ والدِّينِ إبراهِيْم بن بزرجمهر بن عبد الغفار المعروف بالعراقي(١) ذَكَرَ البغدَادِي: "إبراهيم بن شهريار الهمداني فخر الدين العراقی الشاعر".(٢) وكذلك ذُكِرَ "فخرالدين إبراهيم بن بزرگ مهر بن عبدالغفار الجوالقي الهمداني، واستشهر "بالْعِراقِي".(٣)

مولده:

وُلِدَ فَخرُ الدين إبراهيم العراقِي فِي قريةِ "كَمْجَان" بقُربِ همدان، يُعرَفُ اليوم بإيران. وقيل: أن والدَه رَآى رُؤْياً طَيّباً فأُرِيَ له سيدُنا عليٌ يُسلّم إليه صبِياً رضيعاً، وقال: "خُذ! "العراقيا" وقُمْ بتربيته حقّ تربيةٍ، ويرفعهُ اللهُ، سوفَ يكونُ فاتحَ الْعالَم"(٤)

دراسَته:

بَدأَ دراستَهُ الابتدائيةَ فِي قَريته بدراسةِ القرآن الكريم "وحفِظ القرآن الكريم في صغر سنِّه.(٥) ثم أصبح مكباً على كسبِ العلمِ ونال حظاً وافراً منه. واستَفَادَ زمناً طويلا في إحدى المدارسِ من تلك البلدة وأتقن فيه إلى السابع عشر من عمره". وَقَدْ اِستَنبطَ دَخَائِلَ الْعِلْم، وَاستَجْلَى غَوَامِضه وَاستَقْرَى دَقَائِقه. حتى برِعَ في العلم والأدب وعُدّ من جهابذتِه.(٦) بعد فَترة وجيزة التقى عِصابةً من الدراويش وجاءت تلك العِصابةُ إلى ملتان وكَتَبَتْ على الشيخ بهاءالدين زكريا، الذي كان

قُمَّة الطريقة السهروردية فيها. ثم استوطن العراقيُ مدينةَ ملتان فقضى خمساً وعشرين سنة من عنفوان شبابه في خدمة شيخه فأَلْبَسَه خرقةَ الخلافة حسب الطريقةِ المتداولةِ من الصوفية، ثم أنكح ابنتَه إيّاه وكان اسمُها "نور بی بی".(٧) "ثم رزقه الله

ولداً صالحاً سنة ٦٤٣هـ/ ١٢٤٥م، فسمّاه كبيرَ الدين". (٨) ولبث العراقي في ملتان خمساً وعشرين سنة في خدمة بهاء الدين زكريا الملتاني، ثم سافر إلى زيارةِ الحرمين الشريفين فسعد بهما. (٩)

وكان الشيخ بهاء الدين زكريا مجمعَ الشريعة والطريقة وعارفاً كبيراً ومرجعاً للخواص والعوام، فأصبح العراقي بفضل الله الكريم مَثيلَ شيخه، جامعَ المعقول والمنقول في العلوم كما أنه كان واسطــةَ العقد في السلوك والإرشاد.

رِحلتُه:

"بعد وفاة الشيخ زكريا الملتاني سافر العراقيُ أولاً إلى مكة المكرمة والمدينة المنورة، بعد زيارة الرسول ﷺ ذهب إلى تركيا. وقضى بعض الأوقات في خدمة الشيخ جلال الدين الرومي (٦٠٤-٦٧٢هـ) فتوفّي الرومي بعد مدةٍ قصيرةٍ، (١٠) ثم ذهب مدينة قونية حيث استــقــرَّ العراقي فَــترةً، فزار خَليفةَ الشيخِ محي الدين ابنِ عربي "الشيخ صدرَ الدين القونوي" (٦٠٦- ٦٧٢هـ) آنذاك. وجلال الدين الرومي، و صدر الدين القونوي هما من أفاضل الصوفية المعروفة في ذلك العصر. ثم غادر العراقي قونية إلى مصر ثم لجأ إلى دمشق". (١١)

وفاتُه:

و قَضَى العراقي الساعاتِ الأخيرةَ لِحياته بدمشق. إلى أن اصْطَــفاهُ اللهُ لِجــــوارِهِ الثامنة من شهر ذي القعدة، سنة ثمان وثمانين وستمائة فدُفن بجوار ضريع الشيخ الأكبر محي الدين ابن عربي (٥٥٨-٦٣٨هـ). (١٢)

قد ألّف العراقي كتباً عديدةً. من أشهر مؤلــفاتــه هي: (١) من كتبه المنثورة: "لمعات" و "رسالة مصطلحات صوفية" و "رسالة لطيفة في الذوقيات" و "رسالة في الحمد". ومن كتبه منظومة: "كليات العراقي" باللغة الفارسية وفيه أبيات كثيرة باللغة العربية على شتى الموضوعات الصوفية.

وكذلك فخر الدين العراقي من فحول شعراء المتصوّفين ببلاد فارس، ويدور شعــرُه

في أنحاء عالَمِ الثـقافةِ الفارسيةِ العربية. وقد انجذب ـه فكرة محي الدين ابن عربي جذباً عميقاً في نشر التّصوّف الفلسفي والشعر الرمزي". (١٣)

معاصروه داخل ملتان:

ومن أشهر معاصريه داخل ملتان:

١) الشيخ بهاء الدين زكريا الملتاني (١٤)

٢) السيد شمس الدين سبزواري (١٥)

٣) الشيخ صدر الدين عارف (١٦)

معاصروه خارج ملتان:

ومن أشهر معاصريه خارج ملتان:

١. محي الدين محمد بن علي بن محمد بن عربي الحاتمي الطائي الأندلسي (٥٥٨-٦٣٨هـ) (١٧)

٢. جلال الدين محمد بن محمد بن حسين بهاء الدين البلخي الرومي (٦٠٤-٦٧٢هـ) (١٨)

٣. أبو المعالي محمد صدر الدين ابن إسحاق بن محمد بن يوسف بن على القونوي (٦٠٦-٦٧٢هـ) (١٩)

إصغاءُ أحفادِه إلى ملتان:

قُبِضَ الشيخ بهاء الدين زكريا الملتاني إِلَى رَحْمَةِ اللهِ تعالى سنة ١٢٦٢م. (٢٠) وغادر العراقي ملتان إلى دمشق، وَطلب ابـنَـه "كبير الدين" إليه من ملتان. (٢١) وذكر الملا نادر: تُوُفِّيَ كبيرُ الدين إِلَى رَحْمَةِ اللهِ سنة ٧٣٦هـ/١٣٣٥م. (٢٢) إنه كان عالماً بارعاً وفقيهاً نحريراً في العلوم الإسلاميةِ والفنونِ العربيةِ. وكان وحيدَ عصرِه وفـزَّ دهرِه في التصوّف والعرفان. (٢٣) وَأَفْرَغَ اللّهُ عَلَيْهِ سَحَائِب رَحْمَته وَأَسْكَنَهُ اللّهُ جِوَارَ أبيه بدمشق. (٢٤) ورُزِقَ كبيرُ الدين ابناً تقياً سنة ٦٧١هـ/١٢٧٢م (٢٥) وكان اسمُه "محمد إبراهيم"، وذهب محمد إبراهيم إلى الحرمين الشريفين لإرادة حجّ بيتِ الله المكرم واستـقـرَّ مدينةَ النبي صلى الله عليه وآله وسلّم. (٢٦) وَعَـلِـقَـتْـهُ أَسْبَابُ الْمَنِـيَّـة هناك سنة ٧٧٢هـ/١٣٧٠م، وانضمَ ثـراه

بتربة البقيع. (٢٧) رزقَ اللهُ الشيخَ محمد إبراهيم ولداً صالحاً، فسمّاه "حميدالدين" وهَاجَـرَ إلى خراسان للدراسة الدينية و زوّج هناك بِـبِنتِ أمير خراسان. (٢٨) و وَهَبَ اللهُ لـهُ ولدَين صالـحَين "كمال الدين" و "بدر الدين". ثم ذهب حميدالدين إلى الحرمين الشريفين بولدَين كلَيهما و أمهما لإرادة الحجّ، فتوفّي ابنُه الأصغرُ "بدر الدين" في مدينة النبي صلى الله عليه وآله وسلّم, و بعد شهرين تُـوفّي حميدالدين نفسُـه. فدُفِـنـا في جنة البقيع. ثم آبَ ابنُه الأكبرُ "كمال الدين" بأمّـه إلى خراسان.(٢٩) وَانْقَطَعَ "كمال الدين" إلَى دَارِ الْبَقَاءِ سنة ٨٤٦هـ/١٤٤٣م، دُفن بخراسان وصار مرقدُه مآلَ الخلائق.(٣٠) و ولدُه كان "حسام الدين" فَـقُبِضَ إلَى رَحْمَةِ اللهِ سنة ٩٠١هـ/ ١٤٩٥م بخراسان.(٣١) و ولدُه "معين الدين" كان مستجابَ الدعواتِ، وَانْتَـقلَ إلَى دَارِ الْـقَرَارِ سنة ٩٣٩هـ/١٥٣٢م، دُفن بخراسان. (٣٢) وكذلك استَـوطَن أربعةُ أجيالِ العراقي خراسانَ من "الشيخ حميدالدين" إلى " الشيخ معين الدين" فلم يأت أيُ نَـفَـرٍ من تلك الأجيالِ إلى ملتان. ومن جيلـه الـخامس نشأ "وجيهُ الدين" ثم اشتاقَ ذوقُـه إلى مدينة جدّه ملتان وفرح بقدومِه أهلُ ملتان وفَـرَشوا أهدابَـهم له. وقام بتدريس في مدرسة قطب الدين الكاشاني وزوّج بِـبِنتٍ تـقيةٍ من القبيلة القريشية ثم عاد إلى خراسان. و رزقه الله ولدَين، الأول: "عبدالكريم" والثاني: عبدالرحيم" وهما عالمان بارِعان. وبعد مدةٍ مديدةٍ جاء وجيهُ الدين إلى ملتان و التَحَقَ بتدريسِ العلوم الإسلاميةِ العربيةِ، وَأَفْضَى إلَى رَبّـهِ سنة ٩٧١هـ/١٥٦٣م ودُفن بجوار مقيلِ قطب الدين الكاشاني بملتان. و ولده الأوّل "عبدالكريم" كان عالماً عاملاً وصوفياً كاملاً، و وارثاً لخلافة أبيه وقضى حياته كلّها في تعليم الدين وتبليغه ثم أَوْدَتْ بِهِ الْمَنِيَةُ سنة ١٠٢٦هـ/١٦١٧م ودُفن بخراسان.(٣٣) وكان ابنُـه "محمود" مثيلَ أبيه في الزهد والتقوى، وَانْصَرَفَ إلَى جِوَارِ رحمةِ رَبّهِ سنة ١٠٩٤هـ/١٦٨٣م ودُفن بخراسان. ثم خلفـه "عبدُالله" خير خلفِـه ويقال له حاجى موسى، وقام بتدريس الحديث النبوي الشريف في المسجد النَبوي مدة إحدى عشرة سنة. و دَارَ أوبـتُـهُ وإتيانُـهُ بين خراسان والمدينة المنورة، وَانْقَطَعَ إلَى جِوَارِ مَوْلاه ودُفن بخراسان سنة ١١٢٨هـ/١٧١٦م. فـقد رُزِقَ "الشيخُ عبدُالله" بـوَلَـدَين فسمّاهُما "علي محمد" و "محمد يونس" كانا حافظَينِ للقرآن الكريم، فتمكّن ولدُه الأكبر "الحافظُ علي محمد" على

مسندِ أبيه و جَرَى بينه الإيابُ والذِهابُ إلى ملتان.(۳۴) واستمرَّ على مَجهوداتِ أبيهِ الروحانيةِ. وجاء إلى ملتان لِتَشقيفِ المتوسلين بأبيه مراراً, وكان له مجالسُ روحانيةٌ في ملتان مِنْ مُريدِيهِ وسالكِيهِ وكان مِنهم "المولوي جان محمد" سالِكٌ مقربٌ ومُريدٌ خاصٌ إليه. ولما مَرِضَ "الحافظُ علي محمد"، رآى "المولوي جان محمد" في المنام أن شيخَه عليلٌ جدًا فلَقَّ الفراشَ ورَحِلَ أنذاك ثم بلغ إلى خراسان فوجد شيخَه سقيماً على الفراش كما قد كان أُرِيَ له في المنام. وأوصى شيخُهُ مريدَه أن يذهب بأولاده إلى ملتان ويُربِّيَهم تحت رعايته اقتضاءَ الخطوط الدينية. ثم رفعه الله إليه سنة ۱۱۷۴هـ/۱۷۶۱م بخراسان. بعد تدفين شيخه عاد المولوي جان محمد إلى ملتان برملة شيخه و ولَدَيه. ثم اهتمَ المولوي جان محمد لأسرة شيخه اهتماماً خاصاً من المسكن والطعام. ثم أنكحَ ابنتَيه بفَتَيَيْ شيخه. وَلَحِقَ "المولوي جان محمد" بِاللَّطِيفِ الْخَبِير سنة ۱۱۹۲هـ/۱۷۷۸م، دُفن في مقبرة الحافظ محمد عمر بملتان.(۳۵) (فاستوطن أولاد العراقي ملتان وطناً مستقلاً إلى الآن). فصار الولد الأكبر "محمد حيات" وارثاً لخلافةِ أجدادِه ثم بنى مدرسةً لتعليم علومِ الدين. وَاصْطَفَاهُ اللهُ لِجِوَارِهِ سنة ۱۲۰۹هـ/۱۷۹۴م، دُفِنَ بقرب قبرِ المولوي جان محمد. وكذلك ابنُ محمد حيات كان الخواجه محمد موسى الصديقي، فتمكّن على مسند أبيه "محمد حيات". وَنَقَلَهُ اللهُ إِلَى دَارِ القَرارِ سنة ۱۲۶۱هـ/۱۸۴۵م ودُفن في حيِّ كمنگران بملتان. و ولدُه كان "محمد خدا بخش" وَانْقَطَعَ إِلَى جِوَارِ رحمَةِ مَوْلاه سنة ۱۳۱۱هـ/۱۸۹۳م.(۳۶) وله أربعة أبناء (۱) "محمد نظام بخش" المتوفّى ۱۳۲۶هـ/ ۱۹۰۹م، و (۲) "نبي بخش" و (۳) "نصير بخش" و (۴) "حسن بخش". فصار محمد نظام بخش نائباً وخليفةً لأبيه. و وُهِبَ "محمد نظام بخش" بأربعة أبناءٍ: وهم: (۱) "محمود بخش" و (۲) "واحد بخش" و (۳) "نور بخش" و (۴) "محمد حسين بخش". ("محمود بخش" و "واحد بخش" ماتا بغير أولاد) و ("نور بخش" له ولدٌ، اسمه: حضور بخش)، فَقُبِضَ "الشيخُ محمد حسين بخش" إِلَى رَحْمَةِ اللهِ سنة ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹م: له ثلاثةُ أبناء، وهم: (۱) "محمد شاه بخش" و (۲) "دلدار بخش" و (۳) "بشير أحمد". وتُوُفِّي "الشيخُ محمد شاه بخش" سنة ۱۹۷۰م. و دُفِنَ بخانيوال. له ابنانِ، هما:

(۱) "محمد حامد بخش" و (۲) "حمید بخش" وتُوُفّي "حمید بخش" سنة ۱۹۹۷م. له خمسةُ أبناءٍ: (۱) "الشیخ عبد الباقي بالله" و (۲) "دلشاد حسین" و (۳) "واجد حسین" و (۴) "مبارك حسین" و (۵) "محمد حسین".(۳۷)

الشیخُ الخواجه عبدُ الباقي بِالله:

"الشیخ عبد الباقي بالله" هو خیرُ الخلفِ لأسلافه ووارثٌ لأجدادِه في التصوّف والسلوك. وهو من معاصرنا ولكنّه أَسنُّ مني ستٍ وعشرین سنة. (بارك الله في عمرِه). وقد حصل علی شهادتَي الماجستیر في الألسنةِ الشرقیةِ أي اللغة الأُردیة واللغة الفارسیة، وكذلك حصل علی شهادة ماجستیر الفلسفة في اللغة الأُردیة. إنّه كان أستاذاً مساعداً ورئیساً لقسمِ اللغة الأُردیة بكلیّة حكومیة علمدار حسین بملتان. ثمّ تَقَاعدَ عن هذا المنصب من تلك الكلیّة الرابع عشر من شهر مایو سنة ۲۰۱۲م. الآن یَسكُنُ في حيِّ كمنگران بملتان. وهكذا وَرِثَ عن أجدادِه ذخیرةَ الكتب من المطبوعاتِ والمخطوطاتِ والمفقوداتِ. وإنه قد عَهِدَ أن یبذُلَ مجهوداته البالغةَ ویَقضِيَ الحِجَجَ الأخیرةَ في تحقیقِ المخطوطاتِ وجمعِ المفقوداتِ ونشرِهما. وكذلك یَصرِفُ أغْلَی ساعاته في تألیفِ الكُتُبِ والمَقالاتِ عن أحوالِ أسلافه وآثارِهم الثمینةِ. وله مؤلفاتٌ منها:

۱۔ خواجہ محمد شاہ بخش (شخصیت اور شاعری)
۲۔ علامہ اسد ملتانی (شخصیت اور شاعری)
۳۔ مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی (احوال وآثار)
۴۔ خدمات شیخ فخر الدین عراقی
۵۔ اِنسان گرامی شیخ سعدی شیرازی
۶۔ جمال السالکین (خواجہ محمد نظام بخش ملتانی)
۷۔ ملتان میں خانوادہ شیخ فخر الدین عراقی کی دینی واصلاحی خدمات
۸۔ مثنوی ملّا نادر (منظوم نسب نامہ خانوادہ شیخ فخر الدین عراقی)

ووهب اللهُ له من الصالحین نجلاً وحیداً، وسمّاه "محمد حسّان العالي". وإنه الآن ابنُ تِسعٍ وعشرین سنة. وسیكون بفضلِ الله الكریمِ وارثاً نجیباً نبیلاً لأجدادِه

وأسلافه في التصوّفِ والسلوكِ.

وكذلك وهب الله له من الصالحات بِنْتاً، وسمّاها "وجيهة باقي". وهي عندَ اللهِ كاسمِها وجيهة، من الله منحة ثمينة ، ذات الحسب والجمال صبيحة، والخُلُق والشمائل رفيعة. وكذلك في العلوم والفنون فقيهة. وإن كانت هي أصغر سنّةً ولكنّها أكبر فُقاهةً، واختصّتْ مجهوداتِها كَي تُعِيْنَ أَباها على حلِّ مشاكِله في نشرِ آثارِ أسلافِها من الْكُتُبِ، وَالأَسْفارِ، وَالْمجَلاتِ، وَالأَضَابِيرِ لَيلاً ونهاراً.

وجودُ الأصفياءِ في المجتمع:

لا شكّ أن وجودَ الأولياءِ بركةٌ للمجتمع وسعادةٌ لهُ من حيث العموم لا أُريدُ فقط المجتمع الإسلامي لأنّ كونَهم فينا كالبِئْرِ، لأنَّ الآبارَ يَستخدمُ أرشيتَها ودلاءَها كلُّ مَن وَرَدَ عليها كي يخمِدَ ظمئَه بغَيرِ قيدِ الكافرِ أو المسلمِ فإنّها مخزنُ المياه ومُخمدةُ الظّماءِ غير ممنوعةٍ للحيوان ولا مُصفَّحةٍ للإنسان. وهكذا وجودُ عبادِ اللهِ على أرضِ اللهِ يكونُ رحمةً لخلقِ اللهِ، فإنّ وجودَ صفيٍّ مَنْ أصفياءِ اللهِ سببُ نزولِ رحمةِ اللهِ على عيالِ اللهِ فإنّه لَهم بَسطَةٌ في القلمِ والمقالِ باسطُ الخيرِ فيهم بعذبةِ المقالِ، ويُعِيْنُهم على نوائبِ الحقِّ فلا ينالُونَ إلاّ نالُوْا بهِ المثال، حتى لم يعرِفوا ربَّهم بل صفيُ الله لهم عليه الدّال، و رافِعُهم من الغُوَيرَة إلى قِمَمِ الكمال، بِفِعَالِهِ الحسنةِ ولَيِّنِ المقال، ويكون شفاءَ صدورِهم في الأنْهُرِ واللَّيال.

الشيخُ العراقي:

وهكذا ممدوحُنا الشيخُ العراقي أبلَى حياتَه كلَّها في ذلك المجال، وأخرجَ خلقَ زمنِه إلى السلامة والهُدوءِ من الجدال والوبال، فما فات منهم أقال لهم الإقال، وأصبح وجودُه فيهم سكينةً عن ربه ذي الجلال، وأشرب العوام والخواص عن فَيضِه الزُّلال، وغاثَهم بغَيثِه يُضرَبُ له الأمثال، سَقَى اللهُ ثَرَاه بالسحاب الثِّقال.

شعر فخر الدين العراقي والأمن والسلامة:

محبة الوطن أعلى العشق:

أَلا يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ ، تَحَذَّ قَلْبِيْ
إِلَيْكُمْ وَاشْتَمَلَ مِنْ اشْتِيَاقِي
وَعَلَّ لَعَلَّ لِطَيْفِيْ نَارُ قَلْبِيْ
وَ قَلْبِيْ مِنْ تَرَاكُمْ فِيْ اِحْتِرَاقِ
جَرَعْتُ مِنَ التَّفَرُّقِ كُلَّ يَوْمٍ
وَأُجْرِيَتِ الدُّمُوْعُ مِنَ الْمَآقِيْ (۳۸)

فى تلك الأبياتِ يهتِفُ الشيخُ أهلَ العراق قائلاً: يا أهلَ الوطن! فإنّ عَيْنَيّ تَسيلُ بالعَبَراتِ على فَترةِ الفِراقِ وعَدمِ التَّلاقي، ياأيُّها الساقِي مِن بَلدِي فاسقِنِيْ بنظرِك ، أدِرْ علَيّ دورةَ الآفاقِ، وصِلْ قطِيعتَك بالتَّلاقي. ثُمَ نَادَى وطنَه وأهلَه لعلَّ مدةَ الافتراقِ قد أدَامتْ واستَقرَتْ بمكانِها أو أَطالتْ الفَترةُ خلافَ الوصلةِ، وأنا فِي وطيسِ فِراقِكم حَريقٌ فأَخْرِجُوني منها و دَاوُوني بزيارتِكم عاجلةً وإلاّ فأموتُ على بُعدٍ. لأنّ جنبِيْ قداستَنارتْ بِنيرانِ تقوُّضِ مجلسِكم فإنها تزيد يوماً فيومًا. يا أهل العراق! كيفما وأينما يمكن لي التَّلاقي. ياأيّها الوطن! اِرْحموا على قتيلِ العشقِ وأبْرِدوا الْتِهابَ الفراقِ بماءِ مآقيكم. أو بماءِ الوِصالِ على نيرانِ الفِصالِ. وقيل: "حب الوطن من الإيمان". (۳۹)

ربيع الحياة:

لَقَدْ فَاحَ الرَّبِيْعُ وَ دَارَ سَاقِيْ
وَهَبَّ نَسِيْمُ رَوْضَاتِ الْعِرَاقِ
أَلا يَاحَبَّذَا ! نَفَحَاتُ أَرْضٍ
جَوَى الْمُشْتَاقِ يَشْفِيْ بِاشْتِيَاقِ (۴۰)

يَصفُ الشاعرُ فصلَ الربيعِ ويقولُ عندَما هَلَّ عَلَينا ذلك الفصلُ يُمَسِّك هواءَ رياضِ وطنِيْ "العراق"، فتَفُوحُ رائحةُ بُستانِ بلَدِي، فيُشيرُ

النفوسَ. ويَشفِي الفضاءُ المعطّرُ العشّاقَ والعواشقَ. فنتعلّم عن الشيخِ أن نعيشَ كالربيعِ ونبسُطَ الفرحةَ والسُّرورَ والابْتِسامَ كي يبتَسِمَ زهرةُ حدائقِ حياتِنا.

الصبر على المفارقة:

أَلا قَدْ طَالَ عَهْدِيْ بِالْوِصَالِ
وَمَالِيْ الصَّبْرُ عَنْ ذَاك الْجَمَال
يَضِيْقُ مِنَ الْفِرَاقِ نِطَاقُ قَلْبِي
وَ يَشْتَاقُ الْفُؤَادُ إِلَى الْوِصَالِ
فِرَاقُكَ لا يُفَارِقُنِيْ زَمَانًا
فَمَالِيْ لِلْهَجْرِ مَوْلائِيْ وَمَالِيْ(۱)

في هذه الأبياتِ ذَكَرَ ضَيْقَةَ صدرِه بالفراقِ ويخافُ على أن يَطيرَ طَيرُ صدرِه وقال قَضَيتُ أيّاماً لا انفِصامَ لها في الهجرِ, كاد قَلبِيْ يُشتِّتُ أشتاتاً, ويمزِّقُ تمزيقاً أو يَنفجِرُ إنفجارًا إن لم تُسبَرْ على جراحتِه وتُشتَمَلْ جمعه بالوصالِ فعسى أن تُخرِّبَه إطالةُ الفَترةِ والهجرِ. تُظهرُ هذه الأبياتُ أنَ الصبرَ والحلمَ من أصلِ الأمنِ والسلامةِ.

انقطاع للعبادة:

أَصْبَحَ مُسْتَبْشِرًا مِنْ سُبُحَاتِ الْجِمَالِ
أَشْرَقَ مُسْتَهْتِرًا مِنْ سَطَوَاتِ الْقِرَابِ
لاحَ مِنْ أَسْرَارِهِ طَلْعَةُ صُبحِ الْيَقِيْنِ
رَاحَ بِأَنْوَارِهِ ظَلْمَةُ لَيْلِ ارْتِيَابِ
نَاشِرُ عِلْمِ الْيَقِيْنِ كَاشِفُ عَيْنِ الْيَقِيْنِ
وَاجِدُ حَقِّ الْيَقِيْنِ هَادِي مَهْدِي خِطَاب
نَظْرَةُ أَنْعَامِهِ رُوْحُ قُلُوْبِ الصُّدُوْرُ

تُـرْبَتُ أَقْـدَامِهِ كَـحُـلُ عُـيُـوْنِ النَقَابِ(۴۲)

وفي تلك الأبيات يمدح الشيخ العراقي رسول الله ﷺ قائلاً: أن حبيبَ الله ومنعوتَه كان ينقطع للعبادة ويُطيل سجدتَه حتى أنّ جبهتَه كانت تتلألأ كدُرَةٍ بيضاءَ وَتَجُولُ فِي غُرَتِهِ محاسنُ الْكَرَمِ وتتشعْشعُ أضوءَ من القمرِ ليلةَ البدرِ. ((عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ قَالَ سُئِلَ الْبَرَاءُ أَكَانَ وَجْهُ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - مِثْلَ السَّيْفِ قَالَ لاَ بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ))(۴۳) زاد الشيخ على ذلك قائلاً: إنّ ممدوحَه سيّدنا إذا أَصبَحَ في الدنيا فانكَشفتِ الظُّلمةُ بأسراره وأشرَقَ وجهُه كالصُّبحِ الصَّبيحِ، واكْتشفَ الخلائقُ الهدايةَ بوُرُودِ الهادي المَهدي. فإِنَّمَا نُنَفِّسُ بالْتِفاتِه إيَّاهُ إلَينا، ونكحَلُ بِغُبار خُطاه ونَسْتَشفِي بِصعيدِ رِجْلَيْه لِلْماَقي. والظَّاهِرُ أنَّ العِبادَةَ بِالشَّغَفِ أو بِالاسْتِغراقِ لايُمكِنُ إلاّ في أَيَّامِ السَّلامةِ، في تلك السَّاعاتِ لايُحِسُّ الإنسانُ الخَطرَ ولاخوفَ لذلك يَرغبُ فِي العبادَةِ وجعَلَها شملةً عليه.

المصاحبة:

طَابَ رُوْحُ النَّسِيْمِ بِالأَسْحَارِ
أَيْنَ دَوْرُ النَّدِيْمِ بِالأَدْوَارِ؟(۴۴)

في هذا البيت يُشِيرُ إلى شيءٍ مُهمّ أنّ الدَّهرَ منذُ مدةٍ طويلةٍ كان ينتظرُ لمن يَعمرُه وَأسحارَه ويُنَفِّسُ في طيبِ نسيمِها إلى أن أتى النبي ﷺ بعد فترةٍ هائلةٍ فأصبحَ نديماً للدهرِ وجليساً له، إنّما كان العصرُ يَشتاقُ إليه بفُروغِ قلبِه حتى أرسلَ اللهُ حبيبَه إليه وأَسرَّهُ به، ولو أنّنا نتعاملُ حسب سننِ نبيّه ﷺ فسوف نعمُرُ الدهرَ حسب تطلُّباتِ الزمانِ واقْتِضائه عندئذٍ تترشَّحُ السكينةُ بأعْمالِنا.

الحنين إلى الرحيق:

أَكُـئُـوْسٌ تَـلأَلأَتْ بِـمُـدَامِ
أَمْ شُـمُـوْسٌ تَـهَـلَّـلَـتْ بِغَمَامِ
قَـدْ فَـاتَـنِـيْ الـصَّـبُـوْحُ فَـأَدْرِك
مِـنْ قَـبْـلِ فَـوَاتِ الْإِعْـتِـبَـاقِ

مُشَعْشَعَةٌ إِذَا أُسْكِرْتُ مِنْهَا
فَلا أَصْحُوْا إِلَى يَوْمِ التَّلاقِ
وَ إِنْ لَّمْ يَبْقَ فِي الدَّنِّ الْحُمَيَّا
تَدَارُك بِالرَّحِيْقِ مِنَ الْحِدَاقِ
أَمَا تَسقِيْ كُئُوْسَ الْوَصْلِ يَوْمًا
إِلَى كَمْ كَأْسِ هِجْرَانِ تُسَاقِ
أَدِرْ ، يَا أَيُّهَا السَّاقِيْ ، أَرِحْنِي
زَمَانًا مِنْ خُمَارِ الإِفْتِرَاقِ(٤٥)

فى تلك الأبيات يتلمّحُ أن الشيخ يَهفُو قلبُه دائِماً إلى الـمُكسراتِ و الدّواعي الّتي يُستَهدَى بِها لقربةِ الله و قربةِ حبيبه ويُريد بالخمورِ خمورَ العشقِ وغايةَ المحبّةِ ويُكرّرُ الخمرَ فِي أبياتِه كَيْ يُخمِدَ ظمأَهُ بكئسِ العشقِ الفذّةِ ويُصرَّ أنْ يُشرَبَ فى قلبِه عشقُ الله وعشقُ رسولِه مراراً كأسًا بعد كأسٍ متتابعاً بغيرِ فصلٍ. فثبتَ الشيخُ أنّ حُبَّ الله وحبَّ حبيبه يُذهبنا إلى المقرِّ الّذي لا يُلجأُ إلى ذلك إلاّ في زمنِ الهدُوْءِ.

اضطِراب اللقاء:

كَمْ أَصْبِرُ قَدْ صَبَرْتُ حَتَّى
رُوْحِيْ بَلَغَتْ إِلَى التَّرَاقِ(٤٦)

في هذا البيتِ الفريدِ يَستصرِخُ النبیﷺ أن يشفِيَهُ بزيارتِه، فقد ظهر أنَّ الشيخَ قد فَقَدَ نفسَه فِي حبِ الله و حبِ حبيبه إلى أن فَازَ على حُصول ذلك المَنصبِ المُميّزِ. و لو أنَّنا نتَّبِعه فسوف نكون من الأعضَاءِ الفائِزين للمجتمعِ و المرشِدين لمَن خلف.

الأقوال العذبة:

مَا اسْتَعْذَبَ مَسْمَعِيْ حَدِيْثًا
مُذْتَابَ بِذِكْرِكُمْ مَذَاق (٤٧)

يقول الشيخُ العراقي مُنذُ ذُقْتُ أقوالَك العذبةَ ألفاظَك المُسكِرةَ و قرعتْ سَمعِيْ

كلماتُك الفذّةُ فلا يُصغي قلبـــي إلى أيّ حديثٍ أو قائلٍ قطُّ. يقول الشيخ كنايةً أن لفظَ النبيﷺ مغناطيسُ أفـــئـــدتِـــنا وشفاءُ صدورنا. وأَحسَن ما قال عمرو بن معديكرب "الكلامُ اللين يليّن القُلوبَ التي هي أقسى من الصخورِ والكلام الـخشِنُ يُخشّن القلوب التـي هي أنعم من الـحريرِ". (٤٨)

الاشتياق أثمن الغنائم:

أَشْــتَــاقُ إِلَــى لِــقَــاَك ، فَانْــظُــر
لِــيْ وَجْــهَــك نَــظْـــرَةَ الْأَلَاَق
اِسْــتَــوْطَــنَ بَــابَــكُــمْ عَــسَــى أَن
يُــحَــظِّــيْ نَــظْــرًا بِكُمْ حَدَاقِ
أَلاَ قُــمْ ، وَاغْــتَــنِـمْ يَــوْمَ الــتَّـلاَقِـي
وَ دُرْ بِالْــكَــأْسِ وَارْفِــقْ بِالــرِّفَــاقِ(٤٩)

يقول الشيخُ ألزمتُ بابَك ياسيدي! كَــيْ أرَى وجهَك الـمنيرَ أو يَـرفعَ بصرُك عَليّ أو أنــتـظِـرَ تـقلُّبَ وجهِك فــيَّ. وأفرشْتُ لدي بابك كــيْ تسقِــيَــنِــي بكأسِ أَلــحَــاظِك وتُـخمدَ ظَمـئِـيْ بــجِـفَان أجفانِك. ويُـدَرّسُــنَا الشــيخُ الالْـتِـزامَ بالـمراقبــةِ كَــيْ يستـحِــيلَ لنا أن نُصلحَ أنــفُسَنا بتلك الـخطوطِ الـمرَســمّــةِ التــي رسّـمَها لنا الشيخُ.

الــتــواضُعُ لله:

فَــمَــالِــيْ لَــمْ أَطَــأْ سَــبْــعَ الــطِّــبَاقِي
وَلَــمْ أَصْــعَــدْ عَــلَى أَعْــلَى الْـمَـرَاقِ
عَــلَى أَعْــلَى الْــمَــعَــارِجِ وَالْــمَعَالِي
وِطَــاءِ الْــمَــجْــدِ أَوْحَ كَالــتَّــرَاقِ
وَ إِنِّــيْ لَــمْ أُصَــرِّحْ بِــاتِّــحَــادٍ
وَلَــكِــنْ إِنْ فَــنِــيْــتُ أَكُــوْنُ بَــقِ(٥٠)

يقول الشيخُ في هذه الأبيات إن لم أُدَرَّجْ إلى الدّرجاتِ العليا أو القِمَمِ الرَّفيعةِ الشَّهيرةِ فما أُبالِي، كذا لاأُبالِي إن لَم أُعرَفْ بالمجتمَعِ فِي الحياةِ ولكن تَنكشفُ حقيقتي ويعرَفُ بِعُلُوِّي بعدَ رِفعَتِي عنِ الدُّنيا. كما تَخرُج الحبّةُ عن الثّراءِ بعدَ دفنِها خضِرَةً يُعجبُ الزُّرَاعَ. كماجاءفي الأثر: ((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ دَرَجَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ دَرَجَةً حَتَّى يَجْعَلَهُ فِي عِلِّيِّينَ)) (٥١) فثبتَ أنَّ المتواضعَ لله لايَتوجه إلى عبادِالله بل يَنقطِعُ عنهم لله فلايَستغيثهم ولا يخافُ عنهم، فكونُه فِيهم سببُ الرحمةِ مادام حيًّا فيهم.

هزَّةُالصدور:

وَكَيْفَ تَبِيْنُ فِيْ ثَيَارِ بَحْرٍ
قُطَيْرَاتٌ جَرَيْنَ مِنَ السَّوَاقِ (٥٢)

وإنّنالانستطيعُ أن نُميّزَ بين ثورةِالأَمواجِ وهزَّةِالصدورِ. ويقولُ الشيخُ عن تمييزهما بأسلوب رائق، فعنده هذانِ كلاهما أخوانِ تَوْءَمانِ ويَتَشابهانِ في التَّموُّجِ وَالانحِدارِ فإذا دخل الملاّحُ في الأمواجِ فلايُبالِيْ الأمواجَ وإنْ قاوَمتْ عنانَ السَّماءِ وهكذا الصُّوفِي لايُخاطِرُ أفواجَ النّاسِ ولَوقاوَمُوهُ فِي أمرٍ معروفٍ أو قامُوا نَقِيضَهُ ولكن لَم يَتَخلّصْ من إصلاحِهم حسبَ قدُرِهِ ولَو جعَلُوْا صَداً على طريقِه.

أغلى السّاعة:

بُلِيْتُ الآنَ صُبْحِيْ بِالْبَلايَا
أَلَا، قِ مُرُوْرَ أَيَّامِ التَّلاقِ (٥٣)

فِي هذاالبيتِ الُفذِّ يَستنصِرُ حبيبَه أن يجمِدَ لُقيانَنا كَيْ لا تمُرَّ أيّامُ وصْلِنا ولا تَنقضِيَ بسرعةٍ. يُريدُ أن الوَصلَ كَيْ لا يريدِيَ بالفصلِ ولا يَتقمَّصَ بالفَترةِ أبدًا. لِأنّنادخلنا الوصالَ الآن بل فِي الحال،

فلا تَستَبدِلْ أيّامَ التّلاقِ بالافتِراقِ. قد ثَبتَ عن قول الشيخ أن الملاقاةَ هي ثَمرةُ الفصلِ حيثُما دخلنا فى فصلِ الثمرِ واستَغذَيناه فنقولُ لا يَدخلُ علينا الفصلُ والإفتراقُ قطّ، لأنّنا لا نحبُ أن نصحُوَ عن سُكرِ الوصالِ بل نحِبُ أن نموتَ في ذلك الحالِ ليكونَ في الدنيا علينا الدّال بقيله الحال هو أثمن عن الهجرِ لنا والمال.

الملاعبة بالخيال:

أَمَا تَرْثِيْ لِمُكْتَئِبٍ حَزِيْنٍ
يَإِنُّ مِنَ النَّوَى طُوْلَ اللَّيَالِيْ
زَمَانًا كُنْتُ لا أَرْضَى بِوَصْلٍ
فَصِرْتُ الآنَ أَرْضَى بِالْخَيَالِ
أَحِنُّ إِلَيْكِ وَالْعَبَرَاتُ تَجْرِيْ
كَمَا حَنَّ الْعِطَاشُ إِلَى الزُّلالِ(۵۴)

فقدْ رضِيَ الشيخُ على التنائِي والهجرِ والفصلِ عندما يئِسَ عن استجابةِ الدّعوةِ للوَصلِ فقدْ تَعِبَ عن دُعاءِ اللقاءِ واصطَبَرَ على النَّأيِ والبُعدِ وهكذا على طولِ الفترةِ بَدْل الوَصلِ وعلَى البُعدِ بَدِيْل القُربِ. فأَخذَ يَلعبُ بالخيالِ على أن يستَغْلِبَ نفسَهُ بالسُكونِ والهدوءِ وجعل يسمُرُ بنفسِه عسَى أن يكونَ القربُ والوِصاَلُ بينهم. فنتعلّمُ من هذه الأبياتِ أن نحِبَّ ملاعبةً بِالخيالِ وَالفِصالِ في زمن الجدالِ والفسادِ لِيَبسُطَ الفرحُ والسُرورُ في أسواقِ المجتمعِ وشوارعِه.

مطروح الباب:

إِنَّمَا الْعَاشِقُوْنَ مَذْبُوْحُوْنَ
عِنْدَ بَابِ الْحَبِيْبِ مَطْرُوْحُوْنَ(۵۵)

عندما قَنَطَ الشيخُ عن اللقاءِ فقال واضحًا أن العشّاقَ لا مكانةَ لهم عند العواشِقِ. فإنّ الحبائبَ يَصْفَحنَ عن الأحبّةِ ويَطْرَحْنَهم عن أَبْوَابِهنَّ على

الـمُـنْـتَـأَيِ. فإن لـجأوْا على قـربِ أبوابِ الـمعشوقاتِ مرةً أخرى فعـنـدئذٍ يـرمون عـشَّـاقَـهنّ بأَسهُـمِ أَلْحاظِـهنّ، وأحجارِ جُـفُـونـهنّ فـيَـقْـتُـلْـنَـهم أو يَـذْبَـحْـنَـهم بـحدّةِ أطرافِـها. و شاور الشيخُ هؤلاءِ الـعُشَّـاقَ إن لـم يُـرحـمْ عليهم فليَـصبِـرُوا ولايَـجْـزعُـوا فلْـيَـستَـقِـيـمُوا بتلك الغايةِ لِـيَـصِلُـوا بِالـهدفِ الـمقصودِ. فإنّ العشقَ بدايتُـه الـحريقُ في عشقِ الـحـبيبِ ونـهايتُـه الذبيحـةُ بأيدي الـحبيبِ بغيرِ جـزعٍ ولا فـزعٍ كَـيْ يدومَ الأمنُ والسكوتُ والـهُـدوءُ، ويُدفَـنَ الـجدالُ بين الناسِ لـيَـملِـكَ الـهدوءُ والقرارُ على الـمجـتمعِ الإسلامـي.

♦♦♦

الـهوامش والمصادر

١۔ آربري، عشّاق نامه سوانح عمرى، بمبئ، ١٣٥٧هـ، ص: ٤

٢۔ البغدادي: إسماعيل باشا هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين، إستنبول، سنة ١٩٥١م، ١/١٢

٣۔ الذهبي: شمس الدين أبو عبدالله محمد بن أحمد، تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، المحقق: عمر عبد السلام التدمري، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة: الثانية، ١٤١٣هـ-١٩٩٣م، ٥١/٨٦

٤۔ كحالة: عمر بن رضا ،معجم المؤلفين، الناشر: مكتبة المثنى - بيروت: دار إحياء التراث العربى ١/٣٨

٥۔ الحسيني: العلامة الشريف عبد الحي بن فخر الدين ،نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، دار ابن حزم، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ/١٩٩٩م. ١٤١/٢

٦۔ الفريدي: مولانا نور أحمد، تذكره صدر الدين عارف، ملتان، ١٩٥٧م. ص: ١٩

الفريدي: مولانا نور أحمد، شرح أحوال و آثار شيخ بهاء الدين زكريا ملتاني سهروردي، ملتان

، ١٩٥٦م. ص: ٢٦

٧۔ عبد الباقي: شيخ فخر الدين عراقي اور ان كے ورثاء، نعمت الله: الدكتور نعمت الله، بيغام آشنا (مجلة)، العدد: ٢٥، أبريل—يوليو، سنة ٢٠٠٦م. ص: ٤٢

الحسيني: نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، ١٤١/٢، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ١٦

الفريدي: تذكره حضرت بهاء الدين زكريا ملتاني، ملتان، ص: ٣١٩

٨۔ جيمه: الدكتور أختر جيمه جامعة فيصل آباد، مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف، مركز تحقيقات فارسي إيران وباكستان، الطبعة الثانية، ٢٠٠٦م/١٤٢٧هـ. ص: ٣٥

٩۔ الحسيني: نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، ١٤١/٢، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ٥

١٠۔ الحسيني: المرجع السابق، ١٤١/٢

١١۔ الحسيني: المرجع السابق، ١٤١/٢

١٢۔ العراقي: فخر الدين إبراهيم بن بزرجمهر بن عبد الغفار المعروف بـ العراقي (٦٨٨-٦١٠هـ/ ١٢٨٨-١٢١٣م)، كليات عراقي، نولكشور، لكهنؤ، ١٣٠٩هـ. مقدمة، ص: ٦٥

آربري: عشّاق نامه سوانح عمري، ص: ٢٦. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ١

جيمه: الدكتور أختر جيمه جامعة فيصل آباد، بررسي شروح لمعات عراقي، الدكتور سيد سبط حسن الرضوي (مدير مجلة): دانش، زمستان (٦٣) ١٣٧٦ فصلنامه رايزن فرهنكي سفارت جمهوري اسلامي ايران—اسلام آباد. ص: ١٣٧

١٣۔ القريشي: برصغير باك و هند مين عربي نعتيه شاعري، مركز معارف أولياء، محكمة أوقاف حكومت بنجاب، سنة الطبع: ١٤٢٣هـ/٢٠٠٢م. ص: ٥٩٩

١٤۔ منشي عبد الرحمن خان: تاريخ ملتان ذيشان، عالمي إداره إشاعت علوم إسلامية، ملتان، سنة الطبع، ١٩٨٥. (ص: ١٩١

١٥۔ السيد زاهد علي الواسطي: ديكهـ ليا ملتان، المطبعة العربية، لاهور، ٢٠٠٢. (ص: ٢٥٤

١٦۔ السيد زاهد علي الواسطي: تاريخ سرزمين ملتان، بيكن بُكس، ملتان، ٢٠٠٩م. ص: ٢٢٨

١٧۔ ابن عربي: محي الدين محمد بن علي، فصوص الحكم، والتعليقات عليه بقلم أبو العلاء عفيفي، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان. ص: ٥

صلاح الدين: محمد بن شاكر الملقب بصلاح الدين المتوفى: ۷۶۴هـ؛ فوات الوفيات ، المحقق: إحسان عباس الناشر: دار صادر — بيروت الطبعة: الأولى الجزء: ۱—۱۹۷۳، الجزء: ۲، ۳، ۴-۱۹۷۴، ۴۳۵/۳

۱۸۔ الزركلي: خير الدين بن محمود ، الأعلام ، الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو ۲۰۰۲م. ۱۳۰/۷

۱۹۔ ابن الملقن: ابن الملقن سراج الدين ، طبقات الأولياء ، بتحقيق: نور الدين شريبه من علماء الأزهر ، الناشر: مكتبة الخانجي ، بالقاهرة ، الطبعة: الثانية ، ۱۴۱۵هـ-۱۹۹۴م ، صدر الدين القونوي ، ص: ۴۶۷

۲۰۔ خليل أحمد: ملتان—دائم آباد ، فكشن هاؤس لاهور ، ۲۰۱۴ . ص: ۲۰۵

۲۱۔ جيمه: مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف ، ص: ۲۲۵ ، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۸

۲۲۔ كراتشي: هلال ، آبانماه ۱۳۳۲ ، تيرماه ۱۳۴۷ ، اسفندماه ۱۳۵۰ ش. ص: ۱۷

۲۳۔ اللاهوري: مفتي غلام سرور لاهوري؛ خزينة الأصفياء ، لاهور ، ۱۹۸۳م. ۳۴/۲

۲۴۔ جيمه: مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف ، ص: ۲۲۵ ، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۸

۲۵۔ طالوت: علامة عبد الرشيد نسيم طالوت؛ حضرت عراقي كى أولاد ، مجلة ماهنامه تنوير (ملتان) ، جلد: ۲ ، أكست—ستمبر ۱۹۵۷م ، ص: ۶۷

جيمه: مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف ، ص: ۲۲۵ ، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۸

۲۶۔ عبد الباقي: خدمات خانواده شيخ فخر الدين عراقى در نشر زبان وادب فارسى در ملتان ، دانش ، زمستان (۸۳) ۱۳۸۴ ، مركز تحقيقات فارسي إيران و باكستان ، إسلام آباد ، فصل الشتاء ، ۲۰۰۶م. ص: ۱۷۰

۲۷۔ طالوت: حضرت عراقي كى أولاد ، ص: ۶۷. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۲۵

۲۸۔ جيمه: مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف ، ص: ۲۲۵ ، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۸

۲۹۔ عبد الباقي: خدمات خانواده شيخ فخر الدين عراقى در نشر زبان وادب فارسى در ملتان،

ص: ۱۰۷، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۲٦

۳۰ عبد الباقي: المرجع السابق، ص: ۱۰۷

۳۱۔ جيمه: مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف، ص: ۲۲٦، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۸

۳۲۔ طالوت: حضرت عراقي كى أولاد، ص: ٦٧. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۲۵

۳۳۔ طالوت: المرجع السابق، ص: ٦٧

۳۴۔ جيمه: مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف، ص: ۲۲٦، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۸

عبد الباقي: محمد شاه بخش عاصى، شبير أحمد بروانه، حيدر كالونى، كراتشي، الطبعة الأولى، سنة ۱۹۹۸م/ ۱۴۱۹هـ. ص: ۱۰

۳۵۔ طالوت: حضرت عراقي كى أولاد، ص: ٦٧. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۲۵

۳٦۔ عبد الباقي: خدمات خانواده شيخ فخر الدين عراقى در نشر زبان وادب فارسى در ملتان، ص: ۱۰۷، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۲٦

۳۷۔ السيد أولاد على الجيلاني: مرقع مولتان، جاذب پبليشرز، لاهور، ۱۹۹۵م. ص: ۱۴۵

جيمه: مقام شيخ فخر الدين إبراهيم عراقي در تصوّف، ص: ۲۲۵، أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۸

۳۸۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۴۰۹۹، ۴۰۹۵، ۴۰۹۷. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۳۹۔ إحسان عباس: شذرات من كتب مفقودة في التاريخ، استخرجها وحققها الدكتور إحسان عباس، دار الغرب الإسلامي - بيروت – لبنان. الطبعة: الجزء: ۱ - الطبعة: ۱، ۱۹۸۸م. الجزء: ۲ - الطبعة: ۳، ۱۹۸۸م. ۱/۱۹۵

۴۰۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۴۰۸۷، ۴۰۸۹. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۴۱۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۴۱۵۷، ۴۱۵۹، ۴۱٦۱. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۴۲۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۵۵، ۵٦، ۵۹، ٦٦. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۴۳۔ البخاري: محمد بن إسماعيل، صحيح البخارى، باب صفة النبي، رقم الحديث: ۳۵۵۲

۴۴۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۱۳۰۱. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۴۵۔ العراقي: كلّيات عراقي ، رقم البيت: ۱۰۷۰ ،۱۳۸۵ ، ۴۰۶۶ ، ۴۰۶۸، ۴۰۷۰ ، ۴۰۹۳. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۴۶۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۱۳۸۷. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۴۷۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۱۳۸۹. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۴۸۔ لجنة الأساتذة جامعة بنجاب لاهور: المنهج العربي ،علمي كتب خانه، شارع كبير، أردو بازار، لاهور، سنة الطبع: ۱۹۹۸م. ص: ۳۷

۴۹۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۱۳۹۱، ۱۳۹۳، ۴۰۶۴. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۵۰۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۴۰۷۹، ۴۰۸۱، ۴۰۸۳. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۵۱۔ أحمد بن حنبل: مسند أحمد، مؤسسة قرطبة— ۲۵/۷۵

۵۲۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۴۰۸۵. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۵۳۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۴۰۹۱. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۵۴۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۴۱۶۳، ۴۱۶۵، ۴۱۶۷. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

۵۵۔ العراقي: كلّيات عراقي، رقم البيت: ۵۲۴۴. أنظر بطاقةَ الكتاب على رقم: ۱۲

♦♦♦

مكافحة الأعداء الثلاثة في منظور رسائل النور

Fight Against Three Enemies in the Light of Rasail-al-Nur

Professor Dr. Hamid Ashraf Hamdani

Professor of Arabic,

University of The Punjab, Lahore

Abstract

Baduizzaman Nursi has been successful in organizing his thoughts in the very beginning of his struggle. He has been striving in accordance with his established format .Issue of three enemies is of central importance in the format introduced by him. Nursi has mentioned these three enemies in all his article and books. He believes that our real enemies are ignorance, destitution and disharmony. We will wage fight against them through knowledge, industry and harmony. Nursi has mentioned time and again that these enemies are the cause of all social evils. The article sheds lights on these enemies and fight against them in light of Rasail al Nur .

Key words: Baduizzaman Nursi, Enemies, Ignorance, Destitution, Disharmony

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

لقد قام الإمام بديع الزمان النورسي منذ بداية عمله بتنظيم أفكاره التي سيجاهد في سبيلها طوال حياته ضمن برنامج ومنهاج معين. وقضية "الأعداء الثلاثة" تُعد مركز وقلب هذا البرنامج الذي وضعه لنفسه. وقد ذكر النورسي هذه الأعداء الثلاثة في جميع مقالاته وكتاباته، وعبّر عن أفكاره هذه بأساليب مختلفة إذ يقول: "إن أعداءنا هي الجهل والبؤس والفرقة، وسنجاهد ضد هذه الأعداء بأسلحة الصناعة والمعرفة والاتفاق."(١)

إن أعداء بديع الزمان الثلاثة هي: الجهل والفقر والفرقة. وقد ذكر "سعيد القديم" هذه الأعداء الثلاثة في جميع مقالاته وكتاباته، وعبّر عن أفكاره هذه بأساليب مختلفة إذ يقول مرة: "إن كل مؤمن مكلف بإعلاء كلمة الله، والوسيلة الكبرى لهذا في هذا الزمن هو التقدم المادي. ذلك لأن الأجانب يسحقوننا تحت سيطرتهم واستبدادهم المعنوي بوساطة أسلحة العلوم والصناعات، وسنجاهد نحن بأسلحة العلم والصناعة ضد الجهل والبؤس والفرقة التي هي أعدى أعداء إعلاء كلمة الله."(٢)

وفي مقالة أخرى يقول: "إن أعداءنا هي الجهل والبؤس والفرقة، وسنجاهد ضد هذه الأعداء بأسلحة الصناعة والمعرفة والاتفاق."(٣)

وفيما يلي نتناول هذه الأعداء الثلاثة بنوع من التفصيل من خلال رسائل النور:

(١) العدو الأول: الجهل

قد صرّح النورسي في مواضع كثيرة من رسائله أن جميع المفاسد الاجتماعية تنبع من هذه الأعداء الثلاثة وبالتالي من الجهل: "ثم إن أعداءنا ليسوا هم "أي الأجانب" بل إن عدونا هو الجهل وما تولّد منه من منع إعلاء كلمة الله وما نتج عنه من مخالفة الشريعة. ثم البؤس وثمرته سوء الأخلاق وسوء التصرفات، والخلاف وما يتولّد عنه من الحقد والنفاق. وغاية اتحادنا هي الهجوم على هذه الأعداء الخالين من الإنصاف"(٤). ويقول: "إذا كان الأرمن قد أعلنوا عداوتهم لنا، فإنهم فعلوا ذلك تحت إمرة هؤلاء المفسدين الثلاثة".(٥)

والجهل في منظور النورسي رأس الشرور حيث يقول: "ثم إن الجهل هو عدونا ويسعى لإبادتنا، وهو ابن الآغا" السيد" أما البؤس فهو ابنه والخصومة حفيده".(٦)

وبديع الزمان الذي يرى الجهل أساس كل سوء، يرى أن الخلاص يكون بالعلم،

يستشف هذا المعنى من قوله: "كنت أرى الأحوال البائسة للعشائر في الولايات الشرقية، فأدركت أن جزءاً من سعادتنا الدنيوية سيتحقق بالعلوم الجديدة للمدنية".(٧)

ويُعَدُ بديع الزمان من القلائل من بين علماء زمانه الذين أعطوا أهمية كبيرة للعلم، إذ من الصعب أن نجد رجل علم في أوائل هذا العصر يملك كل هذه البصيرة النافذة عن مستقبل العلم. يشهد له قوله: "إن البشرية في أواخر أيامها على الأرض ستنساب إلى العلوم، وتنصب إلى الفنون، وستستمد كل قواها من العلوم والفنون فيتسلم العلم زمام الحكم والقوة".(٨)

(٢) العدو الثاني: البؤس

عرّف الجرجانيُ الفقر بأنه: فقد ما يحتاج إليه، وأما فقد ما لا حاجة إليه فلا يسمّى فقراً(٩)

فعدم قدرة الإنسان على نيل احتياجاته الأساسية في الحياة يسمى فقراً، وهو الفقر المادي المرادف لمعنى الحاجة، ويعني بديع الزمان بـ"البؤس" "التخلف المادي والتقني الذي أصاب المسلمين. وقد عبر عنه بعدة تعابير منها "الفقر" أو "الجوع" أو "الحاجة".. إلخ. وقد ربط النورسي حديثه عن الفقر بعقيدة الرزق، وأن الله تكفّل بأرزاق الناس، وأن المعاصي تؤدي إلى الحرمان والفقر، وفي هذا المعنى يقول: "إن الرزق قسمان: القسم الأول: هو الرزق الحقيقيَ الذي توقف عليه حياة المرء، وهو تحت التعهد الرباني بحكم الآية ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلاَّ عَلَى اللهِ رِزْقُهَا﴾(١٠) ؛ ويستطيع المرء الحصول على ذلك الرزق مهما كانت الأحوال إن لم يتدخل سوء اختياره، دون أن يضطر إلى فداء دينه أو التضحية بشرفه وعزّته. القسم الثاني: هو الرزق المجازي، فالذي يُسيء استعماله لا يستطيع أن يتخلى عن الحاجات غير الضرورية التي غدت ضرورية عنده نتيجة الابتلاء ببلاء التقليد، وثمن الحصول على هذا الرزق باهظ جداً ولا سيما في هذا الزمان، حيث لا يدخل ضمن التعهد الرباني، إذ قد يتقاضى ذلك المال لقاء تضحيته بعزّته سلفاً راضياً بالذّل، بل قد يصل به حدّ السقوط في هاوية الاستجداء المعنوي، والتنازل إلى تقبيل أقدام أناس منحطين وضيعين، بل قد يحصل على ذلك المال المنحوس الممحوق بالتضحية بمقدساته الدينية التي هي نور حياته الخالدة".(١١)

ويعترف بديع الزمان بهذا الفقر وبهذا التخلف الذي يئن تحت عبئه العالم الإسلامي. ولكنه لا يجعل هذا - كما يفعل بعض الماديين - وسيلة يأس يدفع الناس إلى حالة من الشلل

يمنعهم من القيام بأية محاولة ومن بذل أي مجهود، على العكس من ذلك فإنه يجعل هذا دليلاً على قناعته بأن المسلمين سيتقدمون في المستقبل وسيلحقون بالغرب في مضمار العلم والتقنية بل سيسبقونه.(١٢) ويشرح ذلك بالحاجة التي ظهرت في الغرب، والفاقة هي التي دفعته إلى التقدم. ويستند في هذا الصدد إلى المثل السائر: "الحاجة هي معلم المدنية". (١٣)

العدوّ الثالث: الفرقة

يحتل هذا الموضوع الذي تناولته رسائل (المكتوبات والسانحات واللمعات والكلمات...) مساحة واسعة منها وأولته اهتماماً واضحاً من خلال عرضه وشرحه وتحليله مطلقة عليه أحياناً بـ(الفوضى) و(النفاق) و(الخصومة) و(التنافر) وطارحة أسس علاجه من خلال (الاتحاد) و(الاتفاق) و(الوفاق) و(التساند) و(التعاون) و (الأخوة) ومقسمة إياه إلى خلاف فكري وفقهي وخلاف في العمل والتربية، أما الاختلاف الفكري فهو الناشئ عن الاجتهاد وتعدد الآراء وتحوّل مسار هذا الاختلاف من اختلاف إيجابي يهدف إلى الوصول إلى الحق كما قال عنه الرسول صلى الله عليه وسلم ((اختِلافُ أصحابي رحمةٌ)) (١٤). أي عندما يروج المسلمون لمسلكهم دون أن يهدموا مسالك الآخرين أو يطعنوا فيها، ويسعون إلى إكمال النقص إن وجد ورأب الصدع والإصلاح ما استطاعوا لذلك سبيلاً.(١٥) وجعل اختلافهم ينحصر في الوسائل لا في الأسس والغايات وأن يحسنوا إلى بعضهم ويجعلوا قول الرسول صلى الله عليه وسلم ((الحُبُ في اللهِ والبُغض في الله))(١٦). أساس التعامل بينهم(١٧). إلى خلاف سلبي يسوده التنازع والشقاق والتعصب وتشنيع المخالف وتخريب مسلكه وهدمه(١٨).

وقد نبهت رسائل النور على ضرورة حل الخلاف لاسيما أنه يسبب للأمة الإسلامية الركود والتخلف(١٩). ويشيع الجهل والتعصب بين المسلمين الأمر الذي جعل الغرب يحمل ظناً خاطئاً بأن الإسلام هو من يعين الاستبداد الذي شاع في المجتمعات الإسلامية في عصرنا هذا(٢٠).

ودعت رسائل النور المسلمين إلى ضرورة إنهاء النزاعات ونبذ المسائل الجزئية والعودة من جديد إلى قوة العقيدة والترابط بروابط الإيمان والإخوة(٢١). فضلاًعن حديثها عن

أنواع أخرى من الاختلافات لاسيما الاختلاف بين الدعاة والجماعات الإسلامية والاختلاف بين المدارس الدينية والمدارس الحديثة والتكايا والزوايا وغيرها(٢٢).

سُبل مكافحة الأعداء الثلاثة في منظور رسائل النور

سُبل مكافحة الجهل

الجهل درجات ومراتب وأنواع، ودركها الأسفل ما تعلق بجهل الدين وحقيقته وما نتج عنه من مخالفة الشريعة. والذي أثار بديع الزمان سعيد النورسي في عصره هو إهمال المعرفة الدينية وخاصة في صفوف الشباب مما حدا به إلى تأسيس مدرسة النور المنتشرة في بقاع الأرض الواسعة، فكتابة الرسائل واستقطاب التلاميذ بأعداد كبيرة كان إسهاماً إصلاحياً متميزاً في حياة الأتراك وحياة الإنسانية عامة.

ولعل المطلع على الرسائل في تفاصيلها يدرك جيداً الأهداف العملية التي توخاها الأستاذ سعيد النورسي من مكافحة الجهل. فقد كان يرمي إلى إصلاح البنية التعليمية الدينية شكلاً ومضموناً فدعا إلى:

١ـ **علاج الجهل بسلاح المعرفة:** فعلاج الجهل الذي هو أساس كل سوء يكون بالعلم والمعرفة وتأسيس المدارس والمراكز التعليمية الدينية التي تجمع بين العلوم الدينية والدنيوية، وإنهاء التباين في الأفكار بين المؤسسات التربوية والدينية الثلاثة من حيث تدريس العلوم الدينية في المدارس الحديثة تدريساً حقيقياً وتحصيل بعض العلوم الحديثة في المدارس الدينية وتواجد علماء متبحرين في التكايا والزوايا (٢٣)، وأن تتسلح الدول بسلاح العلم فيه القوة الحقيقة ذلك لأن "الحكومات التي تستند إلى القوة ستشيخ مثلها في ذلك مثل قوتها بسرعة، ولكن لما كان شأن العلم ومجده في تزايد مستمر، فإن الحكومات التي تستند إلى العلم ستكتب لها حياة أبدية"(٢٤). فعلاج الجهل يكون إذن بسلاح المعرفة.

٢ـ **تفعيل دور المؤسسات العلمية الإسلامية التربوية:** وقد أفردت رسائل النور مساحة واسعة منها تبحث فيها شروط نجاح المؤسسة التعليمية بشكل يتناسب مع حاجة طالب العلم ومع حاجة أو متطلبات هذا العصر، فقد نصحت الرسائل طالب أي علم لاسيما

طلاب العلوم الدينية أن يتخذ علماً من العلوم أساساً له ويأخذ خلاصة من كل علم من العلوم المتعلقة به لإتمام صورة ذلك العلم، وأن يهتم بالعلم الذي هو أهل لقدرته وبما هو مستعد للقيام به وترك العلوم التي لا يكون أهلاً باستيعابها أو الإحاطة بمداركها، فيكون الطالب عندئذ أقدر على محبة الصنعة وأقدر على احترام مقاييسها والفناء في إتقانها وإلا فإنه سيضيع قدراته في أمور هي خارجة عن نطاق قدرته وسيشوه الصنعة التي لا يميل لها لأنه خالف الفطرة....(۲۵)

۳۔ فتح طريق لجريان العلوم الكونية الحديثة إلى المدارس الدينية، بفتح نبع صاف لتلك العلوم بحيث لا ينفر منها أهل تلك المدارس(۲۶):

اجتهد النورسي رحمه الله لإصلاح نظام التعليم عند المسلمين لتسير فيه العلوم المادية والفلسفية الإنسانية في توافق وائتلاف مع القرآن الكريم والسنة النبوية. تقول ماري ويلد: "يقسم بديع الزمان تاريخ الإنسانية إلى تيارين، أحدهما تيار النبوة والأخر تيار الفلسفة والعلوم، ويربط كلا التيارين بذات الإنسان ويصور نتائج كلا التيارين. فالنبوة التي تمثل الوحي الإلهي تخاطب قلب الإنسان، أما الفلسفة فتخاطب عقله، والهدف هو اتفاق الإثنين، أي قيام الفلسفة باتباع الدين واتباع النبوة وخدمتها، وكلما تم هذا ذاقت الإنسانية طعم السعادة وعاشت في انسجام وتناغم. وعندما يفترق أحدهما عن الآخر ينسحب الخير والنور إلى جانب النبوة، ويتراكم الشر والضلالة - كما حدث في الغرب - في جانب الفلسفة"(۲۷) فبهذا يؤلف بين الدين والدنيا وبين العلم والقرآن، فيكون علماء الحياة والكون بمنزلة الوجهين للعملة الواحدة، لأن كل طائفة ترى الحاجة بها إلى الطائفة الأخرى، فتصلح الواحدة بالأخرى. يقول رحمه الله: "ضياء القلب هو العلوم الدينية، ونور العقل هو العلم الحديثة، فبامتزاجهما تتجلى الحقيقة، وبافتراقهما تتولد الحيل والشبهات في هذا، والتعصب الذميم في ذاك"(۲۸).

۴۔ فكرة تأسيس مدرسة الزهراء: يرى النورسي أن تدريس الدين في المدارس العلمية والتقنية الحديثة يعصم الطلبة من الشك والإلحاد، وتدريس العلوم الحديثة في مدارس الشريعة يعصم طلبتها من التعصب وضيق النظر، فيلتقي الفريقان على سبيل وسط. وقد بدأ النورسي بنفسه فاطلع على العلوم الحديثة، وكانت له في التدريس طريقة مختلفة عما كانت عليه في عامة المدارس الشرعية، فكان يجمع بين الوحي وبين حقائق الكون والحياة كما عرفها

الإنسان من خلال وسائل البحث العلمي عبر العصور. وفي تأليفه لرسائل النور تجده يجمع بين حجة الوحي المقروء وحقيقة الحياة والكون المنظور، فكانت العلوم الحديثة تسير من وراء الوحي وتشهد لحقائقه وتؤيد أحكامه(۲۹).

وعمل طول عمره على أن يسود هذا النظام في التعليم واجتهد وسعه لإنشاء- جامعة الزهراء- يتم فيها الجمع بين علوم الدين وعلوم الدنيا، ويقرأ فيها الوحي المنزل والكون المخلوق(۳۰).

سُبل مكافحة الفقر

قدم النورسي منهجه لمعالجة الفقر، وقد ركّز فيه على الجانب الروحي الإيماني، كما يلي:

أولاً: الإيمان ب الله: فالإيمان بالله علاج لكل مرض مادي، وفي هذا يقول النورسي: "نعم، إن ألم الأمراض المادية الجزئية يذوب وينسحق تحت وابل السرور المعنوي والشفاء اللذيذ، والقادمين من الإيمان"(۳۱).

ويعللُ النورسي آثار هذا الإيمان في النفس الإنسانية تعليلاً تربوياً، وذلك بقوله: "إن الإيمان ب الله الخالق الرحيم هو الذي يجعل أرواحهم تنبسط، وقابلياتهم تنمو، ومواهبهم تتربى بسعادة — بما يكمن فيهم من ضعف وعجز — ويستطيعون أن ينظروا إلى الحياة نظرة اشتياق بتلقين التوكل الإيماني والتسليم الإسلامي تلقيناً يمكّنهم من أن يصمدوا إزاء ما ستجابههم من أحوال وأهوال"(۳۲).

ثانياً: الإيمان باليوم الآخر: الإيمان باليوم الآخر كفيل بتخليص الفرد والمجتمع من المشكلات الاقتصادية الداخلية والخارجية، وقد سماه النورسي بـ:"نقطة استناد البشر"، فقال فيه: "إن نقطة استناد البشر عند مهاجمة المصائب والأعداء من الخارج والداخل، مع عجزه وقلة حيلته، وكذا نقطة استمداده لآماله غير المحدودة الممتدة إلى الأبد مع فقره وفاقته، ليس إلا معرفة الصانع والإيمان به والتصديق بالآخرة، فلا سبيل للبشرية المتيقظة إلى الخلاص من غفوتها سوى الإقرار بكل ذلك"(۳۳).

ثالثاً: الدعاء المستمرّ والتضرع إلى الله تعالى: وفي الدعاء مزيد من إظهار الفقر المعنوي والحاجة إلى الله تعالى، والتضرّع وسيلة لاستدرارِ الرزق، وقد عبّر النورسي عن ذلك بقوله: ((وحيث إن الإنسان متعرّض لما لا يُحصى من أنواع البلايا والمطالب ومهاجمة الأعداء لما يحمل من عجز مطلق، وله مطالب كثيرة وحاجات عديدة مع أنه في فقر مدقع لا نهاية له، لذا تكون وظيفته الفطرية الأساس: الدعاءَ بعد الإيمان، وهو أساس العبادة ومخها))(۳۴).

وبهذا ترى أن النورسي قد حوّل مشكلة الفقر إلى نعمة تبقي المسلم في تذكر دائم لخالقه، وتضرع خالص لرازقه، فهو يأخذ بالأسباب اللازمة، ويستسلم للقدر، ويتشوّق لرحمة ربه.

رابعاً: الصوم وأداء الزكاة يوثقان العلاقة بين الأغنياء والفقراء ويعالجان أسباب الفقر: يشيرُ النورسي إلى كفاية التشريعات الإسلامية للقضاء على الفقر، وقدرتها على علاج مشكلته، فالزكاة من أنجح الوسائل في ذلك، وفيها توثيق العلاقة بين الأغنياء والفقراء، وفي ذلك يقول: "إن الناس قد خلقوا على صور متباينة من حيث المعيشة، وعليه يدعو الله الأغنياء لمد المعاونة لإخوانهم الفقراء، ولا جرم أن الأغنياء لا يستطيعون أن يستشعروا شعوراً كاملاً حالات الفقر الباعثة على الرأفة، ولا يمكنهم أن يحسوا إحساساً تاماً بجوعهم إلا من خلال الجوع المتولّد من الصوم"(۳۵).

ويحثُّ النورسي الأغنياء على الصومِ، ليكون داعياً لهم أن يبذلوا أموالهم في الزكاة، فالجوعُ يجعل الغني يعيش الواقع العملي للفقير، فتتوحد مشاعرهما، ويجتهد الغنيُّ في أداء الزكاة، فتقوى صلته بمجتمعه، ويشعر الفقير بأن الأغنياء يشاركونه في مشكلته، يقول في ذلك: "لو تأملت في مساوئ جمعية البشر لرأيت أسّ أساس جميع اختلالاتها وفسادها، ومنبعَ كل الأخلاق الرذيلة في الهيئة الاجتماعية، كلمتين فقط: إحداهما: إن شبعتُ فلا عليّ أن يموت غيري من الجوع. والثانية: اكتسب أنت لآكل أنا، واتعب أنت لأستريح أنا. والقاطع لعرق الكلمة الأولى ليس إلا الزكاة، والمستأصل للكلمة الثانية ليس إلا حرمة الربا، إن عدالة القرآن تقف على باب العالم وتصيح في الربا: ممنوع لا يحق لك الدخول! إن البشرية لما لم تصغ إلى هذا الكلام تلقت صفعة قوية، وعليها أن تصغي إليها قبل أن تتلقى صفعة أقوى

وأمرَ"(٣٦).

خامساً: معالجة مشكلة الفقر بالحثّ على العمل: أدرك النورسي أن الكسل سبب أساسي للفقر، فحث على العمل وأكّد قيمته المعنوية، وأنه يمثل ثقافة التقدم والارتقاء، ولذلك وجه رسالة للكسالى يحفزهم على العمل، ويبين أن لذة الأعضاء وسعادتها بإتمامِ العمل، حيث يقول: "يا من لا يُدرك مدى اللذة والسعادة في السعي والعمل، أيها الكسلان اعلم أن الحق تبارك وتعالى قد أدرج لكمال كرمه جزاء الخدمة في الخدمة نفسها، وأدمج ثواب العمل في العمل نفسه... تأمل في وظائف أعضائك وحواسّك، ترى أن كلاً منها يجد لذائذ متنوعة في أثناء قيامه بمهامه في سبيل بقاء الشخص أو النوع، فالخدمة نفسها والوظيفة عينها تكون بمثابة ضرب من التلذذ والمتعة بالنسبة لها، بل يكون ترك الوظيفة والعمل عذاباً مؤلماً لذلك العضو"(٣٧).

ثم إن النورسي أراد توجيه الأنظار إلى أهمية التكسب في علاج الفقر، فحياةُ العاطل شقية وضيقة وفقيرة، وحياة الساعي يقظةٌ وهنيئةٌ وغنية، فهو يقول موضحاً هذا المعنى: "إن أشد الناس شقاءً واضطراباً وضيقاً هو العاطل عن العمل؛ لأن العطل هو ابن أخ العدم، أما السعي فهو حياة الوجود ويقظة الحياة"(٣٨).

سُبل مكافحة الفرقة

تدعو رسائل النور إلى بناء المجتمع بناء صحيحاً، فتدعو إلى تأمين الراحة العامّة والهدوء الاجتماعي، رافضة جميع حركات الهدم والتمزيق، لأنها تؤصل الحركية الإيجابيّة الفعّالة، مناهضة جميع الحركات السلبية بتقوية أواصر المحبة والأخوة والترابط والتراحم في بنية المجتمع، وتدعو بقوة إلى الاتحاد والامتزاج، ومن ثم تحارب بضراوة كل دعاوى وأفكار الفرقة التي حاولت إخماد روح الأخوة التي هي أخص خصائص الدعوة القرآنية، ومن ثم فهي تصنع قواعد لبناء الأمة في مقابل دعاوى القبلية والقوميّة والعنصرية والميلية السلبية والشعوبية(٣٩).

تتعدد في رسائل النور الإشارات والتعبيرات الواضحة الداعيَة إلى نبذ الخلافات

والنزاعات التي تنشب نتيجة العناد والحسد والنفاق والحقد، وتدعو إلى التضامن والتعاضد.

ويمكن استخلاص سُبل مكافحة الفرقة من رسائل النور كالتالي:

أولاً: الاتفاق والاتحاد ورجوع المسلمين في حل مشاكلهم الدينية إلى القرآن الكريم والسنة النبوية

يكون علاج الاختلاف والتفرقة بالاتفاق والاتحاد ورجوع المسلمين في حل مشاكلهم الدينية إلى القرآن الكريم والسنة النبوية وأن يأخذوا الأحكام الشرعية والضرورات منهما، ليكون العلاج نابعاً من مصدريه الأساس فيتحقق منه نفع عام للمسلمين وتمسك ورغبة وتوجه نحوهما بدلاً من تشتت المسلمين بين آلاف الكتب الفقهية، التي وجب على المسلمين احترامها وتوقيرها هي الأخرى وتحويلها إلى كتب يستشف منها كنوز القرآن الكريم وتفسيراته فهي "وسائل شفافة كالزجاج لعرض قدسية القرآن الكريم وليس حجاباً دونه أو بديلاً عنه"(٤٠). ويكون أخذ الكتب الفقهية بطرق تربوية خاصة لتأخذ تلك الكتب مكانها الطبيعي ولتصل في أهميتها مصاف كتب الأئمة المجتهدين من السلف الصالح، على أن تجعل الغاية من قراءتها هي لأجل فهم ما يأمر به القرآن الكريم وليس لأجل ما يقوله صاحب الكتاب نفسه(٤١).

ثانياً: إعلاء الأخوة الإسلامية بين المسلمين

يكون علاج التفرقة بإعلاء الأخوة الإسلامية بين المسلمين وأن يستهدوا بقوله تعالى ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾(٤٢). الذي يشير إلى التساند والترابط الذي إذا اختل تفقد الجماعة قوتها ومكانتها، وبالحديث الشريف ((المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً))(٤٣). أي في الاتحاد القوة والعظمة.

ثالثاً: السعي في توحيد الجماعات الإسلامية في المسالك والمشارب

يكون علاج التفرقة بالسعي في توحيد الجماعات الإسلامية في المسالك والمشارب، وانتهاج نهج المحبة فيما بينها وعدم انتقاص أحدها للآخر، واتباع السنة النبوية والامتثال لأوامرها واجتناب نواهيها، وعدم التمايز بين الناس سواء كانوا من الخاصة أو العامة، مع ضرورة المحافظة على النظام العام للبلاد والحرية الشرعية(٤٤).

رابعاً: فكرة إنشاء جامعة إسلامية على غرار الأزهر

تبنّى النورسي فكرة إنشاء جامعة إسلامية على غرار الأزهر، بحيثُ تدرّس فيها معاً العلومُ الشرعية والعلوم الطبيعية، وذكر فائدة هذه الجامعة بقوله: "قبل خمس وستين سنة أردت الذهاب إلى الجامع الأزهر باعتباره مدرسة العالم الإسلامي، لأنهل منه العلوم، ولكن لميكتب لي نصيب فيه، فهداني الله إلى فكرة وهي: أن الجامع الأزهر مدرسة عامة في قارة أفريقيا، فمن الضروري إنشاء جامعة في آسيا على غراره، بل أوسع منه بنسبة سعة آسيا على أفريقيا، وذلك لئلا تُفسد العنصرية الأقوام في البلدان العربية والهند وإيران والقفقاس وتركستان وكردستان، وذلك لأجل إنما الروح الإسلامية التي هي القومية الحقيقة الصائبة السامية الشاملة، فتنال شرف الامتثال بالدستور القرآني: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾(٤٥)"(٤٦).

وهذا يُثبت أن منهج النورسي لعلاج الخلاف منهج علمي إيماني تربوي، إذ يبدأ بتهذيب نفس الإنسان، ثم ينطلق به إلى قمة سامية بأن يكون أداؤه لمسؤولياته وواجباته الاجتماعية بدافع إيماني داخلي، والأساسُ الراسخ لهذا المنهج هو: العلم والمحبة والعدل والتعاون بين أفراد المجتمع على البر والتقوى، ثم التعاون والتآلف بين الشعوب الإسلامية من منطلق الأخوة الإيمانية، ولكن الغُبن الفاحش حصل لما حالت ظروف العلمنة في الجمهورية التركية دون تنفيذ فكرة هذه الجامعة(٤٧).

فعند مراجعة المادة التي قدمتها رسائل النور عن "مكافحة الأعداء الثلاثة" نجد ما يلي:

١ - علاج رسائل النور لمشاكل العصر كان بمنهجية شكلت سقفاً راسخاً فوق تاريخ الأمة الإسلامية، متعاملة معها بلغة العصر الداخل بصراع في مواجهة جاهلية العصر الحديث.

٢ - وظفت رسائل النور القرآن الكريم والسنة النبوية المطهرة في بناء مادتها، متبعة معها عنصر التدرج في البدء والانطلاق من الجزئي إلى الكلي، معدة أن طريق الشريعة الإسلامية وتحقيق الحقائق الإيمانية أقصر الطرق في علاج مشاكل العصر.

٣ - شخصت رسائل النور الأعداء الثلاثة الفقر والجهل والاختلاف، وعدّتها سبباً رئيساً في ضعف وتأخر المجتمعات الإسلامية، ووضعت الحلول لها ليستهدي بها

المسلمون ويتخطوا العقبات التي وضعها الاستعمار أمامهم والتي تحول بينهم وبين إعلاء كلمة الله والتفاني في سبيلها.

٤۔ أكدت رسائل النور على قيمة الإخلاص والعمل والعلم، وعدتها أسباباً لتحقيق رقي المجتمعات، وأكدت على إيمانهم بمبدأ التكامل من حيث ربط العلوم الدينية والعلوم الدينية في سبيل مواجهة جاهلية العصر.

٥۔ تشخيصها للأمراض الاجتماعية بنظرة واسعة وعميقة أوقعتها على حلول ناجعة وسريعة تتخطى بها ما تفرزه تلك الأمراض من آثار سلبية على المجتمعات والتي تكون سبباً في إعاقة نهوضها وتقدمها.

الهوامش والمصادر

١۔ بديع الزمان سعيد النورسي، ديوان الحرب العرفي، إستنبول: ١٩٩٠م، ص:٥٧

٢۔ بديع الزمان سعيد النورسي، ديوان الحرب العرفي، ص:٥٧ "أخذت هذه العبارة من مقالته المنشورة في "الجريدة الدينية" بتاريخ مارت ١٩٠٩م، عدد:٧٠

٣۔ المصدر نفسه، ص:١٥

٤۔ بديع الزمان النورسي، الآثار البديعية، ص:٣٨١

٥۔ بديع الزمان سعيد النورسي، مناظرات، إستنبول، ١٩٩١م، ص:٦٩

٦۔ المصدر نفسه، ص:٦٩

٧۔ بديع الزمان سعيد النورسي، ديوان الحرب العرفي، ص:٢٨

٨۔ بديع الزمان سعيد النورسي، الكلمات، استنبول: دار سوزلر للنشر، الطبعة الأولى، ١٩٩٢م، ص:٢٩٢

٩۔ الجرجاني، علي بن محمد، التعريفات، بيروت: مكتبة لبنان، ١٩٧٨م، ص:١٧٥

١٠۔ هود:٦

١١۔ بديع الزمان سعيد النورسي، اللمعات، ص:٢١٦

١٢۔ بديع الزمان النورسي، الآثار البديعية، ص:٣٤٩

١٣۔ بديع الزمان النورسي، سنوحات، أنقرة، ١٩٧٦م، ص: ٥٥

١٤۔ قال الحافظ العراقي سنده ضعيف وذكره آدم بن أبي إياس في كتاب العلم بلفظ (اختلاف أصحابي لأمتي رحمة) وهو مرسل ضعيف، ينظر: زين الدين محمد بن علي بن زين العابدين الحدادي القاهري، فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج1، الطبعة الأولى، مصر المكتبة التجارية الكبرى ١٣٥٦ھ، ص: ٤٩

١٥۔ بديع الزمان النورسي، كليات رسائل النور (المكتوبات)، ترجمة إحسان قاسم الصالحي، ط٥، المكتوب الثاني والعشرون، القاهرة: شركة سوزلر للنشر، ٢٠٠٨م، ٢٤٢/٢–٢٤٣

١٦۔ أبو عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني، مسند الإمام أحمد، تحقيق: شعيب الأرنؤوط وآخرون، بيروت: مؤسسة الرسالة، ١٩٩٩م، ط٢، رقم الحديث: ٢١٤٧١، ٢٢٩/٣٥

١٧۔ بديع الزمان سعيد النورسي، المكتوبات، المكتوب الثاني والعشرون، ص: ٣٤٣–٣٤٤

١٨۔ المصدر نفسه، ص: ٣٤٣، بديع الزمان سعيد النورسي، كليات رسائل النور (سيرة ذاتية)، ترجمة إحسان قاسم الصالحي، ط٥، القاهرة: شركة سوزلر للنشر، ٢٠٠٨م، ٣١٤/٩

١٩۔ بديع الزمان سعيد النورسي، المكتوبات، المكتوب السادس والعشرون، ص: ٤١٢–٤٢٠، بديع الزمان سعيد النورسي، سيرة ذاتية، ص: ٣١٤

٢٠۔ بديع الزمان سعيد النورسي، صيقل الإسلام، المحكمة العسكرية العرفية، ترجمة الأستاذ إحسان قاسم الصالحي، الطبعة الثالثة، سوزلر للنشر، ٢٠٠٢م، ص: ٤٤٣

٢١۔ بديع الزمان سعيد النورسي، اللمعات، اللمعة الرابعة، ص: ٣١–٣٧

٢٢۔ بديع الزمان سعيد النورسي، ديوان الحرب العرفي، ص: ٨٠، و بديع الزمان النورسي، الآثار البديعية، ص: ٣٥٥

٢٣۔ بديع الزمان سعيد النورسي، السيرة الذاتية، ص: ٢٧

٢٤۔ بديع الزمان سعيد النورسي، صيقل الإسلام، المناظرات، ص: ٤٠٧–٤٢٨

٢٥۔ بديع الزمان سعيد النورسي، صيقل الإسلام، محاكمات عقلية، ص: ٢٦–٢٧، والنورسي، السيرة الذاتية ص: ١٧

٢٦۔ بديع الزمان سعيد النورسي، صيقل الإسلام، ص: ٤٣٠

٢٧۔ ماري ويلد: مؤلفات بديع الزمان كنموذج لتقديم الإسلام إلى الغرب، مؤتمر بديع الزمان، النورسي–إستنبول، ١٩٩٢م، ص: ٢٢٢–٢٢٣

۲۸۔ بديع الزمان سعيد النورسي، مناظرات، إستنبول: دار نشر سوزلر، ۱۹۷۷م ص: ۲۷

۲۹۔ أورخان محمد علي، سعيد النورسي رجل القدر في حياة أمة، دار الفضيلة للنشر والتوزيع والتصدير، ۱۹۹۹م، ص: ۲۵

۳۰۔ المرجع نفسه ص: ۲۵-۲۶، ۲۷، ۵۲، بديع الزمان سعيد النورسي: "ملحق اميرداغ" الجزء الثاني ص: ۱۹۵

۳۱۔ بديع الزمان سعيد النورسي: اللمعات، ص: ۳۲۲

۳۲۔ بديع الزمان سعيد النورسي، المكتوبات، ص: ۵۴۵

۳۳۔ بديع الزمان سعيد النورسي، صيقل الإسلام، ص: ۴۹۴

۳۴۔ بديع الزمان سعيد النورسي، الكلمات، ص: ۳۵۵

۳۵۔ بديع الزمان سعيد النورسي، المكتوبات، ص: ۵۱۵

۳۶۔ بديع الزمان سعيد النورسي، المكتوبات، ص: ۶۰۴-۶۰۵

۳۷۔ بديع الزمان سعيد النورسي، اللمعات، ص: ۱۸۸-۱۸۹

۳۸۔ بديع الزمان سعيد النورسي، المكتوبات، ص: ۶۱۳، ولمزيد من التفصيل يرجى الاطلاع على مواضع تالية من رسائل النور: مناظرات ص: ۱۰۰، ۱۳۶-۱۳۹، الخطبة الشامية ص: ۱۲۹، ۶۴، الآثار البديعية ص: ۶۴، ۳۵۰، محاكمات ص: ۳۷، كلمات ص: ۶۲۷

۳۹۔ بديع الزمان سعيد النورسي، اللمعات، ص: ۱۷۴

۴۰۔ بديع الزمان سعيد النورسي، صيقل الإسلام، السانحات، ص: ۳۴۷

۴۱۔ بديع الزمان سعيد النورسي، صيقل الإسلام، ص: ۳۴۷-۳۴۸

۴۲۔ الأنفال: ۴۶

۴۳۔ أحمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۱۹۶۲۵، ۳۲/۳۹۹

۴۴۔ بديع الزمان النورسي، السيرة الذاتية، ص: ۹۹-۱۰۱، بديع الزمان النورسي: صيقل الإسلام، الخطبة الشامية، ص: ۹۸، ۵۳۶-۵۳۷، والنورسي، الآثار البديعية، ص: ۳۹۰

۴۵۔ الحجرات: ۹

۴۶۔ بديع الزمان سعيد النورسي، الملاحق، ص: ۴۱۶-۴۱۷

۴۷۔ زاده، جلال جلالي: قضية العنصرية والظلم الاجتماعي الناتج منها من منظور الإمام النورسي، بحث مقدم في المؤتمر العالمي التاسع لبديع الزمان النورسي، إستنبول، ۲۰۱۰م، ص: ۱۳۷

♦♦♦

Impact Of Shah-e-Hamdan's Teachings On Religious Life Of The Kashmiris

Dr. Kh. Zahid Aziz

Assistant Professor, Department of Kashmiryat,
University of the Punjab, Lahore

Abstract

Sayyid Ali Hamdani was one of the prominent thinkers of Islam. He expressed noble thoughts to guide others in right path. He was a great scholar in Arabic and Persian too. He was the author of more than one hundred books. He also established Khanqahs and Kutb Khanas in Kashmir. He not only persuaded the people of Kashmir to come into the fold of Islam, purely on the basis of his spiritual force but also framed a programme on the betterment of moral material and religious condition of their lives.

Key Words: Shah-e-Hamdan, Kanqah, Kashmiris, Spiritual Force, Moral, Religious, Condition

In the history of Islam, the Sufi saints have played a very important role. While the Muslim conquerors ventured to dominate the world with swords in their hands, the Muslim saints understood the woes of the people and gave the teachings of Islam to them as a panacea for their deliverance. A healthy society depends on the development of the individual character and in

this direction the services of the mystics were the foremost importance. In the chain of the Sufis of Islam, I notice a great personality of the Muslim world who chose to work for the religious and cultural transformation of the life of the people in Kashmir.

Sayyid Ali Hamadani was a Sufi saint, devoted preacher of Islam, great social reformer, scholar and a philosopher. He fully devoted his life to the propagation of Islamic teachings and remained busy till to his death (6th Zilhijjah, 786 A.H./A.D. 1385)[(1)] He was a versatile genius and was one of the most remarkable and luminous personality of the 14th century. His teachings were the essence of religious perfection of faith and basis of good conduct. Uncorrupted by the court life and unspoiled by wealth and power, he influenced the rank of Muslim society, improved its tone and helped in the evolution of Muslim mass culture specially in Kashmir. He is called the "Apostle of Kashmir" on account of his contribution and work in the valley.[(2)] He commanded great influence and respect among the people because of his unique and simple views regarding religion and culture. During his stay in Kashmir he found that the number of Muslims in the valley was very small while the majority of populations were Hindus. Non-Islamic Practices were prevalent in society and Islam had not made any appreciable headway in the valley. In contravention of the Islamic teachings, Sultan Qutub-ud-Din (King of Kashmir) had two wives who were sisters. The sayyid disapproved of these Non-Islamic Practices in Kashmir and in accordance with his advice the Sultan divorced one of his wives and adopted the dress common in the Muslim countries.[(3)] It was under the influence of the Sayyid that Sultan Sikandar banned all intoxicants, Sati and other evil practices.

Religion is a light which enlightens the human conscience and helps a human beings to drink nectar at the fountain head of spiritual perfection. Islam made its way into Kashmir not by forcible conquest but by gradual conversion for which the influx of foreign adventures from the South and Central Asia had prepared the ground.(4) Bulbul shah a great Sufi of the Suharwardia order came to Kashmir alongwith one thousand followers in the time of Suhadeva. During the early period of the Shahmri dynasty a caravan of Sayyids arrived in Kashmir who laid their imprints on every concernable area of human activity; religion, culture, politics and economics. The pride of place can be given to Mir Sayyid Ali Hamadani consequent upon the advice of his mentor, Sheik Sharaf-ud-Din, he undertook extensive travels. Kashmir also came up on his intenary. Kashmir has inherited a rich cultural and literary legacy which reflects a remarkable union of different cultural and literacy movements.(5) For a long time Kashmir alongwith Nalanda and Taxilla shared fame as an aimportant seat of learning and culture in the last here gathered scholars and saints from different parts of Asia to meet and exchange ideas on fundamentals of religions. At the time of the arrival of Shah-i-Hamadan, Leldew, a pious woman had already started a movement against the ritualistic and dogma ridden religion. The fundamentals of her religion were rejection of idolatory, unity of God and practice of yoga. She preached harmony between Hindu Vedantism and Sufism.(6)

The people of Kashmir which have had a rich intellectual heritage respectfully responded to the movement started by Sayyid Ali Hamadani. His personal experience and his message not only appealed the mind but it touched the heart of the masses especially those who alongwith physical appetite suffered from a

spiritual hunger. He came as a tempest to quench their unfulfilled desires. His philosophy was based on the material of human value. He had the belief in the divinity of human soul, in the universality of love and in the dynamic power of emotion. The spiritual exquisiteness and the divine dignity which clothed the personality of Mir Sayyid Ali Hamadani is explicit by his deeds and thoughts. He was free from all the prejudices and preferences. He reached to such a pinnacle of greatness that different religious sects owned and adore him. His message of love was unlimited. Through his religious experience he influenced every conceivable human activity in Kashmir. In order to proliferate his own experience and transform the character of the people, he established the Khankahs in different parts of Kashmir.(7) This was a unique endevour which had a great influence on the religious life of the people. People used to gather in these Khankah's for satiating their spiritual as well as physical hunger. The Khankah was an institution where people came without any discrimination. This free movement of people into the Khankah helped in breaking the class and caste society. The King and the common man were treated by Mir Sayyid Ali Hamdani with equal reverence.

The book that has had a tremendous influence on the religiocultural life of Kashmir is Awardi-Fathiya. This piece of superb Islamic literature, is a marvelous legacy which the Amir-e-Kabir bequeathed to Kashmiri Muslims so that they could cleanse their hearts every now and then by reciting it peacefully, melodiously and with full belief, by understanding its meanings properly and acting upon its each phrase and thereby safeguard themselves against sin, ignorance and innovation.(8) How extraordinary was Sayyid Ali Hamdani that he made an individual possibility, a collective one by offering a comprehensive and

multipurpose secital in Awradi Fathiya to the tradition mongers of Kashmir that time and today.

Chihal Asrar is yet another exclusive and grand work of Sayyid Mir Ali Hamadani. It is a store house of mystic experiences and is considered as a compendium of his glorious experiences.[(9)] The secret and the spirit that is contained in this grand work is the remedy that was suggested by Sayyid for the number of ills that had corrupted the society of Jammu and Kashmir. According to the Sayyid, peace, tranquility and progress can be ushered in a society if the man decides to realize himself. The process of self affirmation ultimately ends the quarrels, turmoils, turbulation, oppressions and deprivations. This was true at that time and this is true at this time also.

Sayyid Ali Hamadani possessed vast knowledge, wisdom and understanding. His disciples were practical men, who worked hard to earn their living and at the same time were God-fearing people, who absorbed themselves in prayers after their daily work. There was no caste system and all were equal. Such an economic order of the society greatly influenced the Hinuds and they felt attracted towards this social order.[(10)] It is evident that Islam became popular in Kashmir as a mystic order. When the number of brotherhood increased, then the Sayyid deputed his chief disciples alongwith a batch to different parts of the valley. In this way, a net work of the Sufi brotherhood was spread and these centers became the nucleus of missionary works for spreading Islam.

Shah-e-Hamadan stood for tolerance. He abhorred coercion in matters of religion. If he won over to Islam tens of thousands of converts, it was by peaceful preaching and thoughtful word which was supported by the pleasing deed. This trait of Shah-e-Hamdan,

which he exhibited in propagating Islam, was markedly present in his disciples whom he stationed in Kashmir. His legacy of tolerance was upheld by his eminent son and successor, Mir Muhammad Hamadani, who, when Sultan Sikandar's prime minister, Malik Saif-ud-Din turned hard on his former co-religionists was stopped by him from committing any excesses.[(11)] He is reported to have referred him to verse 256 of Surah Al-Baqarah which sets forth the principle.

The new face that Kashmir has worn since that time bears a deep impress of Shah-e-Hamdan. Kashmir infact was reborn to a new life in the world of Islam and the life of Kashmiri people absorbed fully the new spirit of Islam. That was preached by Sayyid Ali Hamadani. Kashmiri society got rejuvenated and integrated into the new social order of Islam. For Kashmiris this became the life model and harbinger of a new era, a transformation from an earlier corrupt society to a new tradition of Islamic Life. The new social order has sustained, got strengthened and further re-invigorated by several historical trials that the common people of Kashmir have suffered but borne with patience in the sincere hope that their deliverance lies in the true teachings of Sayyid Ali Hamadani who preferred the masses for a real free and disciplined life on the touch-stone of Islam. He made use of the religious tonic for the creation of a new social order. He broke the outer shell of rigidity and dogma instead of creating a fear, created love of the ultimate reality. He made this love manifest for clearing the social system. He not only succeeded in the mission but succeeded gloriously in uplifting the religious onditions of the Kashmiris.

♦♦♦

REFERENCES

1. G.M.D. Sufi, Dr. Kashir, Vol. I, University of the Punjab, Lahore, 1948, P.321
2. IBID.
3. M. Riaz, Dr., Asrar-o-Ahwal Amir Kabir Sayyid Ali Hamadani, Islamabad, 1986, P.20.
4. Aurel Stein, Dr., English Translation of Kalhanas Rajatarangi, Vol.I, Westminster, 1900, P.90.
5. Nazir Ahmad Shawl, Shah-e-Hamdan, Institute of Kashmir Studies, Muzaffarabad, Azad Kashmir, 1988, P.170.
6. Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore, 1962, P.73.
7. Muhibul Hassan, Kashmir Under the Sultans, Lahore, 1982, P.50.
8. Sayyidah Ashraf Zafar, Sayyid Mir Ali Hamdani, Delhi, 1986, P.44.
9. Prem Nath Bazaz, History of struggle for freedom in Kashmir, Delhi, 1954, P.49.
10. M. Riaz, Dr. Asrar-o-Ahwal Amir Kabir Sayyid Ali Hamadani, Islamabad, 1986, P.48.
11. G.M.D. Sufi, Dr. Kashir, Vol. I, University of the Punjab, Lahore, 1948, P.330

The Culture of Sufi Music, Qawwali & Dhamaal: Some Reflections from the Shrines of Northern Pakistan

Dr. Abdul Qadir Mushtaq

Assistant Professor, Dept. of History and Pakistan Studies,
Government College University Faisalabad

Umer Yaqoob

Lecturer Dept. of History & Pakistan Studies,
Government College University Faisalabad

Abstract

This article attempts to analyze the practice of Sufi music with special reference to qawwali and dhamaal dance as is performed on the two shrines of northern Pakistan namely the shrine of Golra Sharif and the shrine of Bari Imam. Sufism is an unbound reality of Pakistani society and culture regarding its different facets. This article highlights that how practices of Sufi music, qawwali and dhamaal prove as a source of solace and spiritual healing for the devotees of both the shrines. Moreover how these different manifestations of Sufi music help the disciples to establish their spiritual relation with their pirs and murshids.

Key words: Sama'a, trance dance, spiritual cheerfulness, Golra Sharif, Bari Imam,

Sufism which is also called as Islamic mysticism is a broad phenomenon which has a number of facets. It is related to spirituality, love of God and a complete absorption in the love of Allah Almighty. “Mysticism contains something mysterious, not to be reached by ordinary means or by intellectual effort is understood from the root common to the words mystic and mystery, the Greek myein, to close the eyes.”(1) Sufism is closely associated with spirituality and the love for the divine. “Mysticism can be defined as love of the Absolute – for the power that separates true mysticism from mere asceticism is love.”(2) “Divine love makes the seeker capable of bearing, even of enjoying, all the pains and afflictions that God showers upon him in order to test him and to purify his soul.”(3) “Whereas in Arabic, Sufism is called tasawwuf, both words come from Suf (‘Wool’), a reference to the woolen robe worn by the earliest Sufis. Since early times some have also linked the word Sufi with Sufiya (‘purified’ or ‘chosen as a friend [by God]’).”(4) There are various devotional practices regarding Sufism which are generally called as the rituals of Sufism. Such practices include julus, zikr, langar, dua, music (qawwali and sufiana kalam) and the trance dance and dhammal etc. The devotees and the murids take part in all these practices of Sufism enthusiastically and whole heartedly. These different Sufi rituals are performed with great reverence and the performers feel a great solace in practicing the devotional practices of Sufism. However, where the rituals of Sufism are performed with huge approbation and respect among the believers of Sufism and the devotees on one hand, these Sufi practices are also criticized by the people who do not believe in Sufism and its various practices on the other hand. It is worth mentioning here that the Sufi practices are blamed by the people not having belief in Sufism

include the practices of music and dance above all. This article attempts to explore the practice of Sufi music with special reference to qawwali and dhamaal dance regarding their ultimate goal i-e pleasing the God on the shrines of northern Pakistan namely the shrine of Golra Sharif and the shrine of Bari Imam.

Islam is a complete religion which provides us a profound guidance to live our lives in a good way in this world and in the life hereinafter. The sources of Islam 'the Quran and the Sunnah of the Prophet (SAW)' are the perfect guider for us to spend our lives in a way that should please the Allah Almighty. There is not a single domain of life which has not been discussed in the Holy Quran and about which we do not find counseling in the Ahadith and in the life of the Holy Prophet (SAW). Hence, following of the textual Islam for example performing salat, reading and following Holy Quran, fasting and doing good deeds while avoiding sinful acts brings our lives in accordance to the will of the Allah Almighty. Likewise, "Sufism or tasawwuf comprises of esotericism and initiation, haqiqa and tariqa i-e doctrine and method. The sharia, is the 'outward' religion which is accessible to, and indispensable for all. Tasawwuf on the other hand, is only for those possessed of the necessary vocation."(5) Hence it can be said that Sufism is the spiritual manifestation of what is known as the textual Islam. Therefore, the textual and the spiritual Islam are the two merging streams which after getting joined complete the faith of a true Muslim.

In Pakistan the importance of religion is an undeniable fact as Pakistani society and culture are over powered by religion. "In Islam the two domains – outward and inward – remain more or less distinct, though they bear a very definite relationship to one another."(6) "This relationship can perhaps best be described as

follows; the outward religion, or 'exoterism', (known in Islam as Sharia) may be likened to the circumference of a circle. The inner Truth, or 'esoterism', that lies at the heart of the religion (and is known in Islam as haqiqa), may be likened to the circle's centre. The radius proceeding from circumference to centre represents the mystical or 'initiatic' path (tariqa) that leads from belief to vision, from potency to act."(7) The Sufi saints develop such a relation with God that they reach to such a state of ecstasy where they forget all worldly relations and life affairs and only spend their lives in the love of Allah Almighty. Similarly the believers of the Sufi saints and the murids perform all the Sufi practices and rituals with full love and devotion and feel solace in performing Sufi practices like music, dance and dhamal etc without any discrimination of men or women. These practices are commonly practiced at different Sufi shrines for example shrine of Golra Shareef and the shrine of Lal Shahbaz Qalandar in Sehwan Sharif. However, the focus of this research revolves around the two famous shrines in northern Pakistan i-e the shrine of Hazrat Bari Imam and the shrine of Pir Syed Meher Ali Shah of Golra Sharif.

The Sufi Ritual Sama'a as A Devotional Practice in Sufism

As the devotional practice of Sama'a holds great significance among few schools of thought in Sufism so first of all it is necessary to know what sama'a actually is, which takes the performer to the other world of piety and spiritualism.

When a person sings the mystical poetry he expresses the oral art which is vital to the Sufi concept of tauhid which means that there is no other God except Allah Almighty.

"The context of Sama'a (the music concert) is based on a

qaul, which in Arabic means a spiritual saying while the singer of such qual is called a qawwal."[(8)] Basically Sama'a consists of the qawwali and the Sufiana kalam. "Qawwali is essentially a male genre, usually sung by professional musicians, consists of a team of five to twelve musicians who take turns singing a single narrative and they sit during the performance. Two or three main vocalists lead the group. Qawwali performances are characterized by the use of rhythm, created through the percussion of drums and handclaps, together with the melodies, the percussion and the handclaps create the ecstasy in the performance and to a large extent depend on the interaction between the musicians and the listeners"[(9)] On the other hand "Sufiana kalam is mystical poetry usually sung by a solo musician to minimal instrumentation, women's input in this tradition is significant while sometimes two or more singers perform it in a chorus. However whether it is a monologue or a chorus, it does not have the structured, classical, turn taking dialogue found in qawwali, the musician generates the body language to engage the audience in the performance like Alan Faqir uses the stringed instrument in one hand while the folk singers Alam Lohar and his son Arif Lohar use the chimta (long tongs)."[(10)]

However the prominent examples of Qawwali known in Pakistan and internationally as well include the famous names of Ustad Nusrat Fateh Ali Khan, Aziz Mian Qawwal, Sabri Brothers and Sheikh Miandad etc on the contrary singers of sufiana kalam encompasses the famous names of Alan Faqir, Alam Lohar, Arif Lohar and world renowned female name i-e Abida Parveen etc respectively.

The Devotional Practice of Qawwali at the Shrine of Golra Sharif

Nevertheless, as far as the shrine of Golra Sharif is concerned the ritual of qawwali is performed on regular basis on various ceremonies of the shrine especially at the occasion of the urs celebrations. Moreover this ritual is performed regularly i-e every day at the shrine in the form of qawwali with great love, reverence and respect. Hazrat Pir Meher Ali Shah is also told by his devotees and murids to have listened sama'a and used to reach the extreme state of spiritualism i-e wajd or ecstasy which is mentioned in detail below!

Being primarily related to the Chishtiya school, Hadrat Syed Pir Meher Ali Shah used to consider the sama'a along with the musical tools permitted anyhow he was observed by his devotees listening music only in his early life period and as he grew more and more in mystical immersion the tendency of listening sama'a particularly with the musical instruments reached to its minimum level. "Normally, Hadrat showed no visible sign of the spiritual impact of sama'a, but very occasionally he used to experience wajd (ecstasy) and when it happened the entire audience felt the impact and instances are on record of non- Muslims embracing Islam simply by attending Hadrat's sama'a sessions and during the period of Babuji, Hadrat's only son and successor, sama'a became a regular daily phenomenon and remains so even today." [(11)] Moreover Hazrat Syed Pir Meher Ali Shah has specified three prerequisites to sit in the majlis of Sama'a in his will. Firstly all the people coming to the majlis of Sama'a must perform ablution, secondly they must recite Darood Shareef during the session of Sama'a and thirdly during majlis of Sama'a one Sufi of the shrine

must be present among the other people.[12] We paid several visits to the shrine and observed the way the people pay homage and huge reverence due to their firm belief on the Sufi saint of the shrine of Golra Sharif Hazrat Pir Meher Ali Shah.

However, as far as qawwali is concerned, every day at 11 O'clock in the morning. It is performed with proper arrangements and settings. We observed different things like in the men's section, the white sheets of clothes are spread on a the side of the qawwals performing qawwali and it is imagined by all that Hazrat Pir Meher Ali Shah is also present in the majlis and listening the qawwali. All the men were sitting in rows in a circular form within a boundary with small walls and were listening the qawwali with the observance of great reverence and devotion and were also repeating the last verses of every stanza of the qawwali.

Moreover, the women were also present there but they were sitting with a little gap from the men's section on the back side along with a corner wall. Many women were listening the qawwali by heading down and looking at the floor. Few of them were face veiling as well. They were also repeating the verses of the qawwali but at a low voice. The qawwals anyhow, were three in number and they were accompanied by the different musical instruments like tabla, harmonium etc. These qawwals are called as 'Special Qawwals' of the shrine who only perform at the shrine of Golra Sharif and nowhere else they even stay within the area of Golra Sharif.

The tradition of qawwali has a long legacy regarding the shrine of Golra Sharif. Among these the Mehboob qawwal used to perform the ritual of qawwali along with sitar afterward Mushtaq qawwal continued this tradition while at present Bhola qawwal performs qawwali along with harmonium on this particular

shrine respectively. Moreover another indispensable thing to be mentioned is that the present Pir Shah Abdul Haq Sahib was also sitting in the qawwali which was obviously an astonishing thing that without any difference the present Pir of the shrine was sitting along with others to listen sama'a. However, mostly the verses sung by the qawwals are from the poetry of Hazrat Syed Pir Meher Ali Shah and Pir Naseer ud Din Shah. Here are mentioned the verses of the most sung qawwali by Hazrat Pir Meher Ali Shah!

Ajj sik mitraan di wadheri ae
kiyun dilrhi udas ghaneri ae
Loon loon wich shoq changheri ae
Aj naina laiyaan kiyun jhariaan
Mukh channd badar shahshani ae
Mathay chamkay laat nooraani ae
Kaali zulf tay akh mastani ae
Makhmoor akhi hin madbhariaan
Aeis surat nu mai jaan aakhaan
Jan aakhaan kay jaan e jahaan aakhaan
Sach aakhaan tay rab di mai shaan aakhaan
Jis shaan ton shaanaan sab baniyaan
Subhan Allah ma ajj maalaka
Ma ahsanaka ma akmalaka
Kithay Meher Ali kithay teri sanaa
Gustaakh akhiyaan kithay jaa ariyaan **(13)**

The shrine of Golra Sharif holds a distinct significance with regard to the devotional practice of sama'a in the form of qawwali which is an integral part of the Sufi rituals at the shrine of Golra Sharif. Hazrat Pir Meher Ali Shah was also observed of listening sama'a and reaching to the state of ecstasy i-e Wajd. He also wrote the Sufi poetry in the form of naat and in the praise of God and

admiration of Holy Prophet (SAW). "The ritual of sama'a however, is performed on annual urs (death anniversary) celebrations of Hazrat Ghaus-ul-Azam, Hazrat Pir Meher Ali Shah, Hazrat Babuji and Hazrat Pir Naseer ud Din Shah while the birthday of the Holy Prophet (SAW) is celebrated with special veneration and fervor and attracts a very large gathering." (14)

The Culture of Trance Dance and Dhamaal at the Shrine of Bari Imam

The shrine of Bari Imam is visited by a large number of people who come from many different and even far flung areas for mannats and the fulfillment of their wishes. However, "both elite and the poor people visit the shrine of Bari Imam the most as in their opinions a key role of the saint is believed to be his ability to act as mediator for his disciples with God on the day of judgment, asking forgiveness for them and thus assuring that they go to the paradise (jannah) and the rich and the poor need this meditation of the Sufi to get what they do not possess themselves." (15)

At the shrine of Bari Imam the ritual of dhamaal is performed with great enthusiasm and reverence to the saint. "Today thousands of pilgrims visit this shrine, where both men and women perform dhamaal to the beat of the drum, a large ritual at the shrine, emulating the ecstatic state of their saint to the point of trance."(16) Mainly people perform dhamaal for two reasons. Firstly the ritual of dhamaal is performed for establishing the relation with their murshid as during dhamaal they reach a state of ecstasy and trance at this particular state they feel as they are present before their pir to which they call as hazri in front of their saint. On the other hand the second purpose of performing dhamaal is the fulfillment of their worldly wishes etc. As they

believe that the saint is the healer of all their injuries and would cure and save them from every coming mishap and misfortune.

Moreover Muhammad Azam Chaudhary describes his field work at the shrine of Bari Imam (N. P). That "A middle aged woman was dancing with the beat of drum. We asked her as to why she was doing that in a society where women are not expected to do such things in the public. She told that she did not beget any children and then she made a promise to the saint that she will participate in his urs every year barefooted and would also dance on all the days of the urs. She got her desired fulfilled and since then she is regularly participating in the urs.[17] "The other groups of population performing dhamaal on the shrine for the same or the different reasons include the marginal groups like transgender, prostitutes, malangs, singers and beggars living in the slums and the shanty towns." So people from all walks of life pay visit to the shrine and perform dhamaal dance (whirling, dancing and tapping the earth with their feet) along with the drum beat, especially during the urs celebrations singing the verses like!

Bari bari sarkar bari imam bari
Meri khoti qismat karo khari

Conclusion

The phenomenon of Sufism and its devotional practices are an unbound reality of Pakistani society and culture. The performing of the Sufi rituals helps the devotees to get closer to the God and the rituals of qawwali and dhamaal take them far from this material world where they may find solace, healing powers and spiritual cheerfulness.

However, at the shrine of Golra Sharif dhamaal is not

practiced while the ritual of qawwali is performed as an extremely holy practice to the Sufi saint which is organized by the shrine on the contrary, at the shrine of Bari Imam qawwali is not performed rather the ritual of dhamaal is performed which is not organized by the shrine instead the devotees themselves perform this devotional practice on different occasions like urs celebrations etc.

Moreover, the culture of shrines is quite flexible as the shrines of the Sufi saints give chance to the people from all walks of life to participate in the Sufi rituals on an equal footing without any discrimination.

Refrences

1. Annemarie Schimmel, Mystical Dimensions of Islam, Lahore: Sang-e-Meel Publication, 2003, P.3.
2. Ibid, P.4.
3. Ibid, P.4.
4. William Stoddart, Sufism: The Mystical Doctrines and Methods of Islam,Lahore: Sohail Academy Urdu Bazar, 1999, P.20.
5. Ibid., P.21.
6. Ibid, P.20.
7. Ibid, p.20.
8. Shemeem Burney Abbas, The Female Voice in Sufi Ritual: Devotional Practices of Pakistan and India, Karachi: Oxford University Press, 2003, P. 8.
9. Ibid, P. 8-9.
10. Ibid, P. 9.
11. Muhammad Fazil Khan, Hadrat Pir Meher Ali Shah of Golra Sharif A Brief Sketch of His Life, Works, Achievements and Spiritual Greatness, Lahore: Pakistan International Printers Ltd,

P.29.

12. Muhammad Fadil Khan, Mehr -e- Munir, Islamabad: Dargah-e-Ghousia Mehria, 2000, P.59.
13. Muhammad Fazil Khan, Hadrat Pir Meher Ali Shah of Golra Sharif A Brief Sketch of His Life, Works, Achievements and Spiritual Greatness, Lahore: Pakistan International Printers Ltd, 1990, P.29.
14. Ibid, p.28
15. Muhammad Azam Chaudhary, "Religious Practices at Sufi Shrines in the Punjab",Pakistan Journal of History and Culture, Vol. XXXI, No. 1, P. 130, 2010, P.11-12
16. Hiromi Lorraine Sakata, "Spiritual Music and Dance in Pakistan", Etnofoor, Vol. 10, No. 1/2, P.165-173, 1997, P.168. Available at: http://www.jstor.org/stable/25757914 accessed on 8.10.2015.
17. Muhammad Azam Chaudhary, Cultural Analysis of Politics, Law and Religion in Pakistan, Some Essays in Interpretative Anthropology, Koln: Rudiger Koppe Verlag, 2008, P.79

30. Ibid, P.11.

The Role of Sufis in Construction of Peaceful Society

Dr. Matloob Ahmad

Associate Professor of Islamic Studies

Government College University, Faisalabad

Abstract

In present time, it is commonly observed that the people and society are facing many problems which are disturbing the social, Economic religious and political structure of state. This situation becomes double where problems like terrorism, poverty, illiteracy, corruption, religious controversies, political and economic disturbances, human rights destruction, religious disharmony and problem of endurable peace are the main issues of the society. So, the need of time is search the exact truth of funding complete solution harmonized world where every creed, sect and religion enjoy the freedom of expression under one umbrella of peaceful society and prosperity which is only thought the Tasawwuf. The Sufis played an important role with their teachings and character for making a peaceful society. The role of Sufis has very importance to promote social and moral values among all people to tolerate and maintain the Socio-Political and religious harmony for sake of people's prosperity and for construction of peaceful society.

Key Words: Terrorism, Religious controversies, Peace, Tasawwuf, Harmony, Sufi, Moral values

The religion of Islam in a general sense approaches the human being both at an individual level as well as from a societal perspective. Those who accept that Islam is the religion of all age, then he will also accept that Tasawwuf is also a need for all ages because Tasawwuf is an important element from among other elements of Islam. The reason for the Holy Prophet(ﷺ)came into this world include the recitation of the verses of Allah Ta'ala, teaching of the instruction present in the book of Allah, wisdom and purity of inner soul. Just like Islam is incomplete without learning of the Holy Quran, similarly Islam is incomplete without purifying the inner soul and the basis of Tasawwuf is to acquire purification of own self which is used to gain the will of Allah Ta'ala. The nearness of Allah and for worldly society construction and religion fortune. We now know that without Tasawwuf a Muslim cannot become a complete Muslim and until one becomes a complete Muslim, one cannot become a complete human because the teachings and practices of Tasawwuf are the same of the Islam.

The Taswwuf creates a balance in a man, the sickness of greed, pride and hyrierisy is eliminated. When these illnesses are not present then we will work gatherly for the benefit and the peace of entire nation and state unity and discipline will be developed in us and with these qualities, we can perform an important role for creation of good governess and prosper more in society.

Tasawwuf represents the very pinnacle of faith. It is the supreme standard of one's spiritual state. It is also very compulsory to know the meaning and definition of Tasawwuf. Shaykh-ul-Islam zakariyya Ansari says about the definition of tasawwuf.

> Tasawwuf teaches one to purify one's self, improves one's morals and build up one's inner and outer life in order to attain perpetual bliss, is subject matter is the purification of the soul and its aim is the attainment of eternal felicity and blessedness. [(1)]

Hazrat Iman Ghazali states Taswwuf in these words.

> I have come to know with complete proof that those who ractice Tasawwuf are called"Sufi".The Sufi is the one who walks on the path to Allah. Their nature is the best of all nature, Their nature is the moral values are purer than all, infact if you collect all intelligences together, all hikmat together, all knowledge of the scholars together so that you find an alternate method of the Sufis which is better than theirs, then that will not be possible because their act whether is visible or invisible is taken from the source and light of Nabowwat and there is no other light in the entire universe that can give light and Guidance instead of light of Nabowwat. [(2)]

The role of Sufis was made positive in the formation of peaceful society. Because the Sufis teach the human being to attain oneself for the purification of heart and actions. When a man adopt himself in light of teachings of Tasawwuf and Sufi's way of actions. He will take peace and restness in society and state. Holy Quran also announces that those peoples are successful who purified himselves.

The Holly Quran states as

قد اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ

خَيْرٌ وَّ اَبْقٰی۔(۳)

> The one who will take admonition and purify himself shall be successful, who remembers the name of his Rabb and prays. But O men! You prefer the life of this world, while the hereafter is better and everlasting.

A successful society is that in which there is lack of problems and pure from any kind of evil. This is only possible due to having an environment of Ehsan.

Ehsan is a practical form of Tasawwuf."It is the supreme standard of one's spiritual state. One is perfect in his faith who has himself wealth of Ehsan"(4). The famous tradition of Prophetﷺ consisting of the dialogue between him and the angel, Gabriel, the manner in which the term Ehsan occurs in it after Iman and Islam "Testifies to the truth of the assertion that Ehsan marks the ultimate stage in the evolution of faith and peace in society. (5)

When the Holly prophetﷺwas asked about the Ehsan. He answered as

قال فاخبرنی عن الاحسان۔قال ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔(۶)

> He (Gabriel) asked "What is Ehsan "The Prophet answered",Ehsan means to worship Allah as if one is actually seeing Him or is being seen by him.

In other words the stage of Ehsan is reached when the awareness of God becomes the greatest reality of one's life and one's every act is performed under a constant sense of His presence for although man

cannot see God. It is just not possible in this material world. Allah does see him all the time.

The Holly Quran also announced the importance of Ehsan

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ و ایتائ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ (۷)

> Allah commands doing justice, doing good to others and giving to near. Relatives, and He forbids indecency, wickedness, and rebellion. He admonishes you so that you may take heed.

So, by means of Ehsan, a person can close with each other Muslim and save himself from each kind of vice when, there were no evils, crimes and immoral habits in society. The peace and calmness surrounds the populace.

The verses of the Holly Quran and a tradition of the Prophetﷺ on the subject of Ehsan tells that

> A person whose state may be that when he loves, he loves for hates, he hates for the sake of God and when he gives, he gives for the sake of God and when he with holds his hand from giving, he with holds it for the sake of God. He has attained perfection of his faith, in result of heart satidfaction and peace. (8)

The Sufis identified service of God with the service of the man

> "Shaikh Junaid Babhdadi was quoted in the mystic circles of Dehli as saying that he found God among the poor people in the streets of Madina". (9)

Shaikh Nizam-ud-din Auliya classified devotion to God into two

categories: Ta'at-i-Lazmi and Ta'at-i-Muta' addi. Ta'at-i-Lazmi consisted of prayers and penitences that an individual performed, while

> "Ta'at-i-Muta'addi consisted in helping the needy, poors and feeding the hungry for creating the peace and restness in the society and also ten strengthen the bond among the human beings"[10]

Abu Nasr Al-Sarraj al-Tusi (3781988) points and declares that the" Muraqaba is also the complenentory of Ehsan. He views as it is very root of all good".[11] The expression'even if you do not see Him' He truly sees you" which is employed in the famous prophetic tradition as the definition of"Ehsan indicates the state of Muraqaba. Describing Muraqaba or vigilant awareness as"Realesing the spiritual station of Ehsan''. [12] Literally meaning, surveillance, preservation, being in expectation of some calamity.Muraqaba is indicated in such Quranie verses as

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا۔ (۱۳)

God is ever watch full over everything.

At another place Quran says

وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ۔ (۱۴)

And He is with you, where ever you may be.

Muraqaba is a form for remembering the Allah Taala in any moment through which a Muraqaba holderan come very close to his Lord and attained the state of self-purification. And these Sufis play an important role for making a peace full society.

States about the Muraqaba:

> Muraqaba is a person's knowing without a doubt that God is aware of everything occurring to their heart and all the preoccupying thoughts deterring them from remembrance of their Lord and Master. **(15)**

Says also that Muraqaba is a source for earning God's good pleasure and enabling the persons an ideal inhabitant of the state.

> Muraqaba entails a person's monitoring their heart at each breath, every action and behavior with a view to earning God's good pleasure and enabling their heart to become a site where God directs His gaze. On the other hand, it involves their feeling themselves to be under God's watch at each thought and deed and attaining. The realization that they can never leave the sphere of His disposal. **(16)**

Sufis work individually for purification of heart and also trains their disciples for this practice too. Because the heart and mind are basic sources of all good and bad actions. The Holy Prophet ﷺ also said that the heart is the central organ of the body. If its work is right, all body is right and if it is disturbed, all work of body disturbed.

The Holy prophet ﷺ says:

> وَ انَّ فی جسد مضغةً اذا صلحت صلح الجسد کلّه و اذا فسدت فسد الجسد کلّه الا و هیَ القلب۔(۱۷)
>
> And undoubtedly, the body having a hump of flesh, if its working proper good, then all body became safe sound and when it became vicious, resolutely all body lost modesty. Be aware! That(Hump of flesh) is heart.

Due to the philosophy and central Idea of the said tradition of the Holy Prophet ﷺ the Sufis try their best to pure their heart and acts and this is only done by the Muraqabas in their compnies of with their disciples. When common people attained this of the purification, it means that their work will be the good and righteous. The righteous and virtuous working create and constructs a successful and peaceful society. Tasawwaf also includes in its teachings. The spirit of "Ithar" which is very important is Islamic society to close and strengthen.

The brotherhood among eachother. Mustafa cagreci defines the Ithar

> "A person using the resources at their disposal in meeting the need of others, even when they themselves are in need, and their sacrifice for the good of others". (18)

The words 'Jud' and 'Sakha' are also essentially synonymous with the term. Imam Qushayri also states about these two words as

> These words (Jud, Sakha), denote "bountifulness" and "generosity", cab be interchange able, there are nuances between them so, Sakha is the first degrce, Jud the second, while Ithar is the third and highest degree. (19)

And Al-Jurjani says that Ithar means

> "A person's preferring the interests to their own interests, or protecting them from any harm first and foremost". (20)

The teaching of Ithar has also be indicated in tradition of the Holy Prophet ﷺ which are also an emblem of great hospitality,

generosity and social service of mankind Hazrat Abu Hurayra said as

> A man came to the prophet ﷺ and said, "Messenger of God, I am afflicted by great hunger" So, he was sent to his wives and he did not find any food with them. The prophet said",who will host this man tonight. A man from the Ansar(Abu Talha)stood up and he took him in his home and asked his wife whether, there was anything to offer him. She told him that only food for children. He said his wife, present this food to the Guest and put the children to sleep and put out the light is give the guest an impression that we too are eating. We will bind our bellies tonight. She did just that. In the morning, when he met the Prophet ﷺ who said God was pleased for the treatment they showed their guest last night. Then God revealed this verse. (21)

وَ الَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ۔ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۔ (۲۲)

And those who accepted this city as their home and accepted faith before them, befriend those who migrated towards them and in their breasts do not find any need for what they have been given, and prefer the migrants above themselves even if they themselves are in dire need: and whoever is saved from the greed of his soul. It is

they who the successful.

This concept of Ithar and service of Humanity which is given in the Hadith and Quran, also adopted Sufis in their daily life and they also taught this lesson to all their followers

Khwaja Mu'in-ud-din chishti advised his followers as

> You should develop yourself river like generosity, Sun like affection and earth like hospitality. As these Phenomena of nature make no distinction between any creature of God, likewise man should not discriminate between one human being and another. (23)

Similarly, it is said that once, Hazrat Shaikh Nizam-ud-din was sitting with his disciples and told the audience that"once prophet Ibraham was reluctant to ask a non-believer to partake of food with him. Prophet came the admonition from God "Oh Ibraham !We can give to life this man but you cannot give food to him". (24) So, due to this reason, the Sufis khanqahs supplied food and shelter to all sorts of people, no matter to what religion they belonged. Shaike Nizam-ud-din

> "Used to fast regularly. When food was brought to him at the time of sahri, morsels would stick in his throat as his mind went back to persons who had gone to bed without food". (25)

It is looked and observed that in each society, there are lying present poor, needy, orphans and disables communities. They cannot earn so much for livings. So, these groups of individuals create

disturbance and disability for state and society. But the Sufis in their teachings and practices tried their best to solve these basic problems of populace. And they also established in states a successful and peaceful society.

For establishment and construction of a restful and balanced society, the tasawwuf also teaches for adopting the"Tolerance and patience."Tolerance is the basic principle of the Islam and Tasawwuf. It is religious and moral duty. It does not has the meaning of lack of principles or lack of seriousness about one's principles. Sometimes it is said"People are tolerant of things that they do not care about."

But this is not the case in Islam and Tasawwuf. Tolerance according to Islam does not mean that all religion are the same and we do not believe in the supremacy of Islam over other faiths and ideologies. It also does not mean that we do not convey the message of Islam and Tasawwuf to others and do not wish them to become Muslims.

Tolerance literally means"to bear"(26) and in common concept it is defined as"respect, acceptance and appreciation of the rich diversity of the world's cultures, forms of expression and ways of Human beings." (۲۷)

There are also other words that give similar meanings such as "Hilm" (forbearance) and "Afu" (pardon, forgiveness). (28)

While in urdu language, this word is used as"Rawadari" which comes from"Rawa" meaning' acceptable or bearable". (29)

The Sufis adopted in their lives the element of tolerance and patience. Because this creates the humbleness humility, in human beings and made society and environment spotless. Having in itself the tolerance and patience, are also the direction of the Holy Quran as:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا۔ (۳۰)

So, leave them and be tolerant.

And on another place, it is said as:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (۳۱)

And they should forgive and forbear, do you not like that Allah may forgive you.

These verses of the Holy Quran give the populace, the lesson and exhortness for excuseness on any mistake of other brother. But another places, the Holy prophetﷺalso advises the Muslims for avoiding any type of angerness, Irritation and usurpation. Once, a companion of the Holy prophetﷺasked for advice many times but the Prophetﷺagain and again answered for negating the angriness.

The word of Hadith are as:

عن ابی ھریرۃ ان رجلا قال للنبی اوصینی قال لا تغضب فردّد مرارا قال لا تغضب۔ (۳۲)

Abu Hurairah(R.A) narrated that a person requested the Holy prophetﷺfor giving him an advice, the prophet ﷺsaid",Do not angry." He (Questioner) repeated his question many times but He(The prophet) said",Do not angry."

The Holy prophetﷺsaid is another Hadiths that a powerful

and strong wrestler is that who controls himself when he is angry.

قال فماتعدون الصرعة فيكم؟ قال: قلنا الذی لا يصرعه الرجال۔ قال ليس بذلک ولکنه الذی يملک نفسه عند الغضب۔ (۳۳)

> (The Holy prophet ﷺ)said",Whom do you count as a wrestler among you" we said",He whom people cannot defeat him in wrestling".He said",No, it is not so, but he is one who controls himself when he is angry."

From the teachings of Quran and Hadiths, it is clear that negation of angry and adopting the Tolerance is an individual quality of Muslims. So Sufis also adopted these teachings and they change circumstances and traits of society in light of these teachings. Shaikh Ali bin Usman Al-Hajvari states an incident of shaikh Abu Tahir Haraqi in which the shaikh was faced very insulting words by a layman but He did not feel it and also forbade his disciple to do any street activity against the man. It is stated as:

> Shaikh Abu Tahir Haraqi was passing a bazar with riding on donkey attended by one of his disciples, A person cried out",here comes that old freethinker",The indignant disciple rushed at the speaker to strike him. The Shaikh said to disciple for having silence instead of angry. They returned home and the Shaikh gave him a box which contained letters which were addressed to Shaikh with honor able titles like'the Shaikh of Islam' "The pure shaikh"",The ascetic Shaykh"."The Shaikh of the two Sanctuaries" and so on.The Shaikh said",They are titles but I am none of these things' but every person gives me the title with his firm belief

conccrning me. If that poor fellow did the same just now, why should you quarrel with him" (34)

Shaikh Abu Sa'id Abul Khair said that

"There were myriads of routes and roads leading to God, none was quicker and more effective than bringing happiness to the hearts of men with love, Tolerance, faith and sympathy." (35)

All these verses, Hadiths and other teachings of Sufis that Muslims do not coerce people, They must present the message of Sufis to them in most cogent and clear way, invite them to the truth and do their best in presenting and conveying the message of Allah Ta'ala and Sufis teachings to humanity for creation of peaceful society.

The teachings of Islam and Tasawwuf emphasize the establishment of equality, justices, Ehsan, Ithar and Mohabbat, all of these are the basic elements, necessities and requirements of a peaceful society. But these values of successful society cannot be established without some degree of tolerance, because the intolerance is on the increase in the world today, causing death, genocide, violence, religious persecutions as well as confrontations on different levels. Sometimes it is racial and ethnic, sometimes it is religious and ideological, other times it is political and social. In every situation it is evil and painful. The solution of these problems and evils is only in the teachings of Sufies which are discussed for the construction of a peaceful and successful society.

Refrences

1. Selcuk Eraydin, Tasavvuf ve Tarekatlar, Marmara Universitesi ilahiyat vakfi Tayinlan, Istanbul, 1997,P.149
2. Abu Hamid, Al-Ghazali, Ihya Uloom al-Din, Dar al-kutub al-ʿilmiyya, 2001,Berut, P.249
3. Al.Aʻla 87:14-17
4. Muhammad Tahir, Sufism, Evolution and practice, Anmol Publications PVT, New Delhi, 1997, P.75
5. Nurbaksh, Dr. Javad, Sufism: Meaning Knowledge and Unity, Khaniqahi- Nimatullahi Publications, New York, 1981,P. 137
6. Bukhari, Muhammad bin Ismʻil, Al-Sahi, Al Makatab Al-Islamiyya, Istanbul, 1992,Hadith Jibril, Kitab-ul Iman, 37
7. Al-Nahl 16:90
8. Ibn Qayyim, Al-Jawziyya, Madarij al-Salikin, Dar al-Kutub al-ʿilmiyya, Berut, 2004,P.610
9. Prof, Shustery, A.M.A, Early Sufis and their Sufism, Adam Publishers and Distributors, Delhi, 1999,P.127
10. James Fadiman and Robert frager, Essential Sufism: Selection from Saints and Sages, Gulshan Books, Srinagar 2009,P. 169
11. Abu Nasr Sarraj Al-Tusi, Kitab al–Luma Fil Tasawwuf, Maktaba Al- Mosanna, Baghdad, 1958, P.78
12. Iman Qushayri, Al- Risala al-Qushayriya,ed. Halil Mansur, Dar al-Kutub alʿilmiyya Berut,2009, P350
13. Al-Ahzab 33:52
14. Al-Hadeed 57:4
15. Abu Nasr Sarraj, Kitab al-Luma, P.80
16. Qushayri, al Risala P: 1220
17. Iman Muslim, Sahi Muslim, Translated Al-Hafiz Zakiuddin Abdul

Azim Al. Mundhire

18. Raghib Isfahani, al-Mufradat, Dar al-Qalam Dimashq, 2002,P: 134
19. Ismail, Anqarawi, Minhaj Al-Fuqara, ed. Saadettin Ekici Insan Yayinlan, Istanbul, 1997,II, P.255
20. Al-Jurjani, Sayyid Al-sharif, Kitab Al-Taʻrifat, kitab-al-Ilmiya, Berut, 1983,P.29–30
21. Mulim bin Hajjaj, Sahi Muslim, Dar Ihya al-Kutub al-Arabiyya, Caira, 19551P.172–73
22. Al-Hashr 59:9
23. Peeran S.L, The Essence of Islam, Sufism and its Impact on India, East-west Books, New Delhi, 1998,P. 230
24. Valiuddin, Mir, Qur'an and Tasawwuf, Motilal Banarsidass, New Delhi, 1959,P. 126
25. Stoddart, William and Nicholson, R.A※※Sufism, The Mystical Doctrines and Idea of personality, Adam publishers and Distributors, Delhi, 1998,P. 223
26. Wehmeir Sallay, Mclintosh colin and others, Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English, Oxford University Press, London, 7Th, Edition, 2005,P. 1270
27. Josh Me-Dowell and Bob Hostetler, the New Tolerance, Tyndale House Publisher London, 1998,P. 319
28. J. Milton Cowan, A Dictionary of Modern written Arabic, Macdonald and Evans Limited, London, 1960,P. 2003

29 John. T, Platts, M. A, A Dictionary of Urdu classical Hindu and English, Oxford University Press, London, 1965,P. 324

30. Al-Baqarah 2:109
31. Al-Noor 24:22
32. Bukhari, Muhammad bin Ism ʻil, Al-Sahi, Al Makatab Al-Islamiyya, Istanbul, 1992

33. Iman Muslim, Sahi Muslim, Translated Al-Hafiz Zakiuddin Abdul Azim Al. Mundhire V.2,P. 955

34. Ali bin Usman, Hajvairi, Kashf-Al-Mahjub, Prefaced by Pir Muhammad Karam Shah Al-Azhari, Zia-ul-Quran Publications, Lahore, 2001,P. 137–38

35. Mirza wahiduddin Baig, The Big Five Sufis of India-Pakistan Millat Book center, New Delhi, 1972,P.144